فتاویٰ نوریہ

ایک تقابلی مطالعہ

علامہ محمد الیاس اعظمی

القلم پبلی کیشنز لاہور

ہدیہ تشکر

میں اپنے ان جملہ احباب، کرم فرماؤں اور اعزہ کا صمیم دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس طویل اور کٹھن کام میں ہر مرحلے پر میرے ساتھ ہمہ جہتی تعاون کیا، اللہ تعالیٰ ان کو تبلیغ و اشاعت دین کے سلسلہ میں میری سرپرستی و مدد کرنے پر اجر جزیل عطا فرمائے:

۱ حضرت صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ
۲ شیخ الحدیث علامہ محمد معراج الاسلام صاحب (شارح بخاری)
۳ حضرت علامہ مولانا مفتی علی احمد سندھیلوی مدظلہ
۴ برادر مکرم جناب صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری صاحب
5 برادر مکرم جناب تاج الدین ہاشمی صاحب
(ڈپٹی ڈائرکٹر فرید الدین ریسرچ انسٹیٹیوٹ، لاہور)
۶ عزیز مکرم جناب زاہد عزیز حقانی صاحب ایم اے
۷ عزیز مکرم جناب شاہد رضا صاحب لائبریرین (cosmos) لاہور
8 برادر مکرم جناب عبدالجبار تبسم صاحب
(چیف لائبریرین فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور)
8 عزیز مکرم جناب عامر سعید صاحب ایم اے
9 عزیزم جناب محمد کاشف مختار کیانی صاحب (سب ایڈیٹر روزنامہ "جناح" لاہور)
۱۰ عزیزم جناب محمد ساجد نوری صاحب، دیپال پور

❁❁❁❁❁
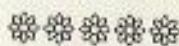
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث دل

یہ ۱۹۹۱ء ہے، ایک نوری دوست نے ''نور الحبیب'' کی خصوصی اشاعت ''فقیہ اعظم نمبر'' کی خوش خبری سنائی اور ساتھ ہی حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز پر ایک مضمون لکھنے کا حکم صادر فرما دیا۔ اس وقت یقیناً ''آپ بھی حضرت فقیہ اعظم کی شخصیت کے حوالے سے ایک مضمون لکھیں'' کے یہ الفاظ تو مجھ پر برق آسمانی بن کر گرے۔ تب تو میں نے اپنی کم علمی اور حضرت فقیہ اعظم سے کوئی شخصی تعارف نہ ہونے کی حقیقی مجبوری کا سہارا لیتے ہوئے معذرت کر لی اور بات ختم ہو گئی، لیکن ایک دن غالباً نومبر کا مہینا تھا اور میں جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن کا فائنل مقالہ ''ضرورتِ مذہب اور وجودِ باری تعالیٰ'' کے موضوع پر اپنا تحقیقی مقالہ لکھنے میں مصروف تھا کہ اچانک پھر میرے کان اپنے نوری دوست کے الفاظ کی صدائے بازگشت سننے لگے، میرا قلم رک گیا اور زیرِ قلم موضوع سے متعلق کتب و مواد کچھ دیر کے لیے پس پردہ چلے گئے اور میں گہری سوچ میں ڈوب گیا، ذہن کی سکرین کے پردہ پر یہ سوال گردش کرنے لگا کہ اگر اکابرین اہل سنت کی علمی فتوحات

اور روشن کارناموں پر ہم نہیں لکھیں گے اور ان کو اجاگر نہیں کریں گے تو ان محسنین قوم وملت کی علمی کاوشوں اور اجتہادی کوششوں کے تذکرے کون کرے گا؟ یہ تو محسن کشی اور احسان فراموشی ہو گی۔ وہ تو اپنا فرض نبھا کر چلے گئے، اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ان کے علمی کارناموں کو آگے بڑھائیں اور عامۃ الناس کو ان سے روشناس کرائیں تو اس سے ایک ملی فریضہ کی ادائیگی بھی ہو گی اور حق عقیدت ومحبت بھی ادا ہو گا۔

بس اس کے ساتھ ہی میرے دل نے یہ فیصلہ دے دیا کہ ہر صورت حضرت فقیہ اعظم مفتی محمد نور اللہ نعیمی صاحب پر کسی نہ کسی حوالے سے کوئی مضمون لکھنا چاہیے۔ اب سوال یہ تھا کہ کس موضوع پر لکھا جائے؟ اس لیے کہ میں نے حضرت کی زیارت نہیں کی، ان کی مجلس میں حاضری کی سعادت بھی میسر نہیں اور نہ ہی مراسلت کا کوئی رابطہ رہا ہے، مطلب یہ کہ ان کے ذاتی شخصی اوصاف وخصائص سے بلاواسطہ کوئی آشنائی نہیں ہے، اسی سوچ میں ہی تھا کہ اچانک خیال پیدا ہوا کہ چلو حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کی حیات مبارکہ سے آگاہی نہ سہی، لیکن عصر رواں کے عظیم فقہی شاہکار ''فتاویٰ نوریہ'' جو حضرت کی عمر بھر کی اجتہادی کاوشوں کا نچوڑ اور تاریخی کارنامہ ہے، اس سے تو زمانہ طالب علمی سے ہی محض تعارف نہیں بلکہ مطالعاتی رشتہ وتعلق قائم ہے، لہٰذا اس پر کچھ نہ کچھ کسی حوالے سے لکھا جائے۔

بہر حال چند دنوں کی اس کش مکش کے بعد بالآخر میرے ذہن نے یہ فیصلہ دیا کہ فتاویٰ نوریہ میں حوادث جدیدہ (جدید مسائل) سے متعلق جو علمی وتحقیقی اور اجتہادی جواہر پارے ہزاروں صفحات میں بکھرے پڑے ہیں، ان سب کو یکجا مربوط مضمون کی صورت میں اپنے مختصر تبصرہ کے ساتھ ترتیب دے دیا جائے تو ایک بہترین مضمون بھی تیار ہو جائے گا اور پھر اس کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ ایک عام قاری اور دلچسپی رکھنے والے اہل علم، موجودہ سائنسی وتجددی دور کے پیدا کردہ نئے مسائل حیات سے متعلق فقہی احکام جاننے اور ان سے متعلق حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کی مجتہدانہ رائے اور فقہ کے میدان میں آپ کی ثقاہت اور تبحر علمی سے بھی بھرپور طریقے سے آگاہی حاصل کر سکیں گے۔ یہ فیصلہ کیا، کالج کی لائبریری سے فتاویٰ نوریہ کی موجود مجلدات حاصل کیں اور اپنے منتخب موضوع کے حوالے سے مطالعہ شروع کر دیا۔ یہاں میں اس بات کا تذکرہ کرنا بھی لازمی سمجھتا ہوں کہ فتاویٰ نوریہ سے میرا زمانہ طالب علمی سے جو قائم یہ تعلق محض رسمی وتعارفی نہ تھا بلکہ بحمدہ تعالیٰ

میں نے اپنے دور کے اس عظیم شاہکار کا جتنا بھی مطالعہ کیا ہے، وہ توفیق الٰہی بڑی گہری نظر اور دل جمعی کے ساتھ کیا تھا، جس کی بنا پر میں شعوری طور پر اس فتاویٰ کو کم از کم ایک صدی کا نمائندہ و ترجمان فقہی انسائیکلوپیڈیا سمجھتا ہوں۔

بہر کیف میں نے مختلف منتخب مسائل مثلاً نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال، انتقال خون، بیمہ، روزے کی حالت میں ٹیک، ہوائی جہاز اور چلتی گاڑی میں نماز پڑھنے سے متعلق احکام سے متعلق خصوصیت سے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی تحقیقات نوریہ کا مطالعہ کیا۔ یقین مانیے کہ میں جوں جوں آگے بڑھتا چلا جاتا، حیران ہوتا جاتا اور ہزارہا صفحات پر پھیلے ہوئے اس گہرے فقہی سمندر کی تہوں میں غوطہ لگا کر حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی ندرت فکر کے موتی تلاش کر کے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہوں اور ابھی اس قلزم فکر و اجتہاد کے کنارے پر ہی کھڑا تھا کہ اس گلستانِ نعیم رضا کا دوسرا منظر دعوت نظارہ دیتا ہے اور تقدیس الوہیت، ادب و احترام رسالت، تعظیم نبوت اور محبت اولیاء کی مہکار مشام جاں اور قلب و روح کو معطر کرنے لگتی ہے اور صاحب بصیرت قاری عصر رواں میں ''حزب الاحناف'' کے نمائندہ و ترجمان اور ''ابوالبرکات'' فتاویٰ کا مطالعہ کرتے ہوئے اپنے دامن کو ''ہدایہ و کنز'' سے بھر لیتا ہے، بلکہ وہ سراج الامۃ کے ''سراج وہاج'' سے روشنی حاصل کر کے اپنے لیے ''تنویر الابصار'' کا سامان پیدا کرتا ہے اور ''رمز الحقائق'' سے ''تبیین الحقائق'' تک پہنچ کر خود کو ''جامع الرموز'' سمجھنے لگتا ہے۔ عصر حاضر کے نو پیدا شدہ مسائل سے متعلق ''مبسوط'' مباحث میں آنے والے دور میں جو مسائل پیدا ہو سکتے ہیں، ان کے بارے میں بہت سے ''مضمرات'' بھی موجود ہیں، اس لیے موجودہ دور اور آئندہ آنے والے زمانے کے مفتیان کرام کے لیے بھی یہ فتاویٰ ''نور الانوار'' ہی نہیں بلکہ ''الدر المختار'' قرار پائے گا۔ چنانچہ فتنوں کے زمانے میں ''نہج السلامۃ'' کے طالب پیش آمدہ مسائل کی ''توضیح'' اور ''تلویح'' کے لیے ''تحریر الاصول'' کے طور پر اس سے استفادہ کریں گے اور حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی یہی تحقیقات ان کے لیے ''تیسیر التحریر'' ثابت ہوں گی اور وہ ''الحاوی للفتاوی'' کی عالمانہ تعلی کے ساتھ یہ کہتے ہوئے کہ زیر بحث مسئلہ میں یہی ''زاد الفقیر'' ہے، پر اپنے فتویٰ اور تحقیقات کی مہر لگائے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس فتاویٰ کو صاحب فتاویٰ کی محنت شاقہ نے صدیوں پر مشتمل فقہی ادب کا ''خلاصۃ الفتاویٰ'' بنا دیا ہے، اس لیے یہ فقہی مجموعہ اپنے معاصرین اور آئندہ آنے والے

مفتیان کرام کے لیے "جلاء الافہام" کا کام دے گا۔
چنانچہ راقم نے بھی ان "احکام شریعت" میں سے "در المختار" کو ایک سلک میں پرو دیا، تاکہ وہ اس زیر نظر فتاویٰ نوریہ کے قلیل الوقت اور کثیر الشغل قاری کے لیے "کشف شافیا" کا ذریعہ بن سکے۔ یہ مضمون ماہ نامہ "نور الحبیب" کے پہلے ضخیم خصوصی نمبر جنوری، فروری ۱۹۹۲ء کی اشاعت میں "فقیہ اعظم اور مسائل جدیدہ" کے نام سے جگہ پانے میں کامیاب ہو گیا، پھر اس کے بعد اسی مضمون کی دوسری قسط بھی ماہ نامہ "نور الحبیب" کے شمارہ جنوری ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔ میری اس سعی کو تحسین کی نظر سے دیکھا گیا، بہت سے نوری احباب نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا، جس پر میں نے ان مخلصین کا شکریہ ادا کیا۔
فتاویٰ کا مطالعہ جاری رہا، یہاں تک کہ ایک روز اچانک یہ خیال دل میں آیا کہ فتاویٰ نوریہ کا دیگر معاصر فتاویٰ جات کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیوں نہ کیا جائے؟ چنانچہ چند مسائل میں جب یہ منہج اختیار کیا گیا تو میں نے علوم دینیہ، درسیہ کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کی حیثیت سے محسوس کیا کہ یہ تو حقیقت میں "کشف الظنون" ہے، جو قدیم و جدید شبہات و سوالات کو کھول کر ہر قسم کے ظن و تخمینہ کو دور کر کے "لمعة الضحیٰ" کی روشنی کو عام کر رہا ہے، یوں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرا یہ تاثر گہرا ہوتا گیا اور اس تاثر کو سینۂ قرطاس پر منتقل کرنے کا خیال دل میں رہ رہ کر انگڑائیاں لینے لگا، لیکن عدیم الفرصتی اور کثرت کار، راستے کا بھاری پتھر بنا رہا اور عملی قدم اٹھانے میں ناکام رہا، پھر تھوڑی سی ہمت کی اور میں نے ایک خاکہ تیار کر لیا اور کچھ ہی دنوں کے بعد عملی طور پر کام کا آغاز کر دیا گیا، یوں حسب فرصت کام آگے بڑھتا رہا۔
انہی دنوں دی منہاج یونی ورسٹی لاہور کا دوسرا کانووکیشن (جلسہ تقسیم اسناد) منعقد ہوا تو اس پروگرام میں جانشین حضرت فقیہ اعظم محبّ العلماء مخدوم و محترم صاحب زادہ محمد محب اللہ نوری صاحب مدظلہ شرکت فرمانے کے لیے لاہور تشریف لائے، زیارت و ملاقات کے مشرف سے نوازا، چنانچہ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پہلے خاکہ اور پھر جو کام ہو چکا تھا، وہ ان کے سامنے پیش کر دیا۔ حضرت صاحب زادہ صاحب جو ایک ثقہ عالم ہی نہیں بلکہ صاحب طرز ادیب اور ماہر تجزیہ نگار بھی ہیں، نے کمال شفقت سے دیکھتے ہوئے دونوں چیزوں پر خوشی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی کام کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے کا حکم بھی فرمایا، تو اس پر میں نے موصوف کا شکریہ ادا کیا۔

ہاں اسی ملاقات میں آپ نے ہر قسم کا عملی تعاون فرمانے کا وعدہ کیا تو میں نے تقابل کے لیے مطلوب دیگر فتاویٰ جات کی ضرورت کا اظہار کیا تو اس پر آپ نے کمال محبت اور حضرت فقیہ اعظم کے خلف صادق ہونے کا مظاہرہ کرتے ہوئے چند دنوں کے بعد مطلوبہ کتب فتاویٰ بھی مہیا کر دیں۔

اس طرح راقم تیزی کے ساتھ اس ''سفر السعادت'' میں آگے بڑھنے لگا، اس کے بعد کبھی سست اور کبھی تیز، کام ہوتا رہا، اگرچہ مہنگائی، مصروفیات اور عوائق زمانہ راہ میں حائل ہوتے رہے، لیکن حضرت صاحب زادہ صاحب کے محبت ناموں کی صورت میں تنبیہ ناموں اور مختلف مواقع پر ملاقاتوں نے اس سفر میں مہمیز کا کام کیا۔ اس دوران میں چند مرتبہ مرکز علم و عرفان دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور میں حاضری کا بھی موقع ملا تو ملاقات کا مرکزی نکتہ یہی کام رہا، غرض یہ کہ کام کا محرک تو اگرچہ میرا ارادہ تھا، مگر اس کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کا سہرا مکمل طور پر حضرت صاحب زادہ صاحب کی دلچسپی، ذاتی توجہ اور اپنے عظیم والد سے خصوصی عقیدت و محبت ہے کہ ۱۹۹۴ء سے شروع ہونے والا کام، الحمد للہ آج ۲۰۰۴ء میں قلمی مراحل سے گزر کر اشاعت کی منزل کی طرف رواں دواں ہے، امید ہے کہ یہ جلد ہی طباعتی لباس سے مزین ہو کر کتاب کی صورت میں قارئین کے نظر نواز ہوگا۔

آخر میں یہ گزارش کرنا لازمی سمجھتا ہوں کہ فتاویٰ نوریہ اور دیگر فتاویٰ کے تقابل پر محیط میری یہ سعی و کاوش اس موضوع پر حرف آخر نہیں ہے۔ میں نے تو صرف نوری حضرات کو بالخصوص اور اصحاب فکر و نظر کو بالعموم اس سے مہمیز لگانے کی کوشش کی ہے۔ ''بلوغ المرام'' میں مجھے کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کا فیصلہ کرنا تو قارئین کا کام ہے، میری حقیر رائے میں تو فتاویٰ نوریہ سے متعلق اس طرز پر کام کرنے کے لیے ایک ادارہ اور انجمن چاہیے جو ''عمل الیوم و اللیۃ'' کی جہد پیہم سے کام لیتے ہوئے مندرجات فتاویٰ کے ''فتح البیان'' کا فریضہ سرانجام دے۔ ابھی بہت سے ''موضوعات کبیر'' ہیں، جس پر لکھنے کے لیے ''جمع الوسائل'' کی ضرورت ہے۔ میری یہ سعی تو محض ایک صدا ہے، جو اس عظیم فقہی شاہکار کی طرف اہل علم و فکر کو متوجہ کرنے کے لیے ہے۔

ایک انتہائی ضروری اور اہم چیز جس کی طرف میں حضرت صاحب زادہ صاحب کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ اگر ممکن ہو تو عامۃ الناس (معمولی لکھے پڑھے لوگوں) کے لیے عربی عبارات کو چھوڑتے ہوئے صرف اردو زبان میں اس شاہکار کی ''تلخیص'' صرف ایک جلد میں ہو سکے تو یہ کام ضرور کرنا چاہیے، جو فتاویٰ نوریہ سے استفادہ کو عام لوگوں کے لیے بھی آسان بنا دے گا۔ یوں

ان کو بھی اس ''خزائن العرفان'' سے دامن مراد بھرنا ممکن ہو جائے گا اور ان پر ''مدخل الشرع الشریف'' بھی واضح ہو جائے گا۔

میری دعا ہے کہ مولائے کریم اپنے حبیب لبیب ﷺ کے انوار صمدیہ کے صدقہ میں میری اس سعی وکاوش کو میرے لیے ''زاد المعاد'' بنائے اور قارئین فتاویٰ نوریہ کے لیے ''شرح الصدور'' کا ذریعہ بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

احقر
محمد الیاس اعظمی
سابق سربراہ شعبہ تحقیق (COSMOS)
دی منہاج یونیورسٹی لاہور

بروز منگل
۲۸ را پریل ۲۰۰۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ محبت

سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کو اللہ تعالیٰ ﷻ نے جس علم و دانش، فقہی بصیرت اور اجتہادی صلاحیت سے نوازا تھا، اس پر شاہد عادل چھ ضخیم مجلدات پر مشتمل آپ کا فقہی شاہکار "فتاویٰ نوریہ" ہے--- جب یہ فتاویٰ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا تو اہل علم نے اسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اپنے لیے خضر راہ اور منارۂ نور گردانا--- فقہ سے شغف رکھنے والے اہل قلم نے اس پر مقالات تحریر کیے اور علمی جستجو رکھنے والے علماء نے اسے اپنے مطالعہ کا مستقل حصہ بنایا اور اس سے بھرپور استفادہ کیا---

ایسے ہی اہل علم و قلم میں فاضل نوجوان حضرت علامہ محمد الیاس اعظمی بھی ہیں، جو ممتاز عالم دین، پختہ قلم کار، ماہر مصنف، ژرف نگاہ محقق، نامور سکالر اور علمی حلقوں میں ایک خاص مقام کے حامل ہیں--- وہ مطالعہ کے رسیا اور قلم کے دھنی ہیں---

فاضل موصوف جب فتاویٰ نوریہ کے فقہی بحر زخار میں غوطہ زن ہوئے اور علم و تحقیق کے لولوئے آبدار تک ان کی رسائی ہوئی تو انھوں نے حضرت فقیہ اعظم اور ان کے عظیم فقہی شاہکار

فتاویٰ نوریہ کی فقہی رفعت اور علمی سطوت کی طرف اہل علم وفضل کو متوجہ کرنے کا تہیہ کر لیا---
چنانچہ فتاویٰ کی تمام جلدوں کا انتہائی گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف مسالک کی فقہی کتب اور فتاویٰ سے "فتاویٰ نوریہ" کا تقابلی جائزہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے اس انتہائی مشکل اور محنت طلب کام کا بیڑا اٹھایا---

علامہ اعظمی صاحب نے جہاں فتاویٰ نوریہ کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے، وہیں تقابلی جائزہ میں شامل دیگر کتب فتاویٰ کا بھی تفصیلی تعارف کرایا ہے--- انھوں نے مروجہ تحقیقی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے انتہائی غیر جانب دارانہ انداز میں تقابل پیش کیا ہے اور اہل سنت کے عام معمول سے ہٹ کر دیگر مسالک کے علماء و مفتیان کے نام و القاب میں بھی ان کے مسلکی مقام و مرتبے کا لحاظ رکھا ہے، جو ان کے وسعت فکر و نظر کا آئینہ دار ہے---

مصنف اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، اس کا فیصلہ تو تحقیقی ذوق رکھنے والے ارباب علم وفضل ہی کر سکتے ہیں، تاہم امید واثق ہے کہ ان کی اس خالص علمی و تحقیقی کاوش کو علمی حلقوں میں بنظر استحسان دیکھا جائے گا---

اللہ تعالیٰ جل جلالہ فاضل مصنف کے علم و عمل اور ذوق تحقیق میں برکتیں فرمائے اور ان کی علمی کاوشوں کو شرف قبولیت بخشے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحبہ اجمعین

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

مدیر اعلیٰ ماہنامہ نور الحبیب

بصیر پور شریف (اوکاڑا)

تقریظ

علم اور اہل علم کی قدر شناسی ایک نیکی بھی ہے اور فریضہ بھی، فریضہ تو اس لیے ہے کہ علم کی عزت اور اہل علم کی قدر کے رشتے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے جا ملتے ہیں، لہٰذا اس میں حصہ لینا فریضہ منصبی سے سبکدوش ہونے کے مترادف ہے، لیکن یہ ایک نیکی بھی ہے، کسی صاحب علم وقلم کی حوصلہ افزائی اور داد وتحسین نیک کاموں کے زمرے میں آتے ہیں، اسی جذبے اور ارادے سے یہ چند سطور لکھی جا رہی ہیں۔

علم الفتاویٰ ہماری اسلامی فقہ کی تدوین میں ایک نہایت اہم اور روشن سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، عام فقہی کتب کی تدوین جہاں آسان اور فوائد کے لحاظ سے کمی کا احساس دلاتی ہیں وہاں علم الفتاویٰ مشکل کام بھی ہے، لیکن افادیت کے لحاظ سے وسیع تر بھی ہے۔ اسی لیے فقہی کتب کی تصنیف کے مقابلے میں فتاویٰ کی ترتیب ہمیشہ مشکل اور صبر آزما کام رہا ہے۔ برعظیم پاک وہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں فتاویٰ نویسی کو جو رواج ملا اور اہل علم نے اس میدان عمل میں جو جوہر دکھلائے، اس نے اس مشکل مگر وسیع تر افادیت کے حامل میدان عمل کو بہت مفید اور مرتبے کے لحاظ سے بلند تر بنا دیا ہے۔

فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمارے ان اہل علم میں ہیں کہ جو دنیائے فانی سے رخصت ہونے سے پہلے اپنی شہرت عام اور بقائے دوام کا سامان کر گئے۔ مولانا نے جس درس گاہ کی بنیاد رکھی، سرپرستی فرمائی اور اسے ترقی دینے میں خون جگر صرف کرتے رہے، وہ آج ہماری چند چیدہ درس گاہوں میں ایک نمایاں مقام حاصل کر چکی ہے۔ انہوں نے اپنے جن

فرزندوں کی دینی و عملی خطوط پر تربیت فرمائی اور انہیں امت مسلمہ کی امانت سمجھ کر اپنے پیچھے بہترین اثاثہ کی حیثیت سے چھوڑ گئے، وہ بھی آج اس مرتبہ و مقام پر ہیں کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے اور اب ان کی روح پر فتوح کے لیے توشۂ راحت و تسکین ہیں۔ خصوصاً علامہ صاحب زادہ محمد محب اللہ نوری جو ہمارے علمائے اہل سنت میں ایک خطیب بے بدل اور عالم بے مثال کی حیثیت سے متعارف ہیں۔

فقیہ اعظم سے مجھے تعارف و ملاقات کا شرف بھی حاصل ہے، بہت پہلے کی بات ہے، عزیز م مکرم مولانا احمد علی قصوری اورینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی میں میرے پاس تشریف لائے اور فتاوٰی نوریہ کی دو جلدیں پیش کیں، دولت علم کے حصول سے بڑی مسرت حاصل ہوئی، مگر ساتھ ہی انہوں نے فتاوٰی نوریہ کی تعارفی تقریب کے لیے کچھ لکھنے کی فرمائش کی۔ اس زمانے میں میری اگرچہ لاہور کے کئی ایک علماء کے ساتھ بڑی گہری وابستگی رہی، جن میں مولانا مفتی محمد حسین نعیمی اور مولانا سید محمود احمد رضوی سرفہرست ہیں، لیکن بایں ہمہ میں اس دنیا سے گریزاں رہتا تھا، لیکن قصوری صاحب کے اصرار پر میں نے چند کلمات فتاوٰی نوریہ کے حوالے سے تحریر کیے تھے، جس میں کچھ اور افادیت اور تائید ہو یا نہ ہو فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پسند آئے تھے۔

مجھے یہ جان کر اور دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے ساتھی اور دوست محمد الیاس اعظمی نے برس ہا برس کی جفاکشی اور عرق ریزی کر کے فتاوٰی نوریہ کا مفصل مطالعہ پیش کیا ہے۔ محمد الیاس اعظمی صاحب ایک زیرک اور حقیقت فہم عالم دین کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں، انہوں نے حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ان فتاوٰی کا مفصل اور وسیع مطالعہ کرنے، اس بے ساحل سمندر سے قیمتی جواہر جمع کرنے اور ان کی چھان پھٹک کر کے دیگر علمائے فن کے علمی کارناموں کے ساتھ تقابل بھی پیش کیا ہے۔ تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ایک قابل قدر، مستحسن اور مفید کوشش ہے، جو ہماری طرف سے قدر شناسی اور حوصلہ افزائی کی مستحق ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سعی مشکور کو شرف قبولیت سے نوازے۔

والسلام

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

سابق پرنسپل / ڈین اورینٹل اسلامی فیکلٹی

پنجاب یونیورسٹی لاہور

❁❁❁❁❁

فتاویٰ نوریہ---ایک تقابلی مطالعہ

❁❁❁❁❁

ابتدائیہ

انسانی زندگی مسلسل ارتقاء پذیر ہے، ایک وقت تھا کہ انسان جنگلوں میں زندگی بسر کرتا تھا اور وہ تہذیب وتمدن نام کی کسی چیز سے بالکل ناآشنا تھا، لیکن جوں جوں انسانی زندگی آگے بڑھ رہی ہے توں توں انسانی فکروشعور کی پرواز میں بھی وسعت وبلندی پیدا ہوتی جارہی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ انسان کو اگر کہیں سفر کرنا ہوتا تھا تو اس کے لیے جانوروں کے علاوہ کوئی اور ذرائع سفر نہ تھے، چنانچہ سفر کے لیے اسے مہینے درکار ہوتے تھے لیکن آج سائنس جو انسانی فکروشعور کی وسعت کا ایک بیّن ثبوت ہے، نے ہوائی جہاز اور ریل گاڑی اور موٹر کار وغیرہ کے ذریعہ سفر کو اس قدر آرام دہ اور آسان بنادیا ہے کہ اب انسان مہینوں کا سفر دنوں اور دنوں کا گھنٹوں میں کرتا ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ رسل ورسائل اور مواصلات کے ذرائع سے آج کرۂ ارضی کی تمام تر وسعتیں سمٹ چکی ہیں اور یوں پوری دنیا گویا کہ ایک گھر کی صورت اختیار کرچکی ہے۔ یہ سب سائنس اور اس کی تخلیقات کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح سے میڈیکل کے حوالے سے جب ہم آج سے کوئی چند صدیاں پیچھے نظر دوڑاتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اگر اس دور میں انسان بیمار پڑ جاتا تو پھر بے چارہ کسی قسم کا علاج نہ ہونے کے باعث ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے دیتا تھا لیکن سائنس نے اس میدان میں جو حیرت ناک

ترقی کی ہے، اس کی بدولت آج صورت حال بالکل مختلف ہے۔ غرض یہ کہ ہم جس شعبہ زندگی میں بھی نظر دوڑا کر دیکھ لیں، ہر طرف اور ہر شعبہ میں عقل و خرد کو دنگ کر دینے والی ترقی نظر آئے گی۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس ترقی اور عروج کے باوجود ہر آنے والا دن انسانی زندگی کے لیے نئی مشکلات اور نوخیز مسائل اپنے دامن میں سمیٹے آتا ہے۔ یہ مسائل تمدنی بھی ہوتے ہیں تو سیاسی بھی، مذہبی بھی ہوتے ہیں تو معاشرتی بھی، علمی و فکری اور تہذیبی بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا انسان جب بھی کسی مسئلہ سے دوچار ہوتا ہے تو وہ اس کے حل کا خواہاں ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے مضطرب و پریشان بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اسی پریشانی اور پژمردگی کی حالت میں مادیت اور روحانیت (دین و مذہب) دونوں سے اس کے حل کا مطالبہ کرتا ہے اور یہ ہونا بھی چاہیے۔ اس لیے کہ مذہب جس کو وہ اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیتا اور شاہراہ حیات پر اس کی دی ہوئی روشنی میں اپنی منزل کی طرف گامزن ہوتا ہے تو جب اس کو کوئی مسئلہ درپیش آئے یا وہ کسی پریشانی میں مبتلا ہو تو سب سے پہلے اس کے مذہب پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کی رہنمائی کرے اور اسے درپیش مسئلہ سے نجات دلائے۔ رہا مسئلہ مادیت کا تو اس نے آج تک انسانی زندگی کے مسائل کو حل کرنے کی بجائے ان میں اضافہ ہی کیا ہے اگرچہ اقل قلیل مسائل کا حل پیش بھی کیا ہے مگر وہ عارضی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کو قلبی اطمینان اور سکون حاصل نہیں ہوتا۔

مذاہب عالم میں سے اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو اپنے ماننے والوں کی ہر قسم کے مسائل میں مکمل راہ نمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے بطور خاص صالح اور متقی اہل فتویٰ علماء پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ انسانی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا قرآن و سنت، دلائل شرعیہ اور معقولات کی روشنی میں ایسا حل پیش کریں، جو نہ صرف مذہبی سطح تک ہی قابل قبول ہو بلکہ انسانی عقل کو بھی مجال انکار نہ رہے۔ چنانچہ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم مسلمانوں کی علمی و فکری تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے کہ ہر دور میں فدایان دین نے اسباب و وسائل اور حالات کی عدم موافقت کے باوجود اس میدان میں وہ خدمات سرانجام دی ہیں کہ جن کا احاطہ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

اس وقت ہمارا مقصد کوئی تاریخ فتاویٰ لکھنا نہیں ہے کیوں کہ اس کے لیے تو ایک مبسوط دفتر درکار ہے، بلکہ ہمارے پیش نظر حضرت العلام فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے مرتب کردہ فتاویٰ نوریہ

اور دیگر معاصر فتاوی جات کا تقابلی مطالعہ کرنا ہے اور اس تقابلی مطالعہ سے مقصود یہ ہے کہ ہم یہ جان سکیں کہ مخدوم ملت اور ہمارے ممدوح حضرت علامہ مفتی محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی قحط الرجال کے اس دور میں ایک منارۂ نور تھی، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے امت مسلمہ کی دینی و مذہبی، سیاسی و ملی، معاشی و معاشرتی راہنمائی کے لیے بھیجا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس مرد صالح نے جس محنت شاقہ اور دقت نظر سے اس فریضہ کو سرانجام دیا ہے، اس کا مشاہدہ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے کئی مجلدات پر مشتمل فتاویٰ نوریہ کے مطالعہ سے کیا جا سکتا۔

تقابل کے لیے جو دیگر فتاویٰ اس وقت ہمارے سامنے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱.....فتاویٰ رشیدیہ	مولانا رشید احمد گنگوہی
۲.....کفایت المفتی	مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی (م ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء)
۳.....امداد الاحکام	مولانا ظفر احمد عثمانی (م ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء)
۴.....احسن الفتاویٰ	مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی
۵.....مجموعۃ الفتاویٰ	علامہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ)
۶.....فتاویٰ سلفیہ	مولانا محمد اسماعیل السلفی
۷.....آلات جدیدہ (مجموعہ بعض فتاویٰ)	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی
8.....جواہر الفقہ	
۹.....فتاویٰ دار العلوم دیوبند	مختلف علماء دیوبند

یہاں یہ بات بطور خاص مدنظر رہنی چاہیے کہ جہاں ہم نے جدید مسائل میں اہل علم کی آراء کا تقابل کیا ہے، وہاں پر دیگر مسائل حیات، بالخصوص اعتقادی و کلامی اور دیگر معمولات سے متعلق مختلف مسائل اور ان کے جوابات کا بھی موازنہ کیا ہے تا کہ ہر جہت سے عصر حاضر کے اس عظیم علمی شاہکار کی تمام تر خوبیاں نمایاں ہو کر اہل فکر و نظر اور عام لوگوں کے سامنے آ جائیں۔

اس ابتدائی اور ضروری گفتگو کے بعد اب ہم اولاً "فتاویٰ نوریہ" کا عمومی تعارفی خاکہ پیش کریں گے، پھر تقابلی مطالعہ میں شامل کتب کا تعارف کرائیں گے اور اس کے بعد اصل موضوع اور مقصود کی طرف آئیں گے۔

✿✿✿✿✿

فتاویٰ نوریہ

زیر نظر تقابلی جائزہ کے وقت فتاویٰ نوریہ کی مختلف جلدوں کی جو اشاعتیں زیر مطالعہ رہیں، وہ درج ذیل ہیں:

فتاویٰ نوریہ **جلد اول**
اشاعت سوم ربیع الاول ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء
فتاویٰ نوریہ **جلد دوم**
اشاعت سوم شعبان ۱۴۱۴ھ/جنوری ۱۹۹۴ء
فتاویٰ نوریہ **جلد سوم**
اشاعت دوم شعبان ۱۴۱۴ھ/جنوری ۱۹۹۴ء
فتاویٰ نوریہ **جلد چهارم**
اشاعت دوم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ/مئی ۱۹۹۸ء
فتاویٰ نوریہ **جلد پنجم، ششم**
اشاعت دوم جمادی الاخریٰ ۱۴۱۴ھ/نومبر ۱۹۹۳ء

فتاویٰ نوریہ مکمل طور پر انجمن حزب الرحمٰن (شعبہ تصنیف وتالیف دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف) کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔

✿✿✿✿✿

باب-۱

فتاویٰ نوریہ کا عمومی تعارفی خاکہ

فتاویٰ نوریہ، جلد اول (۸/۳۰×۲۰)

جلد اول ایک نظر میں

عصر حاضر کا عظیم فقہی شاہکار اور فقہ حنفی کے ممتاز انسائیکلو پیڈیا فتاویٰ نوریہ جس کی جلد اوّل پہلی مرتبہ ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء میں منصۂ شہود پر آئی۔ دوسری مرتبہ ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء میں اور تیسری مرتبہ ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء اور ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء میں اس کا چوتھا ایڈیشن مطلع علم وفکر پر نمودار ہو کر تہذیب جدید کی گمراہیوں کی تاریکیوں کو اجالوں میں بدلنے لگا۔ یوں اس کا نقش رائج ماثمۂ صافی کی صورت میں تشنگان علوم دینیہ کو اپنے فیوضات علمیہ سے سیراب کرنے لگا۔

ہمارے پیش نظر اس وقت فتاویٰ نوریہ کی جلد اوّل کا یہی چوتھا ایڈیشن ہے۔ آئندہ سطور میں اس کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس جلد کے صفحات کی تعداد ۹۲۱ ہے۔ جس کی تقسیم درج ذیل ہے۔ ابتدائی چار صفحات کی تفصیل یہ ہے:

صفحہ (۱) پر طغریٰ کی صورت میں فتاویٰ نوریہ تحریر ہے۔

صفحہ (ب) خالی ہے۔

صفحہ (ج) پر تسمیہ کو ایک دائرہ کی صورت میں لکھ کر خطاطی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

صفحہ (د) پر شیخ سعدی کی مشہور رباعی بلغ العلی بکمالہ...... کا طغریٰ ہے۔

صفحہ نمبر ا پر آیت کریمہ اللہ نور السموات و الارض...... الخ کو خوب صورت طغرے کی صورت میں لکھا گیا ہے، جو اپنی جگہ خطاطی کا ایک انمول نمونہ ہے۔

صفحہ نمبر ۲ پر آیت قرآنی یستفتونک...... قل اللہ یفتیکم درج ہے۔

صفحہ نمبر ۳، یہ صفحہ اندرونی ٹائٹل ہے، جس کی پیشانی کو "قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین" کی آیت کریمہ سے سجایا گیا ہے۔ بعد ازاں جلی حروف میں کتاب کا نام "فتاویٰ نوریہ" لکھ کر نیچے صاحب فتاویٰ کا نام مع القابات لکھا گیا ہے، ساتھ ہی مرتب و مدون فتاویٰ کا نام بھی تمام القابات کے ساتھ لکھنے کے بعد جلی حروف میں ناشر کا نام و پتا دیا گیا ہے۔

صفحہ نمبر ۴ پر نٹ لائن ہے، جس میں اس جلد کی اب تک کی تمام اشاعتوں کا سن وار تذکرہ کیا گیا ہے۔

صفحہ نمبر ۵ تا صفحہ نمبر ۸، کتاب ہذا کے مدوّن ثانی حضرت صاحبزادہ مولانا محمد محب اللہ نوری صاحب کے قلم سے "نقش آغاز" کے عنوان سے لکھا گیا مضمون ہے، جس میں فتاویٰ کی تبویب و تسوید، ترتیب و تدوین اور زیر بحث موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس علمی و تحقیقی اور تاریخی کام میں حصہ لینے والے افراد کا تذکرہ بھی بصورت شکریہ کیا گیا ہے، جو یقیناً ان احباب کی حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔

صفحہ نمبر ۹ تا صفحہ ۵۲، مشمولات کی مفصل فہرست دی گئی ہے، جس میں ابواب کی تقسیم کے ساتھ ہر باب میں بیان شدہ مسائل کی فہرست بھی دے دی گئی ہے، جس میں کتاب ہذا میں مذکور تمام مسائل کو ذکر کرنے کی امکانی کوشش کی گئی ہے۔

صفحہ ۵۳ سے صفحہ ۶۴ تک اپنے دور کے عظیم علمی و فقہی شاہکار پر اہل سنت کے نام ور اور وطن عزیز کے اکابر علماء کے گراں قدر تاثرات شائع کیے گئے ہیں، جن علماء کے تاثرات زیر نظر اشاعت میں شامل ہیں، ان میں حضرت غزالی زماں، رازی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تاثرات "تقریظ سعید" کے نام سے اور استاذ العلماء علامہ مولانا عطا محمد صاحب بندیالوی کا ایک مضمون "مجدد وقت" کے عنوان سے چار صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جس میں صاحب فتاویٰ کی شخصیت

کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سلسلے کا آخری مضمون محدث عصر، شارح مسلم حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب کے امعان فکر کا نتیجہ ہے، یہ بھی ایک مضمون کی صورت میں ''ایک انقلاب آفرین کتاب'' کے عنوان سے چار صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جس کا مرکزی مضمون صاحب فتاوٰی کا تفقہ فی الدین اور جدید فقہی مسائل پر ان کا گہری نظر رکھنا ہے۔

صفحہ ۶۵ سے صفحہ ۱۰۳ تک ۳۸ صفحات پر پھیلا ہوا ''حیات فقیہ اعظم'' کے عنوان سے ایک معلوماتی مضمون ہے، جو جگر گوشہ فقیہ اعظم، جانشین نور الملۃ والدین حضرت علامہ صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری زید مجدہ کے قلم کا نتیجہ فکر ہے۔ یہ طویل مضمون جس میں حضرت فقیہ اعظم کا مکمل سوانحی خاکہ، آپ کی علمی وروحانی، سیاسی وسماجی خدمات اور علوم عقلیہ ونقلیہ کا تفصیلی تذکرہ ہے، جن میں حضرت کو یدطولی حاصل تھا، یہ مضمون اپنی جگہ ایک مستقل رسالے کی حیثیت رکھتا ہے جو صاحب فتاوٰی کی کتاب زیست کے ایک ایک باب اور ایک ایک عنوان کو آفتاب نصف النہار کی طرح قاری کے سامنے کھول کر رکھ دیتا ہے۔ سوانح نوریہ کی ابتدا میں آپ کے اجداد کرام کا بھی مختصر ذکر آگیا ہے، جس سے مضمون کی افادیت دوچند ہوگئی ہے۔

صفحہ ۱۰۴ سے ۱۰۶ تک تین صفحات میں فتاوٰی کے مرتب اول، دل بند حضرت نور اللہ، مولانا ابو الفضل محمد نصر اللہ کا سوانحی خاکہ بھی انتہائی دل کش اور خوب صورت انداز میں شامل کتاب کیا گیا ہے، یہ بھی حضرت صاحبزادہ محمد محب اللہ صاحب نوری کے ہی رشحات قلم کا شاہکار ہے، جو اپنے اندر جدید اسلوب نگارش کی تمام تر رعنائیوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ''اللہ کرے زور قلم اور زیادہ''

صفحہ ۱۰۷ سے فتاوٰی نوریہ کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے اور یہ صفحہ ۷۳۴ تک پھیلا ہوا ہے، گویا کہ یہ ۸/۳۰×۲۰ کی بڑی تقطیع کے ۶۳۸ صفحات پر پھیلا ہوا فقہ حنفی کا بحر زخار ہے، جس میں مسائل دینیہ کی صورت میں سیکڑوں ہیرے اور موتی پائے جاتے ہیں، جن کو مختلف کتب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

صفحہ ۷۳۵ سے لے کر صفحہ ۷۵۰ تک فتاوٰی میں مذکور آیات قرآنیہ کا اشاریہ جدید اسلوب تحقیق کے مطابق مرتب کیا گیا ہے، جس سے مطلوب آیت کا تلاش کرنا انتہائی آسان ہوگیا ہے۔ آیات قرآنیہ کا یہ اشاریہ پاروں کی ترتیب کے مطابق ہے، جب کہ آیات کی تعداد ۲۰۷ ہے، جن سے اس زیر نظر جلد میں استدلال کیا گیا ہے۔

صفحہ ۷۵۱ سے صفحہ ۷۷۶ تک ۲۶ صفحات ان احادیث کی فہرست پر مشتمل ہیں جن سے مختلف

مسائل میں استدلال کیا گیا ہے۔ احادیث کا یہ اشاریہ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ پیش کی گئی احادیث کی کل تعداد ۱۳۷ ہے۔

صفحہ ۷۷ سے صفحہ ۸۸ ، گیارہ صفحات میں اس عظیم علمی شہ پارے کے منابع کا تذکرہ "ماخذ و مراجع فتاویٰ نوریہ جلد ۱" کے عنوان سے کیا گیا ہے، جس میں ان تمام کتب کا تفصیلی ذکر کر دیا گیا ہے، جو فتویٰ مرتب کرتے وقت حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیش نظر اور زیر مطالعہ رہیں۔ اس میں ہر کتاب کے مصنف، سنہ طباعت، مقام اشاعت اور مصنف کے سنہ وصال کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے، جس سے اس فتاویٰ کی اہمیت کا تعین کرنا آسان ہو گیا ہے۔

استفتاء ات کی تعداد

فتاویٰ نوریہ جلد اول اشاعت چہارم جو ۷۹۲ صفحات پر مشتمل ہے، جن میں ۶۳۸ صفحات خالص فتاویٰ پر محیط ہیں، ان صفحات میں کل ۲۷۰ استفتاءات کے جوابات دیے گئے ہیں، پھر ان میں اکثریت ایسے استفتاءات کی ہے جن کے ذیل میں کئی کئی سوالات بلکہ بعض میں تو ان سوالات کی تعداد درجن تک پہنچ جاتی ہے۔ یوں پورے فتاویٰ نوریہ جلد اول میں سیکڑوں سوالات کے جوابات دلائل شرعیہ کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں۔ فتاویٰ کی پہلی ہی جلد کے مطالعہ سے صاحب فتاویٰ کی مرجعیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں شامل ۷۰ استفتاءات ایسے ہیں جو علمائے وقت اور دانش وران قوم نے مختلف اوقات میں حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے دربار علمی میں بھیجے تھے (ایسے چند منتخب افراد کا تذکرہ الگ باب میں "رجال نوری" کے نام سے آگے آئے گا)، یہ تعداد کل استفتاءات کی ایک تہائی بنتی ہے۔

جلد اول کے اہم عنوان و مباحث

فتاویٰ نوریہ جلد اول درج ذیل اہم عنوانات اور مباحث کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

کتاب الطہارت، صفحہ ۱۱۱-۱۳۴

۱۱ استفتاءات کے ذیل میں غسل و طہارت اور ان کے متعلقات کے حوالے سے ۲۲ سوالات کے علمی و تحقیقی جوابات

کتاب الوقف المساجد وغیرھا، صفحہ ۱۳۷-۱۵۴

۱۳ استفتاءات کے ذیل میں مساجد اور دیگر اشیاء وغیرہ کے وقف سے متعلق ۱۴

عقود العساجد لعمار المساجد، صفحہ ۱۵۵-۱۸۳

پہلے سے بنی ہوئی مسجد کو شہید کر کے ازسرِ نو تعمیر کرنا اور اسی طرح پہلی مسجد کی جگہ کو کسی اور مصرف کے لیے استعمال کرنے سے متعلق انتہائی تحقیقی انداز اور ٹھوس علمی دلائل کے ساتھ فتویٰ دیا گیا ہے۔ جواب اس قدر مفصل ہے کہ یہ بذاتِ خود ایک مستقل رسالہ بن گیا ہے، جواب کو دو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل اول نوری جواب سوال

اس میں قرآن مجید سے استفادہ کرتے ہوئے سات مستند مفسرین کے حوالہ جات نقل کرنے کے علاوہ ۶ مستند کتب فقہ مثلاً بحر الرائق، مبسوط سرخسی، فتح القدیر وغیرہ کے حوالہ جات بھی شامل فتویٰ ہیں۔ علاوہ ازیں احادیث منیفہ کے عنوان سے حدیث مبارکہ کی ۸ کتب معتبرہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ فصل اول کے اختتام پر "مذہب مہذب حنفیہ کا حکم" کا عنوان قائم کر کے فقہ حنفی کی آٹھ معتبر کتب فتاویٰ سے زیر بحث مسئلہ پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

فصل دوم نوری جواب استدلال

اس مسئلہ میں ایک مولوی صاحب کے استدلال کا ٹھوس علمی دلائل سے انتہائی نفیس رد ہے۔ اس سلسلہ میں مولوی صاحب موصوف کی ایک ایک دلیل لے کر اس کا رد قرآن و حدیث اور کتب معتبرہ سے کیا گیا ہے۔ اسی فصل کے اختتام پر عیسائیوں کے چندہ سے تعمیر شدہ مسجد سے متعلق مولانا سید مفتی مسعود علی قادری کے ایک فتویٰ پر نوری رائے بھی شامل ہے۔

کتاب الصلوٰۃ (باب الاوقات) صفحہ ۲۲۲-۲۶۶

"تنویر فی الزوال بنور عدل فی الزوال" کے نام سے ظہر اور عصر کی نمازوں کے لیے اوقات معلوم کرنے کے مسئلہ میں ایک نادر علمی تحقیق، جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ بھی ایک مستقل رسالہ ہے، جو عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کے تبحر علمی کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب میں مہارت پر بھی شاہد عادل ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کا بھی اردو ترجمہ کر دیا جائے تاکہ عربی سے ناواقف عام لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ یہ رسالہ ۲۲۳ سے ۲۳۲ یعنی ۸/۳۰×۲۰ کے دس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

ابداء البشری بقبول الصلوٰۃ فی الضحوۃ الکبریٰ، صفحہ ۲۳۳-۲۶۴

یہ بھی ایک مستقل رسالہ ہے جو مشرقی پاکستان سے مولانا عبدالکریم قادری نعیمی کے مرسلہ ایک استفتاء کے جواب میں لکھا گیا، خلاصہ جواب یہ ہے کہ نماز عید نصف النہار حقیقی تک ادا کی جاسکتی ہے۔ مستفتی مولانا نعیمی قادری کے سوال میں تو تاریخ کا اہتمام نہیں کیا گیا البتہ اسی مسئلہ سے متعلق ایک اور سوال جو محمد کمال الدین امام مسجد دار العلوم ملفت گنج فرید پور مشرقی پاکستان نے بغرض جواب بھیجا کے آخر میں یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ کی تاریخ درج ہے اور حضرت کے جواب جو دونوں کا مشترکہ جواب ہے، کے آخر میں ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۸۹ھ کی تاریخ درج ہے۔ اس رسالہ کو بھی حضرت صاحب فتاوی نے اپنے ذوق علمی کے مطابق درجنوں کتب تفسیر، فقہ، حدیث اور اصول سے مزین کیا ہے۔

کتاب الصلوٰۃ (باب الاذان)، صفحہ ۲۶۷-۳۰۷

اس باب میں ۱۸، استفتاءات کے ذیل میں ۱۲، سوالات کے جوابات شامل ہیں، جن میں اذان میں اسم پاک سن کر انگوٹھے چومنے سے متعلق "تقبیل الابھامین عند ثانی الاذانین" کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ بھی شامل باب ہے، جو اس مسئلہ میں بالخصوص علم وتحقیق کا ایک نادر نمونہ اور بحر زخار ہے۔ یہ رسالہ صفحہ ۲۷۷ سے ۳۰۱ تک پھیلا ہوا ہے۔

باب الامامۃ، صفحہ ۳۰۹-۴۹۲

۲۹، استفتاءات کے ذیل میں شرائط ومسائل امامت سے متعلق ۳۹ سوالات کے نفیس جوابات اور پھر اس کے ساتھ ہی حضرت فقیہ اعظم کا عظیم علمی وتحقیقی اور معرکۃ الآراء مقالہ ''مکبر الصوت مع ضمیمۃ مکبر الصوت'' صفحہ ۳۶۳ سے ۴۹۲ تک پھیلا ہوا ہے، نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے جواز پر ہے، جس کی ایک ایک سطر سے قاری کو ''ہر قطرۂ سمندر میں ہے سمندر کی گہرائی'' کا احساس ہونے لگتا ہے اور وہ یوں سمجھتا ہے جیسے وہ علم وعرفان کے ایک ایسے وسیع سمندر کے کنارے کھڑا ہے جس کا دور دور تک کوئی کنارہ نظر نہیں آتا۔ مختصر یہ کہ رسالہ ''مکبر الصوت'' حضرت مصنف کے تبحر علمی کا اک شاہکار اور منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس رسالہ کے حوالے سے مفصل گفتگو اور تبصرہ جدید مسائل کے باب میں آگے رہا ہے۔

باب ما یجوز فی الصلوٰۃ و ما لا یجوز، صفحہ۴۹۳-۵۲۲

یہ باب ۷، استفتاءات اوران کے تحت ۱۲ سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

باب القراءۃ، صفحہ۵۲۳-۵۵۰

نماز میں قراءت سے متعلق اس باب میں کل ۹، استفتاءات ہیں، جن کے نیچے ۱۳ سوالات ہیں، جن کے جواب میں خوب داد تحقیق دی گئی ہے۔

باب الوتر و النوافل، صفحہ۵۵۱-۵۸۲

اس باب میں کل ۱۱، ابواب اور ۱۴ سوالات ہیں، جن کے شافی جوابات رقم کیے گئے ہیں۔

باب سجدۃ السہو، صفحہ۵۸۳-۵۹۷

اس باب میں کل سات استفتاءات اوران کے نیچے ۱۳ سوالات کے جوابات شامل ہیں۔

باب صلوٰۃ المسافر، صفحہ۵۹۸-۶۱۶

مسافر کی نماز اور اس کے متعلق ۴، استفتاءات اوران کے محققانہ جوابات۔

رسالہ انوار اتقن الدولہ فی اجوبۃ اسئلۃ فکادولہ، صفحہ۶۱۸-۶۵۴

تحصیل دیپال پور کے مشہور ومعروف گاؤں پکا ڈولہ سے آمدہ ایک استفتاء، جس کے ذیل میں ۱۲ سوالات کے جوابات پوچھے گئے، اس کے جواب میں یہ مبارک رسالہ پردۂ کتم عدم سے منصہ شہود پر نمودار ہوا۔ اس رسالہ کا مرکزی مضمون جمعہ، عرس، گیارہویں شریف، کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے، ساتواں، چالیسواں کرنے، قبروں پر قبے بنانے، استعانت واستمداد بالمخلوق بعد از وصال، قبر پر دیے جلانے اور فاتحہ خلف الامام وغیرہ مسائل پر نصوص شرعیہ ودلائل فقہیہ کی روشنی میں مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

باب الجنائز، صفحہ۶۷۹-۷۲۵

یہ باب کل ۲۱، استفتاءات اوران کے ذیل میں ۲۶ سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ جن میں نماز جنازہ اور دعا بعد از جنازہ پر معتبر کتب حنفیہ سے مسلک حقہ کو واضح کیا گیا ہے۔

مسائل شتیٰ (متفرقات)، صفحہ۷۲۷-۷۳۳

یہ جلد اول کا آخری باب ہے، جس میں کل ۴، استفتاءات مع جوابات شامل ہیں۔

جلد اول کے چند اہم اور نامور مستفتیان

جیسا کہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ فتاویٰ نوریہ جلد اول میں کل ۴۷۱، استفتاءات ہیں، جن میں

سے ایک تہائی یعنی ۲۷، استفتاءات تو ایسے ہیں جو علماء اور دانش وروں نے مختلف مسائل دینیہ میں پوچھے، ان سب اہل علم مستفتیان کے نام یہاں درج کرنا تو طوالت کا باعث ہے، البتہ ان میں سے چند کے اسماء گرامی فتاویٰ کے صفحہ نمبر کے ساتھ یہاں ذکر کیے جاتے ہیں، جس سے قارئین کو یہ اندازہ کرنا آسان ہوگا کہ اس چشمہ نور سے آسمان علم وحکمت کے کون کون سے ستارے روشنی حاصل کرتے رہے ہیں:

۱......مولانا محمد منشا تابش قصوری، امام مسجد فردوس مینز یز مرید کے ضلع شیخوپور، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لوہاری گیٹ، لاہور

شہید کی گئی مسجد کے پرانے سامان کو فروخت کرنے سے متعلق استفتاء، صفحہ ۱۳۶

۲......لیفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خان، ڈائریکٹر وقف املاک، پنجاب

سرکاری وغیر سرکاری زمین میں پیشگی اجازت کے بغیر بنائی گئی مسجد کے متعلق شرعی حکم سے متعلق پوچھا گیا استفتاء، صفحہ ۱۹۲ تا ۱۹۳

۳......ابو النصر مولانا منظور احمد شاہ، مہتمم جامعہ فریدیہ، ساہیوال

چلتی ریل گاڑی، کشتی وجہاز میں ادائیگی نماز اور مسئلہ تھویب سے متعلق پوچھا گیا استفتاء ہے، صفحہ ۲۰۷

۴......مولانا محمد عبد الکریم قادری نعیمی، مدرسہ عزیزیہ جلالیہ اسلامیہ، ملفت گنج، ضلع فرید پور، مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش)

صحوۃ الکبریٰ میں ادائیگی نماز سے متعلق استفتاء، صفحہ ۲۳۵ تا ۲۳۸

۵......(ابو الظفر) مولانا منظور احمد، مدرس دار العلوم عالیہ عربیہ مدینہ مسجد، ساہیوال

جمعہ کی اذان ثانی سے متعلق استفتاء، صفحہ ۲۷۹

۶......شیخ القرآن حضرت علامہ مولانا محمد عبد الغفور ہزاروی، وزیر آباد

بدعقیدہ لوگوں کے جلسوں میں شرکت اور امر بالمعروف میں ان سے مل کر کام کرنے سے متعلق پوچھا گیا، صفحہ ۳۶۱

۷......مولانا مفتی غلام سرور قادری، مہتمم جامعہ غوثیہ رضویہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرات شیخین پر فضیلت دینے والے کی اقتداء میں نماز کی ادائیگی کا حکم اور حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گستاخ کا حکم، صفحہ ۳۲۰

۸.....حضرت مولانا محب النبی، مدرس جامعہ غوثیہ نظامیہ، وزیر آباد

بوقت ضرورت قبضہ سے کم داڑھی رکھنے والے کی اقتداء میں نماز ادا کرنا، صفحہ ۳۴۷

۹.....مولانا محمد نواز اویسی، مہتمم دار العلوم جامعہ محمدیہ رضویہ، رحیم یار خاں

نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال سے متعلق سوال، صفحہ ۳۶۷

۱۰.....خطیب پاکستان حضرت مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی، کراچی

صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے سے متعلق استفتاء، صفحہ ۵۰۰

۱۱.....استاذ العلماء مولانا منظور احمد، مدرسہ اسلامیہ غوثیہ کہروڑ پکا (بانی مدرسہ غوثیہ جنڈانوالا)

۱۲.....ابوالارشاد مولانا غلام رسول اشرفی، قصور

چین، زنجیر گھڑی کا مسئلہ، صفحہ ۵۱۹

۱۳.....مولانا محمد منظور احمد نقشبندی مرتضائی، رائے ونڈ، ضلع لاہور، حال راجہ جنگ، ضلع قصور

جمعہ کے روز احتیاط الظہر پڑھنے کا مسئلہ، صفحہ ۶۲۴

۱۴.....مولانا ابوالفیض علی محمد نوری، بھکھری (بانی جامعہ نوریہ فیض العلوم وہاڑی)

دیہات میں نماز عید بطور نفل پڑھنے کا حکم

جلد اول میں شامل مستقل رسائل

اس جلد میں سات عدد مستقل رسائل شامل ہیں۔

۱.....عقود العساجد لعمار المساجد، صفحہ ۱۵۵ تا ۱۸۳

تعمیر ثانی کے موقع پر مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کرنا حرام ہے۔

۲.....تنویر فی الزوال بنور عدل فی الزوال، صفحہ ۲۲۳ تا ۲۳۲

ظہر اور عصر کی نمازوں کے اوقات معلوم کرنے کے لیے ایک نادر تحقیقی شاہکار۔

۳.....ابداء البشریٰ بقبول الصلوٰۃ فی الضحوۃ الکبریٰ، صفحہ ۲۳۳ تا ۲۶۴

نماز عید کی ادائیگی کے لیے وقت کروہ نصف النہار تک ادا کی جاسکتی ہے، کی بحث۔

۴.....تقبیل الابہامین عند ثانی الاذانین، صفحہ ۲۷۷ تا ۳۰۱

جمعہ کی اذان ثانی میں انگوٹھے چومنے کا حکم۔

۵.....مکبر الصوت، صفحہ ۳۶۳ تا ۳۷۴

۶..... ضمیمہ مکبر الصوت، صفحہ ۳۲۷ تا ۳۵۵

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا جواز۔

۷..... انوار المنن الدولہ فی اجوبۃ اسئلہ فکادولہ، صفحہ ۶۱۸ تا ۶۵۳

جمعہ، عرس، فاتحہ خلف الامام، طعام پر فاتحہ، ساتواں، چہلم، مزارات پر گنبد بنانے، چراغ جلانے اور استمداد اولیاء وغیرہ مسائل پر مدلل رسالہ

مجموعی مسائل کی تعداد

فتاویٰ نوریہ کی جلد اول میں مذکور مختلف عناوین اور مباحث میں بیان کردہ مسائل کی کل تعداد ۶۰۹ ہے، جن میں احکام شرعیہ وفقہیہ کے علاوہ اعتقادی وکلامی اور علمی مسائل مثلاً اصول تفسیر، اصول فقہ، اصول حدیث، رسم المفتی اور اصول فتویٰ پر بھی خالص علمی مباحث شامل ہیں۔

❁❁❁❁❁

فتاویٰ نوریہ، جلد دوم (۲۰×۳۰/۸)

جلد دوم ایک نظر میں

فتاویٰ نوریہ جلد دوم کا پہلا ایڈیشن شعبان المعظم ۱۳۹۷ھ/ اگست ۱۹۷۷ء میں منظر عام پر آیا، تب اس کے صفحات کی کل تعداد ۴۶۳ تھی، جس میں دو ضمیمیں اور جلد اول پر معروف عالم دین اور دانشور پروفیسر محمد مسعود احمد کا تبصرہ جو ۴۷ صفحات پر مشتمل ہے، بھی شامل تھا، جس میں موصوف نے فتاویٰ نوریہ کی خصوصیات کو بڑے خوب صورت انداز میں اختصار کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔ جب کہ اس کی طباعت کا نقش ثانی ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء میں منصۂ شہود پر آیا تو اس کے صفحات کی تعداد ۵۲۰ تھی، یہ اضافہ شدہ صفحات اس عظیم فقہی کتاب کی رونمائی کے وقت (۴رجون ۱۹۸۰ء/ ۲۰رجب المرجب ۱۴۰۰ھ) نیشنل سنٹر لاہور میں فتاویٰ نوریہ اور صاحب فتاویٰ کے شخصی احوال، ان کے فکر وفن اور کتب فتاویٰ میں اس عظیم فتاویٰ ''فتاویٰ نوریہ'' کے مقام و مرتبہ سے متعلق پڑھے گئے نامور علماء کرام اور اصحاب فکر ودانش کے فکر انگیز مقالات پر مشتمل ہیں اور سب سے آخر میں ''نقد و تبصرہ'' کے عنوان سے اس عظیم علمی شاہکار پر اخبارات و جرائد کے تبصرہ جات بھی شامل اشاعت کیے گئے ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

شامل اشاعت مقالات (۴۸۳ تا ۵۱۴)

۱ نازک منصب مولانا مفتی محمد حسین نعیمی

دو صفحات پر مشتمل اس مضمون میں فاضل مضمون نگار مفتی نعیمی صاحب نے منصب افتاء کی نزاکت اور ایک حق گو مفتی کے مطلوبہ اوصاف کا ذکر کرنے کے بعد یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ صاحب فتاویٰ نوریہ جہاں اس منصب کی نزاکتوں اور مشکلات سے آگاہ نظر آتے ہیں وہاں ان کی شخصیت کا مطالعہ کرنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کی ذات کے اندر وہ تمام اوصاف مجتمع ہیں جو ایک مفتی کے اندر ہونا ضروری ہیں۔

۲ فتاویٰ نوریہ پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

۸ صفحات پر مشتمل یہ مقالہ فن فتویٰ نویسی اور فتاویٰ سے بحث کرتا ہے، فاضل مقالہ نگار نے اپنے اس فکر انگیز مقالہ میں اس راہ کے شناور کے لیے جن جن باتوں سے آگاہ ہونا ضروری ہے، کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اپنے موضوع پر یہ مضمون مستقل رسالہ کی حیثیت رکھتا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

۳ فتاویٰ نوریہ کا علمی مقام پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی

ڈاکٹر صاحب قبلہ نے اپنے اس مضمون میں فتاویٰ نوریہ کے علمی مقام پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور فتاویٰ نوریہ کے عمومی مزاج نیز اس کے اندر پائی جانے والی ادبی چاشنی کو انتہائی خوب صورت انداز میں قلم بند کیا ہے، مقالہ کل ۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴ شخصیہ مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری

تقریباً ساڑھے تین صفحات پر مشتمل اس مضمون میں فاضل موصوف نے اپنے استاد گرامی اور صاحب فتاویٰ حضرت فقیہ اعظم کا سوانحی خاکہ پیش کیا ہے، جو قاری کو حضرت ممدوح کے ذاتی و شخصی حوالے سے ضروری معلومات فراہم کرتا ہے۔

5 فتاویٰ نوریہ اور تازہ ہوا راجا رشید محمود ایم اے

راجا رشید محمود وطن عزیز کے ایک معروف نعت گو شاعر اور بلند پایہ ادیب ہیں، انہوں نے بھی اپنے چار صفحات پر مشتمل اس مقالہ میں فتاویٰ نوریہ کی خصوصیات کو نمایاں کیا ہے۔ یہ مقالہ اردوئے معلیٰ کا بہترین نمونہ ہے

۲ تاریخ فقہ میں فتاویٰ کا مقام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

آٹھ صفحات پر مشتمل یہ مقالہ نابغہ عصر، مفکر اسلام، مفسر قرآن، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کے رشحات قلم کا ایک نادر علمی و تحقیقی شاہکار ہے۔ جس میں حضرت مفکر اسلام نے فتویٰ کی لغوی تحقیق سے لے کر فتویٰ نویسی کی تدوین و ترتیب کی تاریخ، اس کی ضرورت و اہمیت اور اسلامی معاشرے میں واقع ہونے والے تغیرات کے پیش نظر مفتی وقت کے فتویٰ کی افادیت وغیرہ پر بڑے ہی جامع انداز میں تبصرہ کیا ہے۔ سب سے اہم بات جو اس مقالے کو دوسرے مقالات سے ممتاز کرتی ہے وہ قرآن و سنت کی روشنی میں اس کی شرعی حیثیت کا بیان ہے۔ اس سلسلہ میں اپنے موقف کی تائید و تصدیق کے لیے پانچ آیات قرآنیہ اور متعدد احادیث نبویہ کو بطور استشہاد پیش کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں ازمنہ سابقہ میں مختلف بلاد و امصار اسلامیہ میں تاریخ کے مختلف ادوار میں فقہ اور فتویٰ کی خدمت سرانجام دینے والے اسلاف کا تذکرہ بھی بڑے ہی دل نشین پیرائے میں کیا گیا ہے۔ فتاویٰ نویسی کی تاریخ بیان کرتے ہوئے چند اہم فتاویٰ جات کے نام لکھ کر برصغیر پاک و ہند میں فتویٰ نویسی کی تاریخ کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

صفحہ ۵۱۵ سے ۵۲۰ پر ''نقد و تبصرہ'' کے عنوان سے بعض اخبارات و رسائل میں ''فتاویٰ نوریہ'' جلد اوّل پر کیے گئے تبصرے شامل ہیں۔ مثلاً

سہ ماہی ''فروزاں'' لاہور	شمارہ اپریل، جون ۱۹۸۲ء، (جلد اول)
سہ ماہی ''فروزاں'' لاہور	شمارہ جولائی ۱۹۸۲ء، (جلد دوم)
روزنامہ ''وفاق'' لاہور	شمارہ ۲۶ نومبر ۱۹۷۷ء
روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور	شمارہ ۳۱ جنوری ۱۹۷۸ء
روزنامہ ''امروز'' لاہور	شمارہ ۹ جنوری ۱۹۷۸ء
روزنامہ ''مشرق'' لاہور	شمارہ ۱۰ فروری ۱۹۷۸ء

واضح رہے کہ درج بالا مقالہ جات اور تبصرے اختصار کے پیش نظر نئے ایڈیشن میں شامل نہیں کیے گئے، انھیں علیحدہ کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔

اس جلد کا تیسرا ایڈیشن ستمبر ۲۰۰۰ء/ جمادی الاخری ۱۴۲۱ھ میں شائع ہوا، جو ۷۶۰ صفحات پر مشتمل ہے، تقسیم صفحات کچھ اس طرح سے ہے:

صفحہ ۱ تا ۶، جلد اول کی طرح اس جلد میں بھی تسمیہ، درود شریف اور آیات قرآنی کے طغرہ جات ہیں۔

صفحہ ۷، اندرونی ٹائٹل ہے، جس کی پیشانی کو تسمیہ اور آیت قرآنی "قد جاء کم من اللہ نور" کے مقدس کلمات سے سجایا گیا ہے۔ کتاب کے نام کو جلی حروف کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔ مصنف و مدون کے اسمائے گرامی لکھنے کے بعد ناشر کے طور پر عظیم مادر علمی "دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور" کا نام بھی جلی حروف میں لکھا گیا ہے۔

صفحہ ۸، پرنٹ لائن پر مشتمل ہے، جس میں اس جلد کی مجمل تاریخ لکھنے کے بعد ناکسٹ یعنی فتاویٰ نوریہ کے ملنے کے مراکز کے تفصیلی پتاجات دیے گئے ہیں۔

صفحہ ۹ تا ۱۲ پر صاحب زادہ مولانا محمد محب اللہ نوری صاحب کے قلم سے لکھا ہوا نقش آغاز ہے، جو جہاں اس زیر نظر جلد کا ایک طرف مکمل تاریخی خاکہ ہے تو دوسری طرف اس جلد کا عمومی تعارف بھی ہے۔

صفحہ ۱۳ سے لے کر صفحہ ۵۸ تک جلد ہذا میں بیان کیے گئے مسائل کی ایک مفصل فہرست ہے، جس کے مطابق یہ جلد کم و بیش چھ صد استفتاءات پر مشتمل ہے۔

صفحہ ۵۹ تا ۶۰، اس جلد کے چند ممتاز اہل علم مستفتین کی فہرست ہے۔

صفحہ ۶۳ پر "علم و فضل کے پیکر رعنا" کے عنوان سے ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری اور صفحہ ۶۴ پر بعنوان "افقہ الفقہاء" شیخ القرآن علامہ غلام علی اوکاڑوی کے تاثرات درج ہیں۔

صفحہ ۶۵ سے ۸۲ تک حضرت صاحب زادہ مولانا محمد محب اللہ نوری صاحب کے رشحات قلم پر مبنی "فقیہ اعظم" کے عنوان سے مضمون شامل اشاعت ہے، جس میں صاحب فتاویٰ کے خاندانی حالات، علمی پس منظر، تحصیل علم کے لیے جدو جہد، علمی و فکری اور سیاسی و سماجی خدمات کا تذکرہ بھرپور انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ بیس صفحات پر محیط یہ مضمون کسی بھی سوانح نگار اور مورخ کو فتاویٰ اور صاحب فتاویٰ سے متعلق ضروری معلومات تسلی بخش طور پر مہیا کرتا ہے۔

صفحہ ۸۵ پر "فتاویٰ نوریہ" کا عنوان درج ہے، جب کہ صفحہ ۸۶ پر ایک چوکھٹے میں حدیث من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین مع ترجمہ تحریر ہے۔

صفحہ ۸۷ سے باقاعدہ طور پر عصر حاضر کے اس منفرد اور عظیم فقہی شاہکار کا آغاز ہوتا ہے اور یہ سلسلہ صفحہ ۷۳۲ تک چلتا ہے۔ ان ۶۴۷ صفحات میں ۶۴۱ استفتاءات اور ان کے ذیل میں

درجنوں سوالات کے علمی وتحقیقی جوابات دیے گئے ہیں، نیز ان میں بعض تفصیلی فتاویٰ جات بھی شامل ہیں، جن کی حیثیت ایک مستقل رسالے کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود صاحب فتاویٰ نے بھی ان کے الگ الگ نام تجویز فرمائے ہیں، مثلاً روزہ اور ٹیکہ، افادۃ الفتر اوکذا الامر وغیرھما۔

فتاویٰ کے زیر نظر تیسرے ایڈیشن کے حوالے سے اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ اسے بھی حضرت صاحب زادہ محمد محب اللہ نوری نے ترتیب نو سے آراستہ کیا، چنانچہ ابتدا میں حالات وتاثرات کے علاوہ ابواب کا تعارف تحریر کیا جو ایک خاصے کی چیز ہے۔ اسی طرح آخر میں آیات، احادیث اور مآخذ ومراجع کی فہرستیں مرتب کر کے شامل کیں، جس سے اس کی وقعت وافادیت میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۷۳۵ سے لے کر ۷۳۶ تک آیات اور ۷۳۹ تا ۷۶۰ احادیث کی فہرست ہے، جب کہ ۷۶۳ سے ۷۷۰ تک فہرست مآخذ ومراجع ہے۔

صفحہ ۷۷۱ پر مادہ ہائے تاریخ ہیں، جو پنوانہ ضلع سیالکوٹ کے معروف شاعر مولانا قمر یزدانی کے زور قلم کا نتیجہ فکر ہے۔ کل سات مادے بیان کیے گئے ہیں، جن میں سے تین درج ذیل ہیں:

ھو القاضی الحاجات	مراسلات فقیہ اعظم	پاک سرشت محمد نور اللہ
۱۳۹۷ھ	۱۹۷۷ء	۱۳۹۷ھ

ان تواریخ کے علاوہ پندرہ اشعار پر مشتمل ایک منقبت بھی ہے جس میں صاحب فتاویٰ کی شخصیت وخدمات کو نذرانہ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

صفحہ ۷۷۲ پر قطعہ تاریخ طباعت، از رشحات قلم حضرت مولانا الحاج سید شریف احمد شرافت نوشاہی زیب سجادہ آستانہ عالیہ نوشاہیہ سیال شریف ضلع گجرات۔ موصوف نے ''فتاوائے نوریہ نجم سعادت'' سے تاریخ طباعت نکالی ہے۔

۱۳۹۷ھ

صفحہ ۷۷۳ پر بھی تاریخ طباعت ہی ہے، یہ سولہ اشعار پر مبنی صاحب فتاویٰ کے تلمیذ خاص اور عزیز حضرت مولانا ابو الضیاء محمد باقر ضیاء النوری صدر مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کی ایک منقبت ہے، جس میں فتاویٰ نوریہ جلد دوم کی تاریخ طباعت ''ز تحقیقات کشاف کمال است'' کے الفاظ سے نکالی گئی ہے۔

۱۹۷۷ء

صفحہ ۷۷۲ تا ۷۷۶، فتاویٰ نوریہ کی تمام جلدوں کے ابواب کی اجمالی فہرست ہے۔

جلد دوم کے اہم عنوانات و مباحث

۷۶ صفحات پر مشتمل کلمات ناشر، فہرست، حالات، تاثرات اور آیات، احادیث اور مصادر کی فہارس کے علاوہ ۶۵۰ صفحات پر پھیلی ہوئی یہ جلد درج ذیل اہم عنوانات اور مباحث کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

کتاب الزکوٰۃ، صفحہ ۱۰۱-۱۵۶

یہ دوسری جلد کی پہلی کتاب ہے جو ۱۵ استفتاءات اور ۲۹ سوالات کے تحقیقی جوابات پر مشتمل ہے، نیز اسی کتاب میں ۶ استفتاءات کے جوابات باب العشر کے عنوان سے بھی شامل ہیں۔

کتاب الصیام، صفحہ ۱۷۵-۲۸۶

۱۱۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں کل ۱۷ استفتاءات اور ان کے ذیل میں ۲۶ سوالات کے محققانہ جوابات دیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ کے دو مستقل رسالے ایک ''رسالہ روزہ اور ٹیکہ'' دوسرا رسالہ مسمّٰی باسم تاریخی ''افادۃ العشر اوکدالامر'' بھی شامل ہیں۔

اس کتاب کے مختلف مباحث کو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، مثلاً باب رؤیۃ الہلال، باب الاعتکاف وغیرہ۔

کتاب الحج، صفحہ ۲۹۹-۳۰۹

پانچ استفتاءات اور ان کے ضمن میں سات سوالات پر مشتمل کتاب الحج میں حج اور اس کے متعلق مسائل سے سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

کتاب النکاح، صفحہ ۳۲۳-۷۳۴

اس جلد کی یہ سب سے بڑی کتاب ہے جو ۱۹۷ استفتاءات اور ان کے ضمن میں بیسیوں سوالات کے جوابات سے مزین ۴۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ پوری کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، جس سے قاری کے لیے کسی بھی مسئلہ کو تلاش کرنا از حد آسان ہو گیا ہے۔ نکاح کے حوالے سے جن پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے وہ ابواب کے اعتبار سے درج ذیل ہیں:

باب الخطبہ	باب المہر	باب الشغار
باب المحرمات	باب الجمع بین المحارم	باب حرمۃ نکاح المحصنات

باب نکاح المعتدات　　باب المصاہرۃ　　باب الرضاع

باب الکفو　　باب الولی　　باب خیار البلوغ

مسائل طلاق وغیرہ

جلد دوم میں شامل مستقل رسائل

فتاویٰ نوریہ جلد دوم میں شامل مختلف رسائل درج ذیل ہیں:

۱.....رسالہ روزہ اور ٹیکہ، صفحہ ۲۱۷-۲۳۵

اس رسالہ میں روزے کی حالت میں ٹیکہ لگوانے سے متعلق شرعی حکم بیان کیا گیا ہے۔ حضرت، مصنف نے اپنے موقف کی تائید میں ۲۵ کے لگ بھگ معتبر کتب فقہ سے دلائل ذکر کیے ہیں۔

۲.....افادۃ النشر او کد الامر، صفحہ ۲۵۵-۲۶۳

رؤیت ہلال یعنی چاند کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں سرکاری سطح پر ریڈیو اور ٹیلیویژن پر اعلان کے معتبر ہونے یا نہ ہونے سے متعلق نفیس بحث ہے' جس میں بتایا گیا ہے کہ جدید ٹیکنالوجی کے اس دور میں نشر واشاعت کے ان ذرائع پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ رکھنا یا افطار کرنا درست ہے، اس مسئلہ سے متعلق حضرت مصنف کی تحقیقات نہایت قابل مطالعہ ہیں۔

۳.....حرمۃ المصاہرۃ ترفع المناکحۃ، صفحہ ۵۵۳-۵۷۶

حرمت مصاہرۃ سے متعلق ایک نہایت علمی وتحقیقی رسالہ ہے، جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، مذہب مہذب حنفی کو اصول کتب فقہ سے خوب واضح کر کے بیان کیا گیا ہے۔

جلد دوم میں بیان شدہ مجموعی مسائل

۶۷۷ صفحات پر مشتمل اس جلد میں تقریباً ۲۴۱ استفتاءات کے جوابات شامل ہیں اور درجنوں استفتاءات ایسے ہیں جو کئی کئی سوالات پر محیط ہیں۔ مذکورہ بالا مباحث کے علاوہ دیگر علمی مسائل پر بھی قلم اٹھایا گیا ہے۔

جلد دوم کے چند اہم مستفتین کے اسماء گرامی

جلد اول کی طرح اس جلد کے مستفتین حضرات کی غالب اکثریت بھی علماء ودانشوروں پر مشتمل ہے۔ ان سب کے نام یہاں ذکر کرنا مشکل ہے، البتہ چند اہم نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱.....مولانا قاضی غلام محمود صاحب، خطیب جامع مسجد عیدگاہ، جہلم

نوٹ پر زکوۃ اور حرمت مصاہرۃ سے متعلق مسائل کے بارے میں استفسار کیا۔

۲..... علامہ محمد رمضان المحقق النوری، بانی دار العلوم قادریہ نعیمیہ حویلی لکھا

۳..... مولانا مفتی ابو الیسر محمد اسماعیل، خطیب جامع مسجد ٹیکسٹائل، بوریوالا

۴..... حضرت پیر سید اختر حسین شاہ جماعتی، علی پور سیداں

۵..... استاذ العلماء علامہ ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری، بصیر پور شریف

۶..... مولانا محمد سعید احمد اسعد، مدرسہ امینیہ رضویہ، فیصل آباد

۷..... مولانا ابو الوفا منظور احمد، مدرس مدرسہ عربیہ متصل کاٹن ملز، اوکاڑا (بانی مدرسہ غوثیہ جنڈانوالا)

۸..... مولانا غلام معین الدین نعیمی، نائب ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت علمائے پاکستان

۹..... شیخ القرآن علامہ غلام علی اوکاڑوی، بانی اشرف المدارس اوکاڑا

۱۰..... علامہ محمد احمد خاں مانیکا، رئیس اعظم پاکپتن، سابق وزیر حکومت پاکستان

۱۱..... مولانا محمد منشا تابش قصوری، مرید کے (مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

۱۲..... علامہ غلام مہر علی سیالوی، منڈی چشتیاں

۱۳..... چودھری عبد الحق، سب انسپکٹر انجمن ہائے امداد باہمی منٹگمری

۱۴..... نور الحق، ریٹائرڈ فون انسپکٹر

۱۵..... (خطیب پاکستان) مولانا محمد شریف نوری قصوری، لاہور

۱۶..... دار الافتاء جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی

۱۷..... دار الافتاء دار العلوم نعیمیہ کراچی

✿✿✿✿✿

فتاویٰ نوریہ جلد سوم (۲۰×۳۰/۸)

جلد سوم ایک نظر میں

فتاویٰ نوریہ کی یہ جلد اولاً ۲۳×۱۸/۸ سائز پر ستمبر ۱۹۸۳ء میں منصۂ شہود پر آئی، تب اس کے صفحات کی تعداد ۵۰۴ تھی۔ جنوری ۱۹۹۴ء/شعبان ۱۴۱۴ھ میں جب اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۶×۲۰/۸ سائز میں منظر عام پر آیا تو اضافات کے بعد اس کے صفحات کی تعداد ۶۷۲ تھی۔ محرم ۱۴۲۰ھ/اپریل ۱۹۹۹ء میں اس کا تیسرا ایڈیشن شائع ہوا، اس کے صفحات میں اضافہ نہیں ہوا، البتہ سائز ۲۰×۳۰/۸ کر دیا گیا، اس جلد کے صفحات کی تقسیم کچھ اس طرح ہے:

صفحہ نمبر ۱ طغریٰ کی صورت میں "فتاویٰ نوریہ" لکھا گیا ہے۔

صفحہ نمبر ۲ خالی ہے، صفحہ ۳ پر دائرہ نما شکل میں تسمیہ تحریر ہے۔

صفحہ نمبر ۴ پر مشہور رباعی بلغ العلیٰ بکمالہ اور درود شریف کا طغریٰ ہے۔

صفحہ ۵ پر آیت مبارکہ اللہ نور السمٰوات و الارض تحریر ہے، جو خطاطی کا ایک انمول نمونہ ہے۔

صفحہ ۶ پر قرآن کریم کی آیت یستفتونک قل اللہ یفتیکم درج ہے۔

صفحہ ۷ پر اندرونی ٹائٹل ہے، جس کو کتاب، صاحب کتاب، مرتب اور ناشر کے ناموں سے

مزین کیا گیا ہے۔

صفحہ ۸ پرنٹ لائن پر مشتمل ہے، جو اس زیر نظر جلد کی اجمالی تاریخ پیش کرتا ہے۔

صفحہ ۹ اور ۱۰ پر نقش آغاز کے عنوان سے مضمون میں مرتب فتاویٰ نوریہ صاحب زادہ محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے اس دوسرے ایڈیشن کا مختصر تعارف کروایا ہے۔

صفحہ ۱۱ سے ۱۴ تک اشاعت اول کا ابتدائیہ ''فوق کل ذی علم علیم'' کے عنوان سے صاحب فتاویٰ کے بحور علم سے سیرابی حاصل کرنے والے ممتاز عالم اور صاحب قلم مولانا محمد منشا تابش قصوری صاحب کا ایک تعارفی مضمون ہے، جس میں حضرت مصنف کی عالمانہ بصیرت اور مرتب کتاب حضرت صاحب زادہ محمد محب اللہ نوری صاحب کا مختصر سوانحی تعارفی خاکہ بیان کرتے ہوئے مرکزی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کی ترقی اور ترتیب کتاب کے سلسلہ میں ان کی خدمات کو بڑے خوب صورت انداز میں سراہا گیا ہے۔

صفحہ ۱۵ پر عنوان ''فہرست''، صفحہ ۱۶ پر مشمولات فتاویٰ نوریہ کی اجمالی فہرست، صفحہ ۱۷-۱۸ پر فہرست کتب وابواب ہے، جب کہ صفحہ ۱۹ تا ۲۲ پر مفصل فہرست مسائل درج ہے۔

صفحہ ۲۳ پر حضرت فقیہ اعظم کی مختصر سوانح حیات پر مشتمل مولانا محمد منشا تابش قصوری کی تحریر ہے، جب کہ صفحہ ۷۳ تا ۸۰ سید عبدالرحمن بخاری ریسرچ آفیسر قائداعظم لائبریری لاہور کا ''فتاویٰ نوریہ کا علمی مقام'' کے عنوان سے وقیع مقالہ شامل ہے۔

صفحہ ۸۱ سے باقاعدہ اس جلد کا آغاز ہوتا ہے اور یہ سلسلہ نور صفحہ ۶۳۴ تک ۵۵۴ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جس میں ۲۰۳، استفتاءات کے ضمن میں ۵۹۲ سوالات کے علمی و تحقیقی جوابات شامل ہیں۔

صفحہ ۶۳۵ تا ۶۴۳ فہرست آیات مبارکہ اور صفحہ ۶۵۵ تا ۶۷۰ ماخذ و مراجع کی فہرست ہے۔

صفحہ ۶۷۱ پر معروف شاعر قمر یزدانی، سیال کوٹ کے زور قلم کا نتیجہ، اس جلد کی اشاعت پر مادہ ہائے تاریخ درج ہیں، جن کی تعداد ۱۴ ہے۔ ان میں سے ۳ درج ذیل ہیں۔

تحمید احسن الخالقین	نسخۂ اکسیر فتاویٰ نوریہ حصہ سوم	مسیحا نفس محمد نور اللہ دامت برکاتھم العالیہ
۱۴۰۳ھ	۱۹۸۳ء	۱۹۸۳ء

جلد سوم کا خصوصی امتیاز

فتاویٰ نوریہ جلد سوم کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے کہ اس میں شامل تمام کتب کی

ابتدا میں اس کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے، جس میں بطور خاص اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ قرآن وسنت میں متعلقہ موضوع کے حوالے سے دلیل کو ذکر کر دیا گیا ہے، جو علماء و عامۃ الناس کے لیے یکساں مفید ہے۔ عصر حاضر کے متداول اردو فتاویٰ جات میں سے کسی میں بھی امتیاز نظر نہیں آتا۔ یہ بات یقینی طور پر فاضل مرتب کے ذوق نظر و وسعت مطالعہ کی مظہر ہے۔

جلد سوم کے اہم عنوانات و مباحث

اس کے مندرجات درج ذیل ہیں:

کتاب الطلاق

اس جلد کی پہلی کتاب "طلاق اور اس کے مسائل" کے بیان پر مشتمل ہے، جس میں درج ذیل ابواب پر بحث کی گئی ہے:

باب طلاق الصبی، صفحہ ۸۹-۱۱۱

یہ باب بچے کی طلاق کے بارے میں ہے، اس باب میں ۱۴/استفتاءات کے ذیل میں ۱۵ سوالات کے مفصل جوابات دیے گئے ہیں۔

باب طلاق المجنون و المغمیٰ علیه، صفحہ ۱۱۳-۱۲۵

۸ صفحات پر مشتمل اس باب میں پاگل اور مدہوش انسان کی طرف سے دی ہوئی طلاق کا شرعی حکم بیان کیا گیا ہے۔

باب الطلاق فی الغضب، صفحہ ۱۲۷-۱۴۳

غصے کی حالت میں دی گئی طلاق کے شرعی حکم سے متعلق مدلل و مفصل جوابات

باب طلاق الحوامل، صفحہ ۱۴۵-۱۵۱

حاملہ عورت کو دی گئی طلاق سے متعلق ۴/استفتاءات کے مفصل جوابات

باب طلاق المکرہ، صفحہ ۱۵۳-۱۶۵

شخص مجبور کی دی گئی طلاق سے متعلق ۶/استفتاءات کے مفصل و مبرہن جوابات

باب کتابة الطلاق، صفحہ ۱۶۷-۱۷۹

تحریری طلاق کے حوالے سے ۵/استفتاءات کے مدلل جوابات

باب الفاظ الطلاق، صفحہ ۱۸۱-۲۴۷

۲۵ر استفتاءات اوران کے تحت سے ۲۷ سوالات کے جوابات سے مزین ۶۳ صفحات پر مشتمل اس باب میں الفاظ طلاق سے بحث کی گئی ہے کہ کن الفاظ سے طلاق واقع ہوگی اور کن سے نہیں۔

باب الطلاق بالشرط، صفحہ ۲۴۹-۲۶۳

کسی شرط سے طلاق کو مشروط و معلق کرنے سے متعلق اس باب میں ۶ر استفتاءات کے تحقیقی جوابات درج کیے گئے ہیں۔

باب الحلالہ، صفحہ ۲۶۵-۳۱۹

اس باب میں تین طلاقوں کے بعد حلت کی صورت سے متعلق شرعی حکم ،نصوص شرعیہ سے واضح کیا گیا ہے۔اس باب میں ۳۰ر استفتاءات کے تحت ۳۶ سوالات کے جوابات رقم کیے گئے ہیں۔

باب تفریق القاضی، صفحہ ۳۲۱-۳۳۱

۳ر استفتاءات اوران کے ذیل میں ۶ سوالات پر مشتمل اس باب میں قاضی کی طرف سے کی گئی تفریق کا شرعی حکم بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

باب الظہار، صفحہ ۳۳۳-۳۴۷

اس میں ظہار (بیوی کو ماں، بہن وغیرہ محرمات کے کسی عضو سے تشبیہ دینے) سے متعلق ۶ر استفتاءات کے مفصل جوابات دیے گئے ہیں۔

باب العدۃ، صفحہ ۳۴۹-۳۷۴

اس باب میں عدت سے متعلق ۱۷، استفتاءات کے علمی، تحقیقی جوابات شامل ہیں۔

کتاب الذبائح

حلال وحرام جانور اور ان کا ذبح بھی شریعت اسلامیہ کے اندر بڑی اہمیت رکھتا ہے، فتاوی نوریہ جلد سوم کی دوسری اہم بحث اسی مسئلہ سے متعلق ہے ،جس میں بیس استفتاءات کے جوابات کی صورت میں اس اہم مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

سابقہ کتاب کی طرح اس کتاب میں بھی پہلے مفصل تعارف ،مرتب کی طرف سے لکھا گیا ہے، جس میں نص قرآنی سے حلت وحرمت کی دلیل پیش کرنے کے بعد ذبیحہ کے صحیح ہونے کی شرائط اور جانوروں کی اقسام پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے، جو ایک معلومات افزا چیز ہے۔اس کے بعد کتاب کا

آغاز ہوتا ہے۔ کتاب الذبائح دو ابواب پر مشتمل ہے:

باب اول، صفحہ ۳۸۳-۴۰۸

۲۶ صفحات پر مشتمل اس باب میں ۱۳؍استفتاءات اور ان کے محققانہ جوابات درج ہیں، جن میں ذبح سے متعلق مسائل کو مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ نیز عورت کے ذبیحہ پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

باب دوم، صفحہ ۴۰۹-۴۴۰

یہ باب حلال وحرام جانوروں کے بارے میں ہے، ۸؍استفتاءات پر مشتمل ہے، جس میں یہ رسالہ بھی شامل ہے:

حرمت زاغ، الجواب لا یحل کباب الغراب، صفحہ ۴۱۹-۴۳۵

کوا کی حلت وحرمت بھی علمائے اہل السنّت والجماعت اور غیر مقلدین وعلمائے دیوبند کے مابین ایک متنازعہ فیہ مسئلہ ہے اہل سنت حرمت کے قائل ہیں جب کہ مخالفین اس کی حلت کے قائل ہیں۔ حضرت فاضل مصنف نے علمائے اہل سنت کی تائید کرتے ہوئے نصوص شرعیہ سے زاغ معروفہ (کوے) کی حرمت کو ثابت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن وسنت کے علاوہ درجنوں کتب فقہ سے اپنے موقف پر دلائل پیش کیے ہیں۔ یہ باب ایک مستقل رسالے کی حیثیت رکھتا ہے۔

قربانی وعقیقہ، صفحہ ۴۴۱-۵۰۴ (كتاب الاضحية و العقيقة)

۶۴ صفحات پر مشتمل اس باب میں ۲۶؍استفتاءات کے ذیل میں قربانی اور عقیقہ سے متعلق ۳۱ سوالات کے عالمانہ ومحققانہ جوابات شامل ہیں، ابتدا میں باب کا تعارف بھی دیا گیا ہے۔

كتاب التعزير، صفحہ ۵۰۵-۵۲۴

مرتب کی طرف سے لکھے گئے تعارف پر مشتمل ایک صفحہ سمیت ۱۵ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں شریعت اسلامیہ میں تعزیر کی شرعی حیثیت، اس کی مختلف صورتوں اور دیگر احکام سے متعلق ۱۸، استفتاءات کے مفصل جوابات دیے گئے ہیں۔

حظر واباحت (كتاب الحظر و الاباحة)، صفحہ ۵۲۵-۶۳۴

شریعت مطہرہ میں کسی چیز کے مباح یا ممنوع ہونے سے متعلق مسائل کو فقہاء حظر واباحت کے عنوان سے بیان کرتے ہیں، صاحب فتاویٰ نوریہ نے بھی اسلاف کی اتباع میں اس باب کو

باقاعدہ قائم کیا ہے۔ جس میں ۲۷۷، استفتاءات کے ضمن میں ۴۱ سوالات کے جوابات پوری عالمانہ بصیرت کے ساتھ دیے گئے ہیں۔ جن میں جاں بلب مریضوں کو خون دینے، انگریزی اور ہومیو پیتھک ادویات کا استعمال، عورتوں کو تعلیم کتابت، ہوائی جہاز میں نماز وغیرہ مسائل کا سائنسی تحقیقات کی روشنی میں حل درج ہے۔

جلد سوم میں شامل مستقل رسائل

فتاویٰ نوریہ کی اس جلد میں فاضل مصنف علیہ الرحمہ کے درج ذیل مستقل رسائل بھی شامل کیے گئے ہیں:

۱......حرمت زاغ مسمّی باسم تاریخی الجواب لا یحل کباب الغراب، صفحہ ۳۱۹-۳۳۱

۲......الافتاء فی جواز کتابۃ النساء، صفحہ ۴۷۱-۴۸۵

عورتوں کو تعلیم کتابت کا مسئلہ بھی قدیم دور سے علما کے مابین مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ ایک طبقہ تعلیم نسواں کے حق میں ہے اور دوسرا اس کا مخالف دونوں کے پاس دلائل بھی ہیں۔ موجودہ دور میں جب کہ علم بہت ترقی کر چکا ہے، کیا اس دور میں عورت کو لکھنا، پڑھنا، سکھانا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت مصنف نے اپنے اس مفصل فتوی ''جواز کتابۃ النساء'' میں قرآن وسنت کے علاوہ درجنوں کتب فقہ وتاریخ سے عورتوں کے لیے لکھنے پڑھنے کا جواز ثابت کیا ہے، جس کی ایک ایک سطر اور ایک ایک لفظ آپ کی مجتہدانہ بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

جلد سوم کے چند نامور مستفتین

۱......شیخ الحدیث مولانا غلام رسول، فیصل آباد — صفحہ 160

۲......خطیب اہل سنت مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی، اوکاڑا (کراچی) — صفحہ 167

۳......مولانا ابوالنعام محمد رمضان الحقق النوری، دیپالپور — صفحہ 220

۴......مولانا ابوالرضا محمد عبدالعزیز النوری، حویلی لکھا — صفحہ 220

۵......مولانا ابوالنور مولا بخش سکندری، خیرپور سندھ — صفحہ 238

۶......صاحبزادہ مولانا محمد فیض الرحمن کوثر آستانہ انتالی شریف پاکپتن — صفحہ 240

۷......حضرت مولانا محمد عبدالعزیز، بانی مدرسہ احیاء العلوم بورے والا — صفحہ 452

۸......شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی، اوکاڑا — صفحہ 466

✿✿✿✿✿

فتاویٰ نوریہ جلد چہارم (۳۰×۲۰/۸)

جلد چہارم پر ایک نظر

فتاویٰ نوریہ جلد چہارم کا نقش اولین جب جنوری ۱۹۹۰ء جمادی الاخری ۱۴۱۰ھ میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا تھا، تب یہ اپنی جسامت وضخامت، ہر دو اعتبار سے قدرے چھوٹا تھا اور یہ ۱۸×۲۳/۸ کے چار سو صفحات پر مشتمل تھا، اب جب کہ آٹھ ساڑھے آٹھ سال کی عمر پانے کے بعد اس کا نقش ثانی مطلع علم وفکر پر طلوع ہو کر ۲۰×۳۰/۸ کے ۶۱۶ صفحات پر مشتمل نئے گیٹ اپ، خوب صورت جلد بندی اور طباعت کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اصحاب وفکر ودانش اور مسند نشینان تفقہ کی قلب ونظر کو ایک نئے آہنگ کے ساتھ اپنے مطالعہ کی دعوت دے رہا ہے اور اپنی نورانی کرنوں سے جویان تفقہ فی الدین کے لیے نور بصیرت کا سامان مہیا کر رہا ہے۔

آیئے! ہم عصر حاضر کے اس عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا کا تعارف کرتے اور سرسری جائزہ لیتے ہیں تاکہ اس کے تمام تر خدوخال اور نمایاں خصوصیات بیک نظر آنکھوں کے سامنے آجائیں۔

مزینات و تحسینات

صفحا کو فتاویٰ کے نام سے دیدہ زیب طغرے کی صورت سے مزین کیا گیا ہے۔

صفحہ۲ کو خالی چھوڑ دیا گیا ہے، جب کہ صفحہ نمبر۳ پر تسمیہ شریف کو ایک جاذب نظر بیل کی صورت میں لکھ کر اس کی تزئین کا اہتمام کیا گیا ہے۔

صفحہ۴ کو مشہور مدحیہ رباعی "بلغ العلی بکماله" سے زینت دی گئی ہے۔ خطاطی کچھ اس انداز سے کی گئی ہے کہ وہ خود بخود اپنا مفہوم واضح کرتی جاتی ہے۔ مصرعہ اول سب سے اوپر گول دائرے کی شکل میں، درمیان میں دوسرا اور تیسرا مصرعہ ذرا ترچھوں انداز میں جب کہ چوتھا مصرعہ جو درود پاک پر مشتمل ہے کو بھی گولائی میں لکھا گیا ہے۔

صفحہ۵ پر آیت نور "الله نور السموات و الارض" کو نکون کے انداز میں اس طرح لکھا گیا ہے کہ کلام الٰہی کے ایک ایک حرف سے نور کی کرنیں پھوٹتی نظر آتی ہیں، ساتھ ہی خطاط فتاویٰ ہذا نے کمال دانش مندی سے ۱۴۰۱ھ لکھ کر خطاطی کے اس نادر نمونے کی تاریخ کو بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ کرنے کا سامان مہیا کیا ہے۔

صفحہ۶ کی زیب و زینت کا اہتمام، استفتاء اور فتویٰ طلبی سے متعلق قرآن مجید میں ارشاد خداوندی "یستفتونک قل الله یفتیکم" کو بڑے ہی خوب صورت انداز میں لکھ کر کیا گیا ہے۔

صفحہ۷، یہ اس جلد کا اندرونی ٹائٹل ہے، جس کو کتاب کے نام کے علاوہ ابتداء میں تسمیہ اور مشہور آیت کریمہ "قد جاء کم من الله نور و کتاب مبین" مصنف فتاویٰ، مرتب و مدون فتاویٰ کا نام لکھ کر اس کی اشاعت کی سعادت حاصل کرنے والے علمی ادارے "شعبہ تصنیف و تالیف دارالعلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور، ضلع اوکاڑا" کا نام لکھ کر زیبائی بخشی گئی ہے۔

صفحہ۸ پرنٹ لائن پر مشتمل ہے، جس میں کتاب کی اشاعت سے متعلق مختصر تاریخ کو ضبط کیا گیا ہے۔

صفحہ۹ جلد چہارم کے نقش آغاز پر مشتمل ہے، جو صفحہ نمبر۱۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ نقش آغاز کی یہ تحریر صاحب فتاویٰ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا مفتی محمد محب الله نوری مدظلہ کے قلم اور اختصار نویسی کا ایک عمدہ شاہکار ہے۔ اس نقش آغاز میں فاضل مرتب نے زیر نظر جلد کا تعارف اور اس کی اشاعت کے سلسلہ میں رفقاء کار کی خدمات کا اعتراف کرنے اور ان کا شکریہ ادا کرنے کے علاوہ ان کے لیے دعائیہ کلمات لکھے ہیں۔ زیر نظر کتاب کا تعارف کراتے ہوئے موصوف کی مختصر نویسی کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

"زیر نظر جلد سرقہ (چوری)، دیت، قصاص، بیوع (خرید و فروخت)، ربو (سود)،

رہن (گروی)، دعویٰ، ثبوت نسب، حق پرورش، وصیت اور فرائض (احکام میراث) وغیرہ مسائل سے متعلق اٹھارہ ابواب وکتب پر مشتمل ہے.......... مجموعی طور پر اس جلد میں ۱۹۰، استفتاءات شامل کیے گئے ہیں''---[نقش آغاز، جلد۲، صفحہ نمبر۹]

صفحہ ۱۱ پر عنوان فہرست لکھا گیا ہے۔

صفحہ ۱۲ پوری کتاب کے مشتملات کی انتہائی مختصر فہرست دی گئی ہے، جس سے قاری بآسانی یہ جان لیتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کس صفحہ سے کس صفحہ تک ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

فہرست کتب وابواب	صفحہ ۱۳ تا ۱۴
فہرست مسائل	صفحہ ۱۵ تا ۵۰

صفحہ ۱۳ پر جلد ہذا کی مختلف کتب وابواب کی اجمالی فہرست دی گئی ہے، جس کے ذریعہ قاری کسی بھی مسئلہ کی تلاش کے لیے متعلقہ کتاب تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ فہرست ۱۳، ۱۴ دو صفحات پر محیط ہے۔

صفحہ ۱۵ سے اس عظیم علمی شاہکار کی مفصل اور جامع فہرست کا آغاز ہوتا ہے، جو صفحہ ۵۰ تک پھیلی ہوئی ہے، جس میں مختلف کتب اور ابواب کی تقسیم کی گئی ہے اور پھر ہر کتاب سے متعلق جملہ مختلف النوع مسائل کو صفحات کی قید لگا کر انتہائی عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے۔ یوں عام قاری کے لیے بھی کتاب سے استفادہ کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔

صفحہ ۵۱ سے ''سیدی فقیہ اعظم'' کے عنوان سے حضرت مصنف کے انتہائی لائق شاگرد پروفیسر خلیل احمد نوری صاحب کے قلم سے لکھا گیا ایک بڑا ہی وقیع، جامع اور معلومات افزا مضمون شامل اشاعت کیا گیا ہے، جس میں پروفیسر صاحب موصوف نے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کو مرجع العلماء ثابت کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ ان دیدہ ور اکابرین وعمائدین اہل سنت کا نام بنام تذکرہ کیا ہے، جو ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کو کمال قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کا تذکرہ حسین الفاظ و پیرایہ میں کرتے تھے اور حضرت مصنف کے مجتہدانہ کارناموں کا اعتراف و اقرار کرتے تھے۔ کلمات توصیف پر مشتمل اس مضمون میں صاحب مضمون نے مختصراً ان القابات و خطابات کا بھی ذکر کیا ہے جو فتویٰ طلب کرتے وقت مختلف بلند پایہ علمی شخصیات کی طرف سے آپ کے لیے لکھے گئے، مثلاً:

''فاضل اجل، مولانا الاکمل، علامۂ زمان، محقق دوراں، رأس المفسرین،

قطب عصر، استاذ العلماء اور محدث عرب وعجم وغیرہ" ---

حضرت سے استفتاء کرنے والی اپنے عہد کی چند نامور ہستیوں کے نام بھی اس مضمون کا حصہ ہیں۔ پروفیسر خلیل احمد نوری صاحب نے اس بات کا بھی خاص اہتمام کیا ہے کہ انہوں نے فتاویٰ نوریہ کی جملہ مجلدات کے مطالعہ کے بعد حاصل مطالعہ کے طور پر اس چیز کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ انتہائی اعلیٰ ظرف، وسیع المطالعہ، بے جا تعصب وتنگ نظری سے دور، کشادہ دل ودماغ، زمانے کے بدلتے ہوئے احوال ومقتضیات سے آشنا اور گروہ بندیوں سے آزاد ہو کر سوچنے والے بالغ نظر عالم تھے۔ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں انہوں نے فتاویٰ نوریہ ہی میں سے متعدد حوالے بھی نذر قرطاس کیے ہیں۔ اخبارات وجرائد کے تبصرہ جات اور مختلف اوقات میں مختلف شخصیات کی طرف سے فتاویٰ نوریہ سے متعلق آراء کا انتخاب بھی شامل مضمون ہے، یوں یہ معلومات افزاء مضمون صفحہ ۱۵ سے شروع ہو کر صفحہ ۷۰ تک چلتا ہے۔ آخری دو صفحات ۷۰، ۷۱ حوالہ جات کے لیے مختص ہیں، جن کی تعداد ۲۷ تک پہنچتی ہے۔

صفحہ ۷۲ پر ملک کے نامور نعت گو شاعر صوفی حافظ محمد افضل فقیر مرحوم کی ایک مدحیہ رباعی ہے، جو انہوں نے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہی تھی، ملاحظہ ہو۔

در فقاہت وجود نور اللہ
اہل دین را دلیل محکم بود
زاں سبب در افاضل امت
لقب او فقیہ اعظم بود [حافظ محمد افضل فقیر]

امتیازات و خصوصیات

فتاویٰ نوریہ کی جملہ مجلدات میں سے اس زیر نظر جلد کو کچھ ایسے امتیازات بھی حاصل ہیں جو دیگر جلدوں میں نہیں پائے جاتے یا اگر پائے جاتے ہیں تو کچھ مختلف انداز رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ اس جلد کے نقش ثانی میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً:

1 جلد چہارم کی اشاعت ثانی میں شامل جملہ کتب کا تعارف حضرت مصنف کے فرزند ارجمند حضرت علامہ مولانا مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ کے رواں، شستہ اور متین قلم سے ایسے جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ جو صرف علماء کے لیے ہی نہیں بلکہ عام لوگوں کے لیے بھی اپنے

اندر معلومات کا وسیع ذخیرہ سموئے ہوئے ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کسی بھی کتاب یا باب کا تعارف لکھتے ہوئے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے وہ خالص علمی و فکری ہے۔ مثلاً صفحہ ۷۵ سے کتاب سرقہ شروع ہوتی ہے تو اس کا تعارف کراتے ہوئے صفحہ ۷۷ پر قرآن مجید کی سورۃ المائدہ کی مشہور آیت کریمہ آیت سرقہ مع ترجمہ لکھی گئی، پھر صفحہ ۷۸ پر سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب ما یقطع فیہ السارق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث جو چوری کی سزا میں قطع ید پر حدیث شریف میں نص ہے، کو با ترجمہ لکھ کر صفحہ ۷۹ سے صفحہ ۸۴ تک کتاب السرقہ کا مفصل تعارف، دلائل و براہین کے ساتھ لکھا گیا ہے اور اس سلسلہ میں ان بعض حکمتوں کا تذکرہ انتہائی اختصار کے ساتھ کر دیا گیا، جن کے پیش نظر اسلام نے ایسی کڑی سزائیں تجویز کی ہیں۔

بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر کتاب کے شروع میں اس کا تعارف اپنی جگہ خود ایک مختصر مگر جامع علمی مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے، جو یقیناً مرتب فتاوی نوریہ حضرت صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری مدظلہ کی وسعت مطالعہ، وسیع النظری اور تفقہ پر ایک محکم دلیل ہے۔

تعارف کا جو اسلوب کتاب السرقہ میں اختیار کیا گیا ہے، کم و بیش جملہ کتب و ابواب جلد چہارم میں بھی وہی طریقہ و اسلوب اپنایا گیا ہے۔

2 پوری جلد کو اول تا آخر خوب صورت نقش نگاری سے بھی مزین کیا گیا ہے۔

جلد چہارم کے اہم مباحث

فتاوی نوریہ جلد چہارم مجموعی طور پر چودہ ابواب پر مشتمل ہے، جن میں سرقہ، دیت و قصاص، بیوع، ربا، رہن، دعوی، ثبوت نسب، حق پرورش، وصیت اور فرائض جیسے اہم موضوعات پر نصوص شرعیہ قرآن و سنت اور فقہ کے حوالے سے انتہائی قیمتی اور تحقیقی مواد جمع کیا گیا ہے، ان چودہ ابواب کے مشمولات کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

کتاب السرقۃ، صفحہ ۷۹-۸۴

اس باب میں کل دو استفتاءات کے جوابات شامل ہیں، جن میں چور کی شرعی سزا کا حکم روشن کر کے بیان کیا گیا ہے۔

دیت و قصاص، صفحہ ۹۹-۱۰۷

اس باب میں بھی کل دو فتاوی شامل ہیں، جن میں دیت یعنی خون بہا اور خود امر پر یہ حاصل

گفتگو کی گئی ہے۔

کتاب البیوع، صفحہ ۱۱۹-۱۲۵

۷ صفحات پر مشتمل اس باب میں کل ۱۰ استفتاءات اور ان کے تحقیقی جوابات شامل ہیں، جن میں لین دین کے روزمرہ کے مسائل پر مختلف صورتوں کا حکم شرعی انتہائی ژرف نگاہی اور عرق ریزی سے دیا گیا ہے، جو اس پیشہ سے وابستہ افراد کو کامل رہنمائی مہیا کرتے ہیں۔

کتاب الربٰو (سود)، صفحہ ۱۵۹-۱۶۹

سود کے مسائل سے متعلق اس باب میں ۳ استفتاءات کے ضمن میں ۸ سوالات کے جوابات شامل ہیں، جن میں بینکنگ اور انشورنس جیسے جدید مسائل پر بھی حضرت فاضل مصنف نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

کتاب الرھن (گروی رکھنا)، صفحہ ۱۸۳-۱۸۵

ایک دوسرے کے پاس کوئی چیز گروی رکھنے کا بیان، اس باب کا مرکزی مضمون ہے، اس باب میں کل ۷ استفتاءات کے عالمانہ جوابات شامل ہیں۔

کتاب الدعوی، صفحہ ۲۰۵-۲۰۷

دعوی سے متعلق اس باب میں ۶ استفتاءات اور ان کے محققانہ جوابات شامل ہیں۔

باب ثبوت النسب، صفحہ ۲۲۵-۲۳۵

ثبوت نسب کے بارے میں اس باب میں ۴ استفتاءات اور ان کے جوابات شامل ہیں۔

باب حضانۃ الولد (بچوں کی پرورش)، صفحہ ۲۳۷-۲۴۳

بچوں کی پرورش والدین میں سے کس کے ذمہ لازم ہوگی، جیسے اہم مسئلہ سے متعلق اس باب میں ۴ استفتاءات اور ان کے تحقیقی جوابات شامل ہیں۔

کتاب الوصایا (وصیت کا بیان)، صفحہ ۲۴۵-۲۶۰

اس کتاب میں کل ۴ استفتاءات اور ان کے تحت ۷ سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

کتاب الفرائض (قانون وراثت)، صفحہ ۲۶۱-۵۸۵

اس کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، جن میں قانون وراثت کے عنوان سے ۹۶ استفتاءات کے ذیل میں ۹۷ سوالات کے عالمانہ جوابات انتہائی تحقیق کے ساتھ ارقام

کیے گئے ہیں، جن میں مفقود الخبر جیسے اہم مسئلہ سمیت وراثت سے متعلق ۱۱۸ مسائل پر انتہائی محققانہ گفتگو کی گئی ہے، جو ۲۷۵ سے لے کر ۵۹۶ تک ۳۲۲ صفحات کو محیط ہے۔ اس کتاب میں شامل ابواب درج ذیل ہیں:

باب ذوی الفروض، صفحہ ۲۷۴-۳۴۶

اس باب میں کل ۴۳ر استفتاءات اور ان کے جوابات شامل ہیں، جن میں ۶۵ مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

باب العصبات، صفحہ ۳۴۷-۳۹۲

اس باب میں ۲۳ر استفتاءات شامل ہیں، جن میں ۳۶ مسائل کی وضاحت ہے۔

باب ذوی الارحام، صفحہ ۳۹۳-۴۰۶

اس باب میں ۴ر استفتاءات ہیں، جن میں ۹ مسائل پر بحث ہے۔

باب العول، صفحہ ۴۰۷-۴۱۸

عول سے متعلق یہ باب ۵ر استفتاءات کے جوابات پر محیط ہے، جن میں ۱۷ مسائل میراث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

باب الرد، صفحہ ۴۱۹-۴۲۶

اس باب میں ۳ر استفتاءات کے جوابات دیتے ہوئے ۶ مسائل وراثت پر قرآن و سنت کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

باب التصحیح، صفحہ ۴۲۷-۵۰۴

اس باب میں کل ۴۲ر استفتاءات اور ان کے جوابات شامل ہیں، جن میں ۵۵ مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

باب المناسخہ، صفحہ ۵۰۵-۵۸۶

اس باب میں کل ۳۱ر استفتاءات اور ان کے جوابات شامل ہیں، جن ۵۳ مسائل وراثت کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

باب مسائل شتی، صفحہ ۵۸۷-۵۹۶

یہ اس کتاب کا آخری باب ہونے کے علاوہ فتاوی نوریہ، جلد چہارم کی بھی آخری بحث

ہے، جس میں ۴۲ استفتاءات کے جوابات ہیں۔

جلد چہارم کے چند اہم اور نامور مستفتین

فتاویٰ نوریہ جلد چہارم کے سائلین کی کثیر تعداد بھی اہل علم ودانش پر مشتمل ہے، جن میں سے چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱..... حضرت مولانا نصیر الدین، درکن پورہ — صفحہ ۱۳۱،۱۳۹

۲..... حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب، بھیرہ شریف ضلع سرگودھا — صفحہ ۱۷۲

۳..... مولانا محمد رمضان محقق نوری، ضلع منٹگمری (حال ساہیوال) — صفحہ ۱۹۲

۴..... مولانا حافظ نذیر احمد نوری، گوجرانوالا — صفحہ ۲۷۴

۵..... مولانا حافظ سید مراتب علی شاہ، عارف والا — صفحہ ۵۰۱

نوٹ: اس جلد میں حضرت مصنف کا کوئی مستقل رسالہ شامل نہیں ہے۔

متفرقات

فتاویٰ نوریہ کی اس زیر نظر جلد میں جابجا اصول حدیث، رسم المفتی کے علاوہ فقہ کے دیگر کئی اہم مسائل پر بھی حضرت مصنف نے اپنی فاضلانہ رائے کا اظہار کیا ہے، جن کے مطالعہ سے حضرت ممدوح کی مختلف علوم وفنون میں مہارت وبصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

❁❁❁❁❁

فتاویٰ نوریہ جلد پنجم (۲۰×۳۰/۸)

جلد پنجم پر ایک نظر

فتاویٰ نوریہ جلد پنجم و ششم دونوں اکٹھی پہلی مرتبہ جولائی ۱۹۹۰ء بمطابق ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ اور دوسری مرتبہ نومبر ۱۹۹۳ء کو ۲۰×۲۶/۸ سائز پر ۵۹۲ صفحات میں منظر پر آگئیں۔ بعدازاں جنوری ۲۰۰۳ء/شوال ۱۴۲۳ھ میں زیرِ نظر تیسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ ۲۰×۳۰/۸ سائز پر جلد پنجم تو مستقل طور پر فتاویٰ نوریہ کی پانچویں جلد ہے، جب کہ جلد ششم کو تتمہ کی حیثیت حاصل ہے۔ دونوں جلدوں کے صفحات کی کل تعداد ۶۷۲ ہے۔ ہم یہاں ذیل میں دونوں جلدوں کا الگ الگ جائزہ لیتے ہیں۔

صفحہ ۱ طغریٰ فتاویٰ نوریہ، صفحہ ۲ خالی

صفحہ ۳ پر تسمیہ کی خطاطی کا کتبہ، جب کہ صفحہ ۴ پر مشہور رباعی بلغ العلیٰ بکمالہ درج ہے۔

صفحہ ۵ پر آیت کریمہ "اللہ نور السموات و الارض ...... الخ" کو خوب صورت طغرے کی صورت میں لکھا گیا ہے۔

صفحہ ۶ پر آیت قرآنیہ یستفتونک قل اللہ یفتیکم لکھی ہوئی ہے۔

صفحہ ۷ پر اندرونی ٹائٹل ہے، جس پر کتاب، صاحب کتاب، مرتب اور ناشر کے نام لکھے گئے ہیں، جب کہ صفحہ ۸ پرنٹ لائن پر مشتمل ہے۔

صفحہ ۹ تا صفحہ ۱۳، ''نقشِ آغاز'' کے نام سے پانچ صفحات پر مشتمل مرتب فتاویٰ حضرت صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری صاحب کے قلم سے لکھا ہوا ایک مضمون شامل کیا گیا ہے، جس میں پورے فتاویٰ نوریہ کے پس منظر، تاریخ تدوین اور بالخصوص جلد پنجم، ششم کے مندرجات کا ایک مختصر خاکہ انتہائی خوب صورتی سے بیان کر دیا گیا ہے۔

صفحہ ۱۴ پر حافظ محمد افضل فقیر کی کہی ہوئی رباعی ''در فقاہت وجود نور اللہ'' درج ہے۔

صفحہ ۱۵ پر عنوان ''فہرست'' ہے، جب کہ صفحہ ۱۶ پر مشمولات کی اجمالی فہرست دی گئی ہے۔

صفحہ ۱۷ سے ۴۷ تک ۳۱ صفحات جلد پنجم میں مذکورہ مسائل کی تفصیلی فہرست پر پھیلے ہوئے ہیں، جس میں تمام مندرجات کو مختلف عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

صفحہ ۴۸ پر جلد ششم کے مندرجات کی اجمالی فہرست دے دی گئی ہے۔

صفحہ ۴۹ سے ۶۰ تک گیارہ صفحات پر ممتاز عالم دین اور صاحب قلم حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب کے قلم سے حیات فقیہ اعظم پر لکھا گیا ایک مضمون ''یکتائے روزگار'' کے عنوان سے شریک اشاعت ہے، جس میں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی دینی، سیاسی اور سماجی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔

صفحہ ۶۱ سے فتاویٰ نوریہ جلد پنجم کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے، جو صفحہ ۲۸۶ تک پھیلا ہوا ہے۔ یوں گویا کہ فتاویٰ نوریہ کی جلد پنجم ۸/۲۰×۳۰ سائز کے ۲۲۶ صفحات کو محیط ہے، جن میں ۳۹۲ مسائل شرعیہ پر قرآن وسنت کے حوالے سے مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

جلد پنجم کی نمایاں خصوصیات

فتاویٰ نوریہ جلد پنجم کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

1. ہر باب کے آغاز میں اس کا تعارف بھی پیش کر دیا گیا ہے، جس کی بنیاد قرآن و سنت کے دلائل پر رکھی گئی ہے۔
2. اس جلد کے اکثر فتاویٰ خاصے طویل ہیں، جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس جلد میں کل ۲۴۲ استفتاءات کے جوابات شامل ہیں۔

جلد پنجم کے اہم مضامین و عنوانات

فتاویٰ نوریہ جلد پنجم کا تعلق باب العقائد سے ہے جیسا کہ اس کے مندرجات اور فاضل مرتب کے ان الفاظ سے بھی ظاہر ہے۔

''جلد پنجم عقائد، تفسیر، حدیث سے متعلق ابواب پر مشتمل ہے''---

[نقش آغاز، صفحہ۱۱]

چنانچہ اس میں مذکور اہم مضامین درج ذیل ہیں:

کتاب العقائد، صفحہ ۶۷-۱۸۵

کتاب العقائد میں کل ۲۴ استفتاءات کے انتہائی محققانہ جوابات دیے گئے ہیں اور مختلف مباحث کو ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

توحید، صفحہ ۶۷-۶۹

اس باب میں ذات و صفات باری تعالیٰ سے متعلق عقائد کو بڑے ہی دل نشین انداز میں جمع کر دیا گیا ہے۔ رسالت مآب ﷺ سے متعلق عقائد کو موجودہ دور کی اعتقادی ضروریات کے پیش نظر علیحدہ علیحدہ عنوان سے بیان کیا گیا ہے، مثلاً مسئلہ سایہ نورانیت مصطفیٰ ﷺ، عظمت مصطفیٰ ﷺ وغیرہ ہر ایک کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔

مسئلہ سایہ، صفحہ ۷۳-۸۵

امام الانبیاء حضور فخر المرسلین ﷺ کا سایہ مبارک نہ ہونے کا بیان قرآن و حدیث اور مستند کتب اسلاف سے اپنے موقف پر دلائل دیے گئے ہیں، اس فتویٰ کی حیثیت ایک مستقل رسالے کی ہے۔

صفحہ ۷۶ سے صفحہ ۸۰ تک وہ فتاویٰ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی کے ایمان سے متعلق ہے، جو دلائل و براہین کا جامع ہے۔

انار استمرار الکفار فی اضرار النار، صفحہ ۹۵-۱۲۴

فوت ہونے کے بعد قیامت میں کفار کے عذاب سے متعلق شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف منسوب ایک قول پر علمی تبصرہ اور عقیدۂ اہل سنت و جماعت کی نصوص قطعیہ شرعیہ سے تائید۔

مسائل ارواح، صفحہ ۱۳۷-۱۴۳

بعد از مرگ ارواح کی حیات سے متعلق اہل سنت والجماعت کے عقیدے کو بڑی عمدگی

کے ساتھ بادلائل بیان کیا گیا ہے۔

متفرقات

صفحہ ۱۴۴ سے ۱۸۴ تک عقائد سے ہی متعلق ۱۰ استفتاءات اور ان کے تحت متعدد سوالات کے علمی و تحقیقی جوابات درج کیے گئے ہیں۔

کتاب التفسیر، صفحہ ۱۸۷-۲۱۴

یہ کتاب بعض آیات قرآنیہ کی تفسیر سے متعلق ۱۳ استفتاءات کے مفصل جوابات پر مشتمل ہے اور سورۂ بقرہ کی تفسیر کے ذیل میں عقائد پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً

۱	عقیدے متعلقہ ذات رب العالمین	صفحہ ۲۰۵
۲	عقیدے متعلقہ حضرت محمد ﷺ	صفحہ ۲۰۶
۳	عقیدے قرآن پاک کے متعلق	صفحہ ۲۰۷
۴	حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر	ایضاً
۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر	ایضاً
۶	بنی اسرائیل کا بیان	صفحہ ۲۰۸
۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان	ایضاً
۸	حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر	ایضاً
۹	حضرت عزیر علیہ السلام کا بیان	ایضاً
۱۰	فرشتوں کا ذکر	صفحہ ۲۱۰
۱۱	ارکان اسلام کا بیان	ایضاً
۱۲	متفرقات	صفحہ ۲۱۱

کتاب السنۃ و الحدیث، صفحہ ۲۱۵-۲۸۶

حجیت حدیث کے موضوع پر حضرت فاضل مصنف فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی انتہائی علمی و تحقیقی اور فکری نوعیت کی منفرد تصنیف ہے، جس میں اکتیس آیات قرآنیہ اور سترہ احادیث مبارکہ سے بدلائل واضح کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی طرح حدیث نبوی ﷺ بھی معتبر اور قابل عمل ہے اور شریعت اسلامیہ میں ایک مستقل قانونی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس رسالہ میں مذکورہ دلائل کی تعداد ۲۸ ہے۔

صفحہ ۲۸۱ سے صفحہ ۲۸۴ تک چار صفحات پر ایک فتویٰ فضلات مبارکہ کی طہارت سے متعلق نہایت ہی نفیس تحقیق پر مشتمل ہے۔

جلد پنجم میں شامل مستقل رسائل

اس جلد میں حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درج ذیل مستقل رسائل بھی شامل ہیں:

۱ مسئلہ سایہ، صفحہ ۷۳-۸۵

حضور ختمی مرتبت ﷺ کا سایہ نہ ہونے سے متعلق ایک علمی و تحقیقی رسالہ۔

۲ انار استمرار الکفار فی اضرار النار، صفحہ ۹۵-۱۲۴

کفار کے ہمیشہ عذاب میں رہنے سے متعلق ایک زبردست علمی و تحقیقی مقالہ

۳ حدیث الحبیب، صفحہ ۲۲۱-۲۸۰

حجیت حدیث پر قرآن و سنت سے زبردست اور مسکت ۲۸ دلائل پر مشتمل فکر جدید کی فکری غلطی کا محاکمہ۔

جلد پنجم کے چند نامور مستفتین

اس جلد کے مستفتین کی اکثریت بھی اہل علم و دانش پر مشتمل ہے، چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱	مولانا محمد نصیر الدین رکن پوری	صفحہ ۷۳
۲	مولانا عبدالکریم، حجرہ شاہ مقیم	صفحہ ۱۲۴، ۱۲۷
۳	(پروفیسر) تاج محمد صدیقی، پشاور	صفحہ ۱۷۵
۴	مولانا قاضی غلام محمود، جہلم	صفحہ ۱۵۸، ۲۸۵
۵	مولانا مفتی محمد ضیاء الحبیب صابری	صفحہ ۱۹۱
۶	مولانا غلام مہر علی، چشتیاں	صفحہ ۲۸۴

✿✿✿✿✿

فتاویٰ نوریہ جلد ششم (۲۰×۲۶/۸)

جلد ششم پر ایک نظر

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ فتاویٰ نوریہ جلد پنجم اور ششم دونوں یک جا پہلی مرتبہ جولائی ۱۹۹۰ء/ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ میں جب کہ تیسری مرتبہ جنوری ۲۰۰۳ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئیں۔ جلد ششم جس کی حیثیت پہلی مطبوعہ جلدوں کے تتمہ کی ہے، اس کے صفحات کی کل تعداد ۳۲۸ ہے، جن میں ۱۸۳ استفتاءات کے ذیل میں درجنوں سوالات کے جوابات شامل ہیں، جن میں ۲۹۸ مسائل شرعیہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس جلد کے صفحات کی تقسیم حسب ذیل ہے:

نوٹ: دونوں جلدوں کے یک جا ہونے کی وجہ سے صفحات کے نمبر مسلسل چلتے ہیں، جن کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

صفحہ ۲۸۷، آغاز فتاویٰ نوریہ جلد ششم

صفحہ ۲۹۱ سے ۳۱۱ تک ۲۱ صفحات پر اس جلد کے مندرجات اور مذکورہ مسائل کی تفصیلی فہرست ابواب کی تقسیم کے ساتھ دی گئی ہے۔

صفحہ ۳۱۳ تا ۳۱۸، عنوان فتاویٰ نوریہ، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ پر مشتمل مختلف

کتبے لکھے گئے ہیں۔

صفحہ ۳۱۹ سے باقاعدہ اس جلد کا آغاز ہوتا ہے اور یہ سلسلہ نور صفحہ ۶۱۶ تک گویا کہ ۲۹۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

صفحہ ۶۱۹ سے صفحہ ۶۳۳ تک ان دونوں جلدوں میں شامل آیات قرآنیہ کی فہرست صفحات کی ترتیب کے اعتبار سے مرتب کی گئی ہے، جس سے اس جلد میں موجود کسی بھی آیت کا تلاش کرنا انتہائی آسان ہو گیا ہے۔

صفحہ ۶۳۴ سے صفحہ ۶۳۵ تک دونوں جلدوں میں درج احادیث مبارکہ کی فہرست ہے۔

صفحہ ۶۳۶ سے صفحہ ۶۵۲ تک، جلد پنجم کے ماخذ و مراجع کی تفصیلی فہرست دی گئی ہے۔

صفحہ ۶۵۳ سے ۶۶۰ تک، جلد ششم کے ماخذ و مراجع کی فہرست پر مشتمل ہیں۔

صفحہ ۶۶۱، یہ اختتامیہ ہے، جس میں ۶۶۳ سے لے کر ۶۶۶ تک مولانا محمد منشا تابش قصوری کے قلم سے لکھا ہوا ایک مضمون ''تکمیل آرزو'' کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے، جس میں فتاویٰ نوریہ کے مسودات کی تدوین سے لے کر اس کی اشاعت کے مختلف مراحل تک جن خوش نصیبوں نے اس بابرکت کام میں خدمت سرانجام دی، ان کے خلوص و خدمت کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔

صفحہ ۶۶۷ پر ممتاز نعت گو شاعر جناب قمر یزدانی کا تاریخی مادوں پر مشتمل نثری اور شعری خراج تحسین ہے۔

صفحہ ۶۶۸ سے ۶۷۰ تک فتاویٰ نوریہ کی تمام جلدوں کی اجمالی فہرست ہے۔

صفحہ ۶۷۱ پر صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری کے سفرنامہ مصر پر راقم کا تبصرہ ہے، جو ''العلماء'' لاہور، اکتوبر ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔

صفحہ ۶۷۲ پر صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی کے سفرنامہ عراق ''سفر محبت'' پر تبصرہ ہے۔

جلد ششم کے اہم عنوانات

کتاب الطہارۃ، صفحہ ۳۱۵ تا ۳۲۱

کتاب المساجد، صفحہ ۳۲۳-۳۶۰

اس میں کل ۱۳ استفتاءات اور متعدد سوالات کے جوابات بڑی تحقیق اور عرق ریزی سے دیے گئے ہیں۔ جن میں سمت قبلہ اور املاک مساجد کے مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

کتاب الصلوٰۃ، صفحہ ۳۶۱-۳۶۸

باب الاذان، صفحہ ۳۶۹-۳۷۶

اس باب میں کل تین استفتاءات اور جوابات شامل ہیں۔

باب الامامۃ، صفحہ ۳۷۷-۴۰۰

اس باب میں ۱۰ استفتاءات اور متعدد سوالات کے جوابات درج کیے گئے ہیں۔

باب ما تبطل بہ الصلوٰۃ و ما لا تبطل، صفحہ ۴۰۱-۴۱۷

اس باب میں کن امور سے نماز باطل ہوتی ہے اور کن سے نہیں، انتہائی تحقیقی انداز میں عربی زبان میں ایک فتویٰ شامل ہے، جس کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جس طرح سے اردو پر عبور حاصل تھا، عربی ادب پر بھی آپ کو اسی قدر قدرت حاصل تھی۔ افادۂ عام کے لیے ۷ (سات) صفحات پر پھیلے ہوئے اس عربی فتویٰ کا اردو ترجمہ بھی دے دیا گیا ہے، جو حضرت کے ہی تربیت یافتہ اور نواسے محترم مولانا حافظ محمد اسد اللہ صاحب کے قلم کا شاہکار ہے۔

باب التطوع، صفحہ ۴۱۹-۴۳۹

اس باب میں ۳ استفتاءات اور ان کے ذیل میں کئی سوالات کے جوابات شامل ہیں، جن میں نفلی نماز باجماعت ادا کرنے سے متعلق انتہائی محققانہ بحث کی گئی ہے۔ ۴۲۹ تا ۴۳۹ صفحات تک فجر کی سنتوں کی قضا کے بارے میں "رسالہ قضائے سنت فجر" کے نام سے ایک مستقل رسالہ بھی شامل ہے، جس میں اپنے کسی معاصر عالم دین کے فتویٰ پر خالص تحقیقی و علمی انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔

باب الجمعۃ و العیدین، صفحہ ۴۴۱-۴۴۷

باب ہذا میں عید کے روز خطبہ جمعہ کے پڑھے جانے سے متعلق دو تحقیقی فتاویٰ شامل ہیں۔

باب الجنائز، صفحہ ۴۴۹-۴۵۵

اس میں نماز جنازہ اور بعد از نماز جنازہ دعا مانگنے اور مسجد میں نماز پڑھے جانے سے متعلق بہت ہی تحقیقی فتاویٰ شامل ہیں، جن میں کئی سوالات کے جوابات بھی شامل ہیں۔

کتاب الزکوٰۃ، صفحہ ۴۵۷-۴۶۸

زکوٰۃ سے متعلق اس باب میں ۳، استفتاءات اور ان کے جوابات شامل ہیں۔

کتاب الصیام، صفحہ ۴۶۹-۴۷۸

اس باب میں رویت ہلال سے متعلق ایک استفتاء کا علمی وتحقیقی جواب شامل ہے۔

کتاب الحج، صفحہ ۴۷۹-۴۸۵

۶ صفحات پر مشتمل اس باب میں عورت کا عدت میں حج کے لیے جانے سے متعلق شرعی حکم بیان کیا گیا ہے۔

کتاب النکاح، صفحہ ۴۸۷-۵۰۲

نکاح سے متعلق اس باب میں ۵ر استفتاءات اور ان کے ضمن میں کئی سوالات کے جواب شامل ہیں۔

باب المحرمات، صفحہ ۵۰۳-۵۰۹

اس باب میں محرمات اوران سے نکاح کا حکم بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

باب المصاهرة، صفحہ ۵۱۱-۵۱۴

اس باب میں بھی مصاہرۃ سے متعلق ۲ر استفتاءات اور ۵ سوالات کے جوابات شامل ہیں۔

باب نکاح المعتدات و الحوامل، صفحہ ۵۱۵-۵۲۱

اس باب میں بھی ۳ر استفتاءات اوران کے ذیل میں ۷ سوالات کے جوابات ارقام کیے گئے ہیں۔

باب الرضاع، صفحہ ۵۲۳-۵۳۱

رضاعت یعنی بچے کو دودھ پلانے سے متعلق اس باب میں ۲ر استفتاءات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

باب الولی، صفحہ ۵۳۳-۵۴۰

۶ صفحات پر مشتمل اس باب میں بھی ۳ر استفتاءات کے جوابات رقم کیے گئے ہیں۔

باب الکفو، صفحہ ۵۴۱-۵۴۴

کفو سے متعلق اس باب میں بھی استفتاءات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

کتاب الطلاق، صفحہ ۵۴۵-۵۷۱

۲۲ صفحات پر مشتمل اس باب میں ۱۲ر استفتاءات اور ان کے ذیل میں کئی سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں، جن میں طلاق کے مختلف مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

الحظر و الاباحت، صفحہ ۵۷۳-۵۸۷

حظر واباحت سے متعلق اس باب میں جو ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے ۲ر استفتاءات شامل ہیں، جن

میں سے ایک میں مرد کے لیے ریشمی لباس یا سونے، چاندی کے استعمال سے متعلق ایک فتویٰ انتہائی تحقیقی مواد پر مشتمل ہے۔

متفرقات، صفحہ ۵۸۹-۶۱۵

مختلف مسائل حیات سے متعلق اس باب میں ۱۲ استفتاءات کے جوابات تحریر کیے گئے ہیں۔

جلد ششم کے چند مستفتین کے اسماء

اس جلد کے اکثر سائلین بھی اہل علم حضرات ہیں، جن میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

۱ مولانا سید فیض الحسن شاہ تنویر القادری، فقیروالی (بہاول نگر) صفحہ ۴۷

۲ مولانا ابوالطاہر محمد رمضان، کراچی صفحہ ۳۶۱

۲ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، بھیرہ شریف صفحہ ۴۷۳

۳ مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی، میمن مسجد کراچی صفحہ ۶۱۲

❋❋❋❋❋

باب-۲

تقابلی مطالعہ میں شامل کتب

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی (۱۲۷۵ھ-۱۳۴۷ھ)

''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے، دیوبندی مکتب فکر کا ایک نہایت مستند، معتمد علیہ فتاویٰ ہے۔ علماء دیوبند کے ہاں اس کے مندرجات میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں اگرچہ مختلف ادوار میں مختلف لوگ فتویٰ نویسی کا کام سرانجام دیتے رہے ہیں لیکن اس وقت ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے جو مستند اول ہے، وہ مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی عثمانی صاحب (۱۲۷۵ھ تا ۱۳۴۷ھ) کے لکھے ہوئے فتاویٰ پر مشتمل ہے، جس میں سے جلد ایک اور دو کو یک جا اور جلد گیارہ اور بارہ کو بھی یک جا شائع کیا گیا ہے۔ اس طرح کل بارہ اجزاء کو دس مجلدات پر حاوی فتاویٰ دیوبند کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ ان تمام مجلدات کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

جلد اول (کتاب الطھارۃ)

مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، ملتان پاکستان، سال طباعت درج نہیں کیا گیا۔

کل صفحات ۳۴۷

سائز ۸/۳۰×۲۰

اس پہلی جلد کے صفحات کے مندرجات کی تفصیل ملاحظہ ہو:

فہرست مضامین　　صفحہ ۳ تا ۲۴

پیش لفظ　　صفحہ ۲۵ تا ۵۰

پیش لفظ میں صاحب فتاویٰ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی کا سوانحی خاکہ لکھا گیا ہے۔

مقدمہ　　صفحہ ۵۱ تا ۱۱۴

مقدمہ میں فقہ وفتویٰ سے متعلق معلومات افزا مضمون شامل کیا گیا ہے، جس کے آخر میں دارالعلوم دیوبند میں فتویٰ نویسی کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فتاویٰ کا آغاز صفحہ ۱۱۵ سے کیا گیا ہے، پہلی کتاب ''کتاب الطہارۃ'' ہے، جو کل سات ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں مباحث کو مختلف فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱......الباب الاول فی الوضوء	چار فصلیں
۲......الباب الثانی فی الغسل	چار فصلیں
۳......الباب الثالث فی المیاہ	چار فصلیں
۴......الباب الرابع فی التیمم	کوئی فصل نہیں
۵......الباب الخامس فی المسح علی الخفین وغیرھما	کوئی فصل نہیں
۶......الباب السادس فی الحیض والنفاس وغیرھما	چار فصلیں
۷......الباب السابع فی الانجاس وتطہیرھا	دو فصلیں

جلد دوم　　کتاب الصلوٰۃ (ربع اول)

کل صفحات　　۲۶۸

سائز　　۲۰×۳۰/۸

فہرست　　صفحہ ۳ تا ۲۰

ابتدائی کلمات　　صفحہ ۲۱ تا ۲۴

آغاز مسائل کتاب الصلوٰۃ　　صفحہ ۲۵

یہ جلد کل چار ابواب پر مشتمل ہے۔

۱......الباب الاول فی المواقیت و ما یتصل بہا	دو فصلیں

۲......الباب الثانی فی الاذان — کوئی فصل نہیں

۳......الباب الثالث فی شروط الصلوٰۃ — چار فصلیں

۴......الباب الرابع فی صفۃ الصلوٰۃ — پانچ فصلیں

جلد سوم — کتاب الصلوٰۃ (ربع ثانی)

فتاویٰ دیوبند کی تیسری جلد کتاب الصلوٰۃ (ربع ثانی) پر مشتمل ہے، جس میں:

کل صفحات	۴۰۴
فہرست مضامین	۳تا۳۲
ابتدائی کلمات از مرتب	۳۲

زیر نظر جلد میں کل دو ابواب ہیں:

۱......باب الخامس فی الامامۃ — چھ فصلیں

۲......باب السادس فی الحدث فی الصلوٰۃ — کوئی فصل نہیں

جلد چہارم — کتاب الصلوٰۃ (ربع ثالث)

فتاویٰ کی جلد چہارم کتاب الصلوٰۃ ربع ثالث پر مشتمل ہے، جس میں کل آٹھ ابواب ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

کل صفحات	۴۹۲
تعارفی کلمات از مرتب	صفحہ۲
فہرست مضامین	صفحہ۳تا۳۲

تفصیل ابواب

۱......الباب السابع فیما یفسد الصلوٰۃ و ما یکرہ فیہا — دو فصلیں

مسائل زلۃ القاری اور مسائل مساجد بھی ان میں شامل ہیں۔

۲......الباب الثامن فی الوتر و النفل — چھ فصلیں

۳......الباب التاسع فی ادراک الفریضۃ — کوئی فصل نہیں

۴......الباب العاشر فی قضاء الفوائت — کوئی فصل نہیں

بعد از موت کفارہ نماز کے مسائل اسی میں ہیں۔

۵......الباب الحادی عشر فی سجود السهو	کوئی فصل نہیں
۶......الباب الثانی عشر فی سجود التلاوۃ	کوئی فصل نہیں
۷......الباب الثالث عشر فی صلوٰۃ المریض و المعذور	کوئی فصل نہیں
۸......الباب الرابع عشر فی صلوٰۃ المسافر	کوئی فصل نہیں

جلد پنجم کتاب الصلوٰۃ (ربع رابع)

فتاویٰ دارالعلوم کی پانچویں جلد جو کتاب الصلوٰۃ کے ربع رابع پر مشتمل ہے، جس میں کل ۴۷۸ صفحات ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

کل صفحات	۴۷۸
فہرست مضامین	صفحہ۵تا۳۱
کلمات مرتب	۳۲
مسائل وفتاویٰ	۳۳تا۴۷۸

یہ جلد کل دوابواب پر مشتمل ہے:

۱......الباب الخامس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ	کوئی فصل نہیں
۲......الباب السادس عشر فی صلوٰۃ العیدین	کوئی فصل نہیں
۳......الباب السابع عشر فی الاستسقاء	کوئی فصل نہیں
۴...... کتاب الجنائز	دس فصلیں

جلد ششم

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی چھٹی جلد جس کی ضخامت ۵۸۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج سے متعلقہ مسائل وفتاویٰ پائے جاتے ہیں، تفصیل صفحات حسب ذیل ہے:

کل صفحات	۵۸۴
فہرست مضامین	۳تا۲۸
کلمات مرتب	۲۹تا۳۰
آغاز فتاویٰ	۳۱تا۵۸۴

اس جلد میں کل ۲۳ باب شامل ہیں، تفصیل ملاحظہ ہو:

1 کتاب الزکوۃ

۱...... پہلا باب — شرائط وصفت زکوۃ — کوئی فصل نہیں
۲...... دوسرا باب — زکوۃ کی ادائیگی — کوئی فصل نہیں
۳...... تیسرا باب — جانوروں کی زکوۃ — کوئی فصل نہیں
۴...... چوتھا باب — سونا، چاندی اور نقد کی زکوۃ — کوئی فصل نہیں
۵...... پانچواں باب — سامان تجارت کی زکوۃ — کوئی فصل نہیں
۶...... چھٹا باب — عشر یعنی پیداوار کی زکوۃ — کوئی فصل نہیں
۷...... ساتواں باب — مصارف زکوۃ — کوئی فصل نہیں
۸...... آٹھواں باب — صدقہ فطر — کوئی فصل نہیں
۹...... نواں باب — متفرق مسائل زکوۃ — کوئی فصل نہیں

2 کتاب الصوم

۱...... پہلا باب — روزہ کی نیت، روزہ کی قسمیں اور اس کی حیثیت — کوئی فصل نہیں
۲...... دوسرا باب — رویت ہلال، اختلاف مطالع اور قول منجمین وغیرہ
۳...... تیسرا باب — یوم شک یعنی چاند نظر نہ آنے کی صورت میں تیس شعبان کا روزہ
۴...... چوتھا باب — وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا
۵...... پانچواں باب — وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوتی ہے
۶...... چھٹا باب — وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا و کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں
۷...... ساتواں باب — روزے کا کفارہ
۸...... آٹھواں باب — وہ صورتیں جن کی وجہ سے روزہ توڑنا یا نہ رکھنا درست ہے اور جن صورتوں میں روزہ واجب ہے
۹...... نواں باب — متفرقات یعنی روزے کے مختلف مسائل
۱۰...... دسواں باب — اعتکاف اور اس کے مسائل

3 کتاب المناسک

۱..... پہلا باب	حج کی فرضیت، کیفیت اور اس کی ادائیگی		
۲..... دوسرا باب	ارکان وواجبات حج	۳..... تیسرا باب	احرام
۴..... چوتھا باب	جنایات	۵..... پانچواں باب	حج بدل
۶..... چھٹا باب	زیارت مدینہ منورہ	۷..... ساتواں باب	متفرق مسائل

جلد ھفتم کتاب النکاح

یہ جلد جو کتاب النکاح کے نصف اول پر مشتمل ہے، اس کی ضخامت ۵۲۸ صفحات ہے، جن کی ترتیب کچھ یوں ہے:

فہرست مضامین	صفحہ ۳ تا ۳۸
کلمات مرتب	صفحہ ۳۹ تا ۴۰

اس جلد میں کل چار ابواب ہیں، جن کی مختلف فصلوں میں مجموعی طور پر ۸۶۹ مسائل وجزئیات فقہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ابواب حسب ذیل ہیں:

۱..... پہلا باب	نکاح کے ارکان، اس کے صحیح ہونے کی شرطیں اور اس کے انعقاد کی صورتیں
۲..... دوسرا باب	متعلقات نکاح
۳..... تیسرا باب	وہ عورتیں جن سے نکاح درست ہے
۴..... چوتھا باب	محرمات یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے

اس باب میں درج ذیل فصلیں ہیں:

پہلی فصل	حرمت نکاح بسبب نسب
دوسری فصل	حرمت نکاح بسبب مصاہرت
تیسری فصل	وہ عورتیں جن سے دودھ کے رشتہ کی وجہ سے نکاح حرام ہوتا ہے
چوتھی فصل	حرمت نکاح بسبب جمع بین المحارم
پانچویں فصل	حرمت نکاح بسبب اختلاف مذہب
چھٹی فصل	حرمت نکاح بسبب حق غیر
ساتویں فصل	حرمت نکاح بسبب طلاق
آٹھویں فصل	متفرق مسائل نکاح

جلد ہشتم

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی جلد ہشتم، کتاب النکاح نصف آخر پر مشتمل ہے، جس کے صفحات کی کل تعداد ۳۹۴ ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

فہرست مضامین	صفحہ ۳ تا ۳۰
کلمات مرتب	صفحہ ۳۱ تا ۳۲
مسائل وفتاویٰ	۳۳ تا ۳۹۴

اس جلد میں کل چھ ابواب ہیں:

۱.....پانچواں باب	نکاح میں ولایت کن لوگوں کو حاصل ہے	چار فصلیں
۲.....چھٹا باب	مسائل واحکام کفالت	
۳.....ساتواں باب	مسائل واحکام مہر	دو فصلیں
۴.....آٹھواں باب	ارتداد و کفر سے متعلق احکام ومسائل نکاح	
۵.....نواں باب	بیویوں میں عدل ومساوات اور حقوق الزوجین	
۶.....دسواں باب	آدمی کا دودھ پینے پلانے سے متعلق احکام ومسائل	

جلد نہم

فتاویٰ دیوبند کی نویں جلد کتاب الطلاق نصف اول پر مشتمل ہے اور ضخامت ۴۸۸ صفحات کی ہے۔ تفصیل درج ذیل:

فہرست	صفحہ ۳ تا ۳۱
کلمات مرتب	صفحہ ۳۲
آغاز مسائل	صفحہ ۳۳ تا ۴۸۷

اس جلد میں کل چار ابواب حسب ذیل ہیں:

۱.....باب اول	وقوع طلاق کی شرطیں، طلاق کب اور کیوں کردی جائے اور کس کی طلاق واقع ہوتی ہے اور کس کی نہیں۔
۲.....باب دوم	طلاق بذریعہ تحریر کن صورتوں میں واقع ہوتی اور کن صورتوں میں نہیں
۳.....باب سوم	طلاق صریح یعنی وہ الفاظ جن سے بلا نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے

اسی باب میں "تین طلاقیں اور ان سے متعلق احکام ومسائل" کے مباحث شامل ہیں اور "غیر مدخولہ بیوی کو طلاق اور اس سے متعلق احکام ومسائل" پر بھی بحث کی گئی ہے۔

۴...... چوتھا باب — کنایات یعنی ایسے الفاظ سے طلاق دینا جن میں دوسرے معنی کے ساتھ طلاق کا معنی بھی پایا جاتا ہو

جلد دھم

یہ جلد کتاب الطلاق نصف آخر پر حاوی ہے۔ صفحات کی کل تعداد ۳۵۲ ہے۔

اس جلد میں کل گیارہ ابواب ہیں:

جلد یازدھم

زیر نظر جلد میں ثبوت نسب، حضانت، نفقہ سے متعلق مباحث شامل ہیں اور اس کے کل

صفحات کی تعداد ۱۶۴ ہے، یہ جلد بھی دراصل کتاب الطلاق کا ہی تسلسل ہے۔

فہرست مضامین صفحہ ۳ تا ۱۲

کلمات مرتب صفحہ ۱۳ تا ۱۶

مسائل واحکام صفحہ ۱۷ تا ۱۶۴

اس جلد میں کل تین ابواب ہیں:

۱..... باب شانزدہم نسب سے متعلق احکام ومسائل

۲..... باب ہفدہم بچوں کی پرورش سے متعلق احکام ومسائل

۳..... باب ہشدہم نان ونفقہ سے متعلق احکام ومسائل

جلد دوازدھم

فتاوٰی دارالعلوم دیوبند کی آخری اور بارھویں جلد ۲۶۰ صفحات پر مشتمل ہے، جب کہ اس میں درج ذیل احکام پر بحث لائی گئی ہے:

۱..... کتاب الایمان و النذور ۲..... کتاب القصاص

۳..... کتاب الحدود ۴..... کتاب السیر

۵..... کتاب اللقطه

گویا کہ فقہ کی پانچ کتابوں سے متعلقہ احکام ومسائل اس جلد میں سمو دیے گئے ہیں۔ ۲۶۰ صفحات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ٹائٹل اور کریڈٹ پیج صفحہ ۱-۲

کلمات مرتب صفحہ ۳، ۴

فہرست مضامین صفحہ ۵

اس جلد میں کتاب الایمان، قصاص وحدود اور کتاب السیر کے حوالے سے مباحث شامل ہیں، مختصر جائزہ ملاحظہ ہو:

کتاب الایمان

۱..... قسم کھانے اور اس کے کفارہ سے متعلق احکام ومسائل

۲..... باب النذور، نذر ومنت ماننا اور اس سے متعلق احکام ومسائل

کتاب القصاص و الحدود

۳..... باب اول، قصاص، قتل اور زخمی کرنے سے متعلق احکام و مسائل

۴..... باب دوم، احکام زنا

۵..... باب سوم، حد سرقہ (چوری وغیرہ سے متعلق احکام و مسائل)

۶..... باب چہارم، حد شراب

۷..... باب پنجم، حد قذف

۸..... باب ششم، تعزیر

کتاب السیر

۱..... باب اول، دارالحرب و دارالسلام اور ان سے متعلق احکام و مسائل

۲..... باب دوم، عشر و خراج

۳..... باب سوم، جزیہ (اسلامی حکومت میں بسنے والے غیر مسلم اور ان سے متعلق احکام و مسائل)

۴..... باب چہارم، احکام مرتد

کتاب اللقطہ

۵..... گری پڑی چیزیں اور ان سے متعلق احکام و مسائل

قابل توجہ پہلو

ماخذ کے اعتبار سے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا یہ پہلو انتہائی قابل توجہ ہے کہ مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب نے اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ میں شاذ و نادر ہی کسی ماخذ کا حوالہ دیا ہے، ورنہ بالعموم انہوں نے اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی، حالانکہ اگر قدیم وجدید فتاویٰ جات کو دیکھا جائے تو ہر مفتی اپنے فتویٰ، موقف یا رائے کی بنیاد یا تائید کے لیے اسلاف کے اقوال کا بقید حوالہ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہے، لیکن فتاویٰ دیوبند میں اسلاف کے افتاء نویسی کے اس اسلوب سے انحراف و اعراض کیا گیا ہے تو اس کا سبب بھی صاحب فتاویٰ ہی جانتے ہوں گے۔ ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔

مرتب و محشی مفتی ظفیر الدین صاحب نے متن فتاویٰ میں پائے جانے والے اس نقص اور خامی کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ مرتب موصوف نے اکثر مقامات پر حاشیہ میں کسی بھی فتویٰ سے متعلق فقہاء کی رائے یا قول عربی عبارات بقید صفحہ و جلد نقل کرنے کی کامیاب کوشش کی

ہے، جس سے یقیناً فتاویٰ کے علمی وقار میں اضافہ ہوا ہے۔

مفتی ظفیر الدین مرتب فتاویٰ نے اپنے حواشی میں بالعموم جن کتب پر اعتماد کیا ہے، ان میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

۱......ردالمحتار مع الدرالمختار
۲......جمع الفوائد
۳......فتاویٰ عالمگیری
۴......الاشباہ والنظائر مع شرح حموی
۵......غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی
۶......کبیری
۷......شرح وقایہ
۸......عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ
۹......ہدایہ
۱۰......البحرالرائق
۱۱......بدائع صنائع
۱۲......سراجی شرح شریفیہ
۱۳......شرح شرعۃ الاسلام
۱۴......شرح الصدور

ان کتب کے علاوہ چند مقامات پر جامع ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح، تفسیر جلالین، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے حوالہ جات بھی ملتے ہیں۔ کتب فقہیہ میں سے اکثر اور عام طور پر فتاویٰ شامی پر اعتماد کیا گیا ہے، اس کا سبب بیان کرتے ہوئے خود مرتب موصوف لکھتے ہیں:

''یہی حال حوالہ کا ہے اگر وہ عام مشہور مسئلہ ہے یا کوئی عامی شخص پوچھتا تو حوالہ نہیں درج کرتے، ورنہ جگہ جگہ حوالہ بھی درج کرتے ہیں۔ اکثر آپ کے پیش نظر درمختار اور شامی ہے۔ مرتب نے بھی اسی وجہ سے بکثرت انہیں کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ کیوں کہ اکثر حوالہ جات میں لکھتے ہیں کہ درمختار یا شامی میں ایسا ہے''---[مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مقدمہ، جلد۱، صفحہ۱۱۳]

مولفین فتاویٰ

فتاویٰ دیوبند میں اگرچہ عام طور پر مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی کے لکھے ہوئے فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے لیکن ان کے علاوہ چند دیگر مفتیان دیوبند کے فتاویٰ بھی اس مجموعہ میں شامل کیے گئے ہیں، مگر یہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں۔ ذیل میں ان علماء کے صرف نام لکھنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے مثلاً مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا میرک شاہ اور مولانا قاضی مسعود احمد۔

✿✿✿✿✿
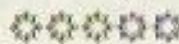
امداد الفتاویٰ

امداد الفتاویٰ کا مختصر تعارف

مولانا اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)

امداد الفتاویٰ مشہور دیوبندی عالم مولانا اشرف علی تھانوی کا مجموعہ فتاویٰ ہے، جو کل چھ مجلدات پر مشتمل ہے۔ یہاں راقم اپنی اس رائے کا اظہار کرنے میں کوئی باک نہیں سمجھتا کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا جتنا اونچا نام ہے اس میں اتنے دلائل اور علمی مواد نہیں۔ اس کے برعکس تھانوی صاحب کا مرتبہ فتاویٰ اپنے اندر دلائل کا وسیع خزانہ رکھتا ہے، قطع نظر اس کے کہ دلائل قوی ہیں یا کمزور۔ زیر نظر فتاویٰ جس کو مفتی محمد شفیع دیوبندی کراچی کی ترتیب جدید کے بعد شائع کیا گیا ہے، اس کا تعارف اور اہمیت خود مولانا تھانوی کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''یہ مجموعہ ہے بعض فتاویٰ کا جو احقر نے وقتاً فوقتاً مختلف سوالات پر لکھے ہیں، جس کے باعتبار احوال کی و بیشی نظر اس احقر کے تین حصے جدا جدا تھے۔

ایک وہ جو زمانہ طالب علمی دیوبند میں بامر استاذی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب لکھے گئے اور جن پر قریب قریب کل کے حضرت مولانا قدس سرہ کی تصحیح تھی اور یہ زمانہ ۱۳۰۱ھ کا ہے۔

دوسرے وہ جو زمانہ مدرسی کانپور میں لکھے تھے، جس وقت کہ کسی محقق کی صحبت نہ تھی اور عوام کی حالت کا تجربہ بھی کم اور یہ وقت ۱۳۱۵ھ کے اوائل تک کا ہے۔

تیسرے وہ جو قیام وطن میں لکھے ہیں، جب کہ گاہ گاہ شرف صحبت مقدام المحققین حجۃ اللہ علی العالمین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب سے ہوا تھا اور عوام کی حالت کا تجربہ بھی اضافۃً بڑھتا گیا۔ ہر چند کہ ان تینوں حصوں کی شان کا باہم ممتاز ہونا مقتضی اس کو تھا کہ جدا ہی جدا رہے مگر چوں کہ ان کی ترتیب بحسب حوادث تھی، ابواب پر وہ مرتب نہ ہوئے اور رغبت عام وسہولت تام تبویب میں دیکھی گئی'' --- [مقدمہ امداد الفتاویٰ، جلد ا، صفحہ ۲]

گویا کہ مولانا تھانوی کا یہ فتاویٰ صنادید دیوبند کا مصدقہ ہے۔ مولانا موصوف نے اس مجموعہ فتاویٰ کو اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام سے موسوم کرتے ہوئے اس کا نام 'امداد الفتاویٰ' رکھا، جیسا کہ خود بیان کرتے ہیں:

''اس مجموعہ کا نام اپنے مرشد علیہ الرحمہ کے اسم مبارک پر ''امداد الفتاویٰ'' جس کا لغوی معنی کے اعتبار سے بھی مناسب ہونا ظاہر ہے، رکھا گیا''۔۔۔۔[ایضاً، صفحہ ۳]

مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کے مرتب کردہ ''امداد الفتاویٰ'' کی مجلدات شائع کردہ مکتبہ دار العلوم کراچی مطبوعہ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء طبع چہارم کا جلدوار مختصر جائزہ حسب ذیل ہے:

امداد الفتاوی (جلد اول)

فتاویٰ کی پہلی جلد کے ابتدائی ۲۴ صفحات مقدمہ پر مشتمل ہیں، جب کہ ۶۰۸ صفحات مسائل و فتاویٰ پر محیط ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

۱..... مختصر سوانح حیات	صفحہ ۲ تا ۱۲
۲..... مقدمہ امداد الفتاویٰ طبع جدید مبوب از مفتی محمد شفیع	صفحہ ۱۳ تا ۱۸
۳..... فہرست مضامین امداد الفتاویٰ	صفحہ ۱۹ تا ۲۴
۴..... آغاز فتاویٰ مقدمہ از مولانا تھانوی	صفحہ ۲ تا ۴
۵..... مسائل و فتاویٰ	صفحہ ۵ تا ۶۰۸

اس جلد میں درج ذیل نو (۹) ابواب شامل ہیں اور ہر باب کو مختلف فصول میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱..... کتاب الطهارة	دو فصلیں
۲..... باب الماء الذی یجوز به الوضوء و مالا یجوز به	تین فصلیں
۳..... باب المسح علی الخفین و غیرهما	کوئی فصل نہیں
۴..... باب الحیض و النفاس و الاستحاضة	
۵..... نجاسات کے احکام اور پاکی کا طریقہ	دو فصلیں
۶..... کتاب الصلوة، اوقات نماز	
۷..... باب الاذان و الاقامة	
۸..... باب شروط الصلوة و صفتها	
۹..... الفتوی المتعلقه بالضا فیه کلام فی مواضع	

۱۰..... اس جلد کے آخر میں مرتب کی طرف سے مسئلہ ''مکبر الصوت'' سے متعلق ایک ضمیمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔

جلد دوم (طبع ہشتم، رجب ۱۴۱۳ھ)

یہ جلد مقدمہ کے چدرہ صفحات کے علاوہ ۳۲۲ صفحات پر مشتمل ہے، تفصیل حسب ذیل ہے:

۱...... کتاب الزکوٰۃ و الصدقات — تین فصلیں
۲...... کتاب الصوم و الاعتکاف
۳...... باب الاعتکاف
۴...... کتاب الحج
۵...... باب الاحرام و ارکان الحج
۶...... باب الحج عن الغیر
۷...... مسائل منثورہ متعلق بالحج

کتاب النکاح — **تین فصلیں**

۸...... باب الجهاز و المهر
۹...... باب المحرمات وغیرها
۱۰...... باب الاولیاء و الاکفاء
۱۱...... کتاب الطلاق — پانچ فصلیں
۱۲...... کتاب الحدود و التعزیر
۱۳...... کتاب الایمان
۱۴...... کتاب النذور
۱۵...... کتاب الوقف
۱۶...... ضمیمہ امداد الفتاویٰ چہارم

جلد سوم

فتاویٰ کی یہ جلد بشمول فہرست مضامین ۶۲۲ صفحات پر مشتمل ہے، جن میں سے ابتدائی اٹھارہ صفحات ۳ تا ۱۸ پر فہرست مضامین ہے، جب کہ اس میں حسب ذیل ابواب شامل ہیں:

۱ کتاب البیوع

اس کتاب میں اقالہ، بیع بالخیار، بیع سلم، بیع صرف، بیع فاسد، بیع بالوفا وغیرہ کے مسائل کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے مگر فصل بندی نہیں کی گئی۔ نیز اسی کے ذیل میں حوادث الفتاویٰ، جدید آلات اور جدید معاملات کے احکام سے متعلق بھی فتاویٰ شامل ہیں۔

۲ کتاب الربوٰ

اس کتاب میں رسالہ رافع الضنک من منافع البنک اور کشف الدجیٰ من وجہ الربوا دو رسالے شامل ہیں۔

۳...... کتاب الوکالۃ
۴...... کتاب الکفالۃ

۵..... كتاب الحوالة ۶..... كتاب الوديعة

۷..... كتاب الضمان ۸..... كتاب العارية

۹..... كتاب الاجاره ۱۰..... كتاب الدعوىٰ

۱۱..... كتاب الصلح ۱۲..... كتاب المضاربة

۱۳..... كتاب القضاء ۱۴..... كتاب الشهادة

۱۵..... كتاب الشفعه ۱۶..... كتاب الغصب

۱۷..... كتاب الرهن ۱۸..... كتاب الهبة

۱۹..... كتاب الشركة ۲۰..... كتاب الزراعة

۲۱..... كتاب الشرب ۲۲..... كتاب الذبائح و الاضحية و الصيد و العقيقة

جلد چهارم

امداد الفتاویٰ کی جلد چہارم کی ضخامت ۶۸۸ صفحات پر مشتمل ہے اور تقسیم کچھ یوں ہے:

فہرست مضامین صفحہ ۳ تا ۱۷

مسائل وفتاویٰ صفحہ ۱۸ تا ۶۸۶

اس جلد میں زیادہ تر حظر واباحت یعنی جائز و ناجائز اور مکروہ و مستحب امور سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ مضامین کا اجمالی جائزہ یہ ہے:

۱..... نماز، تسبیح، ذکر، دعا وغیرہ کے احکام ۲..... تعلیم و تعلم اور کتب و مدارس کے احکام

۳..... تعویذات و اعمال ۴..... النجاسة و الطهارة

۵..... کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان

۶..... ہدیہ اور دعوت کے متعلق احکام ۷..... احکام متعلقہ لباس

۸..... سونے، چاندی، پیتل، لوہے وغیرہ کا استعمال

۹..... کسب جائز و ناجائز و مکروہ ۱۰..... مال حرام و مشتبہ کے احکام

۱۱..... جائز و ناجائز و مکروہ افعال کا استعمال ۱۲..... نکاح اور منگنی وغیرہ

۱۳..... عورتوں کے پردے اور نظر ولمس وغیرہ کے احکام

۱۴..... زنا اور اس کے متعلقات ۱۵..... احکام متعلقہ علاج ودوا وغیرہ

۱۶...... بالوں کے حلق وقصر اور خضاب وغیرہ کے احکام

۱۷...... غنا ومزامیر اور لہو ولعب وتصاویر کے احکام ۱۸...... حقوق حیوانات ومتعلقات آں

۱۹...... تشبہ بالکفار ۲۰...... معاملات المسلمین باہل الکتاب والمشرکین

۲۱...... احکام سلام وتعظیم اکابر ۲۲...... مسائل متعلقہ طاعون ووبا

۲۳...... مسائل متفرقہ

۲ **کتاب الوصایا**

۳ **کتاب الفرائض**

۴ **مسائل شتی**

جلد پنجم طبع ہفتم (ربیع الاول ۱۴۱۳ھ)

فتاوی کی پانچویں جلد بشمول فہرست مضامین ۳۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

فہرست مضامین صفحہ ۳ تا ۱۰

مسائل وفتاوی صفحہ ۱۱ تا ۳۵۶

زیر نظر جلد کے ابواب کا سرسری جائزہ:

۱...... تفسیر قرآن کے متعلق مسائل ۲...... حدیث کے متعلق مباحث ومسائل

۳...... کتاب السلوک ۴...... کتاب الرویا

۵...... کتاب البدعات ۶...... کتاب العقائد والکلام

۷...... رسالہ ارسال الجود والی ارسال الجود

جلد ششم طبع ہفتم (۱۴۱۳ھ)

زیر نظر امداد الفتاوی کی چھٹی جلد جو فتاوی اشرفیہ کے نام سے بھی معروف ہے، اس کے کل صفحات کی تعداد ۳۳۶ ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

فہرست مضامین صفحہ ۳ تا ۴

مسائل وفتاوی صفحہ ۵ تا ۳۳۵

۱ **بقیة کتاب العقائد و الکلام**

اس جلد میں عقائد وکلام سے متعلق مسائل بیان کیے گئے ہیں بالخصوص نبوت وولایت سے

متعلقہ عقائد پر مولف نے اپنی تحقیق اور رائے کا اظہار کیا ہے۔ علاوہ ازیں قادیانیوں اور سرسید احمد خان کے مذہبی عقائد اور افکار پر اچھی علمی بحث کی گئی ہے۔

امداد الفتاویٰ کے چند اہم مآخذ

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ مولانا تھانوی کے فتاویٰ میں دلائل کا ذخیرہ موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں جن فقہی مآخذ پر اعتماد کیا ہے ان میں سے چند کتب کے نام درج ذیل ہیں:

۱..... قرآن مجید مع تفاسیر
۲..... فتاویٰ قاضی خان
۳..... الدر المختار
۴..... ہدایہ
۵..... صغیری شرح منیۃ المصلی
۶..... فتاویٰ عالم گیری
۷..... فتاویٰ تاتارخانیہ
۸..... مراقی الفلاح
۹..... طحاوی شریف
۱۰..... کتب صحاح و دیگر اسفار حدیث
۱۱..... خلاصۃ الفتاویٰ
۱۲..... البحر الرائق
۱۳..... فتح القدیر
۱۴..... بدایۃ المجتہد
۱۵..... بدائع الصنائع
۱۶..... شرح الطریقۃ المحمدیہ
۱۷..... سراجی شرح شریفیہ

امداد الفتاویٰ کی بعض اہم خصوصیات

۱ امداد الفتاویٰ کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ مولف نے زبان انتہائی سادہ اور سہل استعمال کی ہے۔ جس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک کم علم شخص بھی بآسانی اس سے راہنمائی لے سکتا ہے۔

۲ تحریر میں بالعموم اصلاح کا رنگ زیادہ غالب نظر آتا ہے۔

۳ مولف نے اپنے اساتذہ مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے اپنے فتاویٰ کی تصدیق و تائید اور توثیق کروانے کے علاوہ بعض فتاویٰ پر حسب ضرورت اپنے معاصر علماء جن میں ان کے تلامذہ بھی شامل ہیں ، سے بھی تائید و تصدیقی دستخط ثبت کروائے ہیں۔

۴ کسی بھی مسئلہ پر تحقیق کرتے ہوئے زیادہ مراجع کی طرف رجوع نہیں کیا گیا۔

✿✿✿✿✿

امداد الاحکام

امداد الاحکام کا مختصر تعارف

۱ مولانا ظفر احمد عثمانی

۲ مولانا عبدالکریم

امداد الاحکام دراصل مولانا اشرف علی تھانوی کے ''امداد الفتاویٰ'' کا تتمہ ہے، جو چار جلد وں پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ میں ۱۳۴۰ھ کے بعد کے لکھے گئے فتاویٰ شامل کیے گئے ہیں۔ اس کے مولف مولانا تھانوی کے دو انتہائی معتمد علیہ تلامذہ مولانا ظفر احمد عثمانی (۱۳۱۰ھ/۱۳۹۴ھ) اور مولانا عبدالکریم گمتھلوی (۱۳۱۵ھ-۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء) ہیں۔ امداد الاحکام اور اس کے مولفین کا مولانا تھانوی کی نظر میں کیا مقام تھا؟ یہ جاننے کے لیے ذیل کا بیان ملاحظہ ہو:

تمهید امداد الاحکام ضمیمه امداد الفتاویٰ

''بعد الحمد والصلوٰۃ عرض ہے کہ ۱۳۴۰ھ میں جب برخوردار مولوی ظفر احمد سلمہٗ بقصد قیام مستقل تھانہ بھون آئے تو منجملہ اور کاموں کے میں نے فتویٰ کا کام بھی ان کے سپرد کر دیا۔ کیوں کہ کثرت مشاغل کی وجہ سے مجھے کتابوں کی تلاش وتفتیش کی فرصت نہ ہوتی تھی۔ برخوردار سلمہٗ ہر اس فتویٰ کو جس میں کچھ بھی کسی حیثیت سے اہمیت ہوتی تھی، اول اول بالالتزام مجھے دکھا لیتے تھے اور معمولی فتویٰ خود لکھ دیتے تھے۔ خدا کے فضل سے فتاویٰ کے کام کو انہوں نے باحسن وجوہ انجام دیا اور بعد چندے جب دیکھا گیا کہ ماشاء اللہ فتاویٰ نہایت تحقیق سے لکھے جاتے اور بحمد اللہ ہر ہر پہلو پر نظر کافی ہو جاتی ہے تو پھر سب فتاویٰ کے دکھلانے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ ہاں پھر بھی اکثر فتاویٰ میں مجھ سے مشورہ کر لیتے تھے اور بعض فتاویٰ کو دکھلا بھی لیتے تھے۔ چناں چہ یہ مجموعہ جو جناب کے سامنے ہے ان ہی فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ اس میں اگرچہ سب میرے دیکھے

ہوئے نہیں ہیں مگر برخوردار سلمہٗ کے فتاویٰ پر بھی تقریباً ایسا ہی اطمینان ہے جیسا خود اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ پر۔ اس لیے اس کا نام "امداد الاحکام ضمیمہ امداد الفتاویٰ" تجویز کرتا ہوں وباللہ التوفیق (اشرف علی)" --- [امداد الاحکام، جلد ۱، صفحہ ۱۱]

اس لیے بقول مولانا تقی عثمانی:

"امداد الاحکام" کو در حقیقت "امداد الفتاویٰ" ہی کا ایک حصہ سمجھنا چاہیے اور اس پر ایسا ہی اعتماد کیا جا سکتا ہے جیسا خود حضرت حکیم الامت کے لکھے ہوئے فتاویٰ پر کیا جاتا ہے" --- [مقدمہ امداد الاحکام، جلد ۱، صفحہ ۹۶]

مولانا ظفر احمد عثمانی کا یہ فتاویٰ تقریباً آٹھ مجلدات پر مشتمل ہے لیکن ہمارے زیر مطالعہ اس کی صرف پہلی دو جلدیں ہی رہی ہیں اس لیے ذیل میں فقط ان دو کا ہی مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

امداد الاحکام، جلد اول، (سن اشاعت ندارد)

امداد الاحکام مفتی ظفر احمد عثمانی کی جلد اول کی ضخامت ۸۴۴ صفحات پر مشتمل ہے، جن میں سے آخری تین صفحات پر کتابوں کے اشتہارات ہیں، جب کہ دیگر کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱	فہرست مضامین	صفحہ ۳ تا ۲۲
۲	دیباچہ طبع اول	صفحہ ۲۳ تا ۲۴
۳	دیباچہ طبع دوم	صفحہ ۲۵ تا ۲۶
۴	مقدمہ	صفحہ ۲۷ تا ۹۳
۵	تعارف امداد الاحکام	صفحہ ۹۴ تا ۹۹
۶	تعارف مولانا ظفر احمد	صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۵
۷	تعارف مولانا عبد الکریم	صفحہ ۱۰۶ تا ۱۱۰
۸	تمہید امداد الاحکام از تھانوی	صفحہ ۱۱۱
۹	آغاز مسائل وفتاویٰ	۱۱۲ تا آخر

اس جلد میں درج ذیل کتب فقہ سے متعلق ابواب ومسائل شامل ہیں:

۱	كتاب الايمان	تین فصلیں
۲	كتاب التقليد و الاجتهاد	

۳	كتاب السنة و البدعة	
۴	كتاب العلم	تین فصلیں
۵	كتاب التفسير	
۶	كتاب ما يتعلق بالحديث و السنة	
۷	كتاب التصوف	
۸	كتاب الذكر و الدعا و التعويذات	
۹	كتاب السير و المناقب	
۱۰	كتاب الطهارة	دس فصلیں
۱۱	كتاب الصلوة	بیس فصلیں
۱۲	كتاب الجنائز	پانچ فصلیں

جلد دوم

امداد الاحکام کی جلد دوم ۸۹۹ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں درج ذیل کتب و ابواب سے متعلق مسائل وفتاوی بیان کیے گئے ہیں:

۱	كتاب الزكوة	
۲	باب زكوة مال التجارة	
۳	باب صدقة السوائم	
۴	باب العشر و الخراج	
۵	باب صدقة الفطر	
۶	باب المصارف	
۷	کمپنی کے شیئرز کی زکوۃ	
۸	كتاب الصوم	چھ فصلیں
۹	باب الاعتكاف	
۱۰	كتاب الحج	پانچ فصلیں
۱۱	كتاب النكاح	پانچ فصلیں

۱۲	باب الوکالۃ بالنکاح	تین فصلیں
۱۳	کتاب الطلاق	
۱۴	باب ایقاع الطلاق	تیرہ فصلیں
۱۵	باب العدۃ	دو فصلیں
۱۶	باب ثبوت النسب و مدۃ الحمل	
۱۷	کتاب الرضاع	
۱۸	باب الحضانۃ	
۱۹	کتاب النفقات	دو فصلیں

چند اہم مآخذ

مولانا ظفر احمد عثمانی کے مرتب کردہ فتاویٰ امداد الاحکام میں مسائل کی توضیح کے لیے مولانا تھانوی کے امداد الفتاویٰ کی نسبت دلائل زیادہ دیے گئے ہیں، اکثر مشترک ہیں۔

❁❁❁❁❁

فتاویٰ رشیدیہ

فتاویٰ رشیدیہ کا مختصر تعارف

مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۲۴۴ھ/۱۳۲۳ھ)

مولانا گنگوہی کا مرتب کردہ فتاویٰ رشیدیہ دیوبندی مکتب فکر کا اولین فتاویٰ ہے۔ یہ فقط ایک جلد مشتمل مختصر فتاویٰ ہے۔ یہ اختصار ظاہری ہی نہیں بلکہ دلائل ومواد کے اعتبار سے بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ کا علماء دیوبند کے ہاں کیا مقام ہے، اس کو جاننے کے لیے مفتی محمد شفیع دیوبندی کا درج ذیل بیان پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''حضرت گنگوہی قدس سرہ کے یہاں فتاویٰ کی کثرت تھی اور یہیں سے دار العلوم کے فتاویٰ کا ابتدائی دور شروع ہوتا ہے اور فقہ وفتاویٰ کے باب میں اس دور کی پوری جماعت میں سے حق تعالیٰ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ کو چن لیا تھا۔ اس زمانے کے تمام علماء ومشائخ فتویٰ کے باب میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کے فتاویٰ پر اعتماد کرتے تھے۔ احقر نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے خود سنا ہے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ، حضرت گنگوہی کو ابوحنیفہ عصر فرمایا کرتے تھے (بلفظہ اوکما قال) اور سیدی حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا اعتقاد وعمل بھی حضرت گنگوہی کے فتاویٰ کے ساتھ اسی طرز کا تھا۔

اور میرے استاذ محترم شیخ مشائخ العصر حضرت العلامہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری سابق صدر مدرس دار العلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ اب سے ایک صدی پہلے تک اس شان کا فقیہ النفس علماء کی جماعت میں نظر نہیں آتا۔ حضرت شاہ صاحب کی زبان سے فقیہ النفس کا لفظ متاخرین میں سے یا تو صاحب بحر الرائق کی نسبت سنا ہے اور یا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نسبت۔ یہاں تک کہ علامہ ابن عابدین شامی کے تبحر علمی کا

اعتراف کرنے کے باوجود ان کو فقیہ النفس نہ فرماتے تھے"---[تالیفات رشیدیہ، صفحہ ۱۵]

مولانا گنگوہی کا یہ فتاویٰ جو ان کی وفات کے بعد مختلف اطراف سے ان کے خطوط وغیرہ جمع کر کے ان کی مدد سے مرتب کیا گیا، ایک جلد پر مشتمل ہے، جس میں تین مختلف حصے ہیں۔ اس وقت ہمارے پیش نظر ادارہ اسلامیات ۱۹۰/انارکلی لاہور کا شائع کردہ ۱۹۹۲ء/۱۴۱۲ھ کا دوسرا ایڈیشن ہے، جو تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ مکمل مبوب کے نام سے شائع کیا گیا۔ اس مجموعہ میں فتاویٰ کے علاوہ مولانا کی ۱۳ رتالیفات جو دراصل چھوٹے رسائل ہیں، بھی شامل ہیں۔ ذیل میں فقط فتاویٰ رشیدیہ کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

کل صفحات	۴۹۸
سائز	۸/۲۰×۳۰

تفصیل کچھ یوں ہے:

۱	فہرست مضامین اجمالی تالیفات	صفحہ ۳ تا ۴
۲	عرض ناشر	صفحہ ۵، ۶
۳	مختصر سوانح مولف	صفحہ ۷ تا ۱۲
۴	مفصل فہرست مضامین فتاویٰ	صفحہ ۱۷ تا ۳۱
۵	فہرست مضامین تالیفات	صفحہ ۳۳ تا ۳۸
۶	آغاز فتاویٰ	صفحہ ۳۹ تا ۴۹۸

اب ذرا ایک نظر فتاویٰ رشیدیہ کے مضامین پر بھی ڈال لیں:

۱......كتاب الايمان و الكفر ۲......كتاب العقائد

۳......كتاب البدعات ۴......كتاب التفسير و الحديث

۵......كتاب العلم ۶......كتاب الاخلاق و التصوف

۷......تقلید اور اجتہاد کے مسائل ۸......ذکر و دعا و آداب قرآن و تعویذ کے مسائل

۹......حقوق کے مسائل ۱۰......آداب اور معاشرت کے احکام

۱۱......جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان

۱۲......طہارت کے مسائل اور وضو کا بیان

توجہ طلب پہلو

۱ فتاویٰ رشیدیہ کا یہ پہلو توجہ طلب ہے کہ پورے فتاویٰ میں کسی بھی کتاب کو ابواب و فصول میں تقسیم نہیں کیا گیا، البتہ ہر فتوے کی ابتداء میں اس کے مضمون کے مطابق ایک سرخی جلی قلم کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ جہاں تک دلائل کی بات ہے تو ان کی قلت قاری ایک ایک سطر کے مطالعہ سے محسوس کر سکتا ہے۔

۲ فتاویٰ کے تمام مشتملات کو مولانا کا فتویٰ قرار نہیں دیا جا سکتا کہ جو انہوں نے سائل کے جواب میں لکھا ہو بلکہ اس میں بہت سا مواد مولف کے ملفوظات پر بھی مشتمل ہے۔ لہٰذا انہیں فتویٰ قرار دینا قرین قیاس نہیں۔

۳ اس فتاویٰ کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کے ذہن پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ مولف بھی میر تقی میر کی طرح ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کی مفتیانہ تعلّی کے اسیر ہیں۔ اس لیے وہ اسلاف میں سے کسی کا قول یا رائے نقل کرنے کی بجائے عام طور پر ''فقط رشید احمد'' لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

کفایت المفتی

کفایت المفتی کا مختصر تعارف

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (م ۱۳ ربیع الثانی / ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء)

"کفایت المفتی" مشہور دیوبندی عالم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی کا مجموعہ فتاویٰ ہے، جس کو مولانا موصوف کے بیٹے مولوی حفیظ الرحمٰن واصف سابق مہتمم مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی نے خاصی محنت کے ساتھ جمع کیا ہے، جس کو نو مجلدات میں مکتبہ امدادیہ ملتان نے شائع کیا ہے۔ مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی کا یہ فتاویٰ بھی دیوبندی مکتب فکر کا نمائندہ اور معتمد علیہ فتاویٰ ہے۔ سیاسی طور پر موصوف کا تعلق جمعیت علماء ہند کے اس گروہ کے ساتھ تھا جو کانگریس کا ہم نوا اور قیام پاکستان کا سخت ترین مخالف تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے فتاویٰ میں بھی مسلمانان ہند کو ہندو کانگریس میں شامل ہونے کا مشورہ دیا اور ہر ممکنہ طریقے سے مسلم لیگ کی مخالفت کی۔ ذیل میں صرف دو فتوے نقل کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

سوال (۱) ووٹ کس کو دینی چاہیے، مسلم لیگ کو یا حسین احمد صاحب مدنی کو؟

(۲) ووٹ اگر مسلم لیگ کو دیا جائے تو ایمان، مذہب اور برادران اسلام کو کوئی نقصان تو نہیں۔

(۳) آپ کے چند فتوے لیگ کے موافق اور چند جمعیت علماء کے موافق ہیں، آیا کون سا فتویٰ ٹھیک ہے۔

(۴) اگر ووٹ حسین احمد مدنی کو دی جائے تو کوئی مذہبی یا قومی نقصان تو نہیں ہے؟

(۵) آپ کون سی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے خیال و مقاصد کیا ہیں؟

المستفتی احسان اللہ ٹھیکیدار، ضلع میرٹھ

جواب (۱) مولانا حسین احمد مدنی کے فرمان کے موافق ووٹ دیے جائیں۔

(۲) مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔

(۳) لیگ کے موافق کون سا فتویٰ ہے؟

(۴) مسلمانوں کا اس میں ان شاء اللہ فائدہ ہوگا کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ارشاد کے موافق ووٹ دیا جائے۔

(۵) میں جمعیت علمائے ہند میں شامل اور علماء کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کانگریس میں شرکت سے متعلق مفتی کفایت اللہ دہلوی کا ارشاد ملاحظہ ہو:

سوال: اخبار زمزم، مورخہ ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۴۵ء میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ میں کانگریس کا ممبر ہوں، فیس ممبری دیتا ہوں، جلسوں میں شریک ہوتا ہوں اور میری خواہش اور تمنا ہے کہ تمام مسلمان کانگریس میں داخل ہو جائیں۔ تو جناب سے دریافت ہے کہ جناب بھی مثل حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے ممبر کانگریس ہیں؟ اور جمعیت علماء کے سب یا اکثر لوگ کانگریس کے ممبر ہیں یا نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ ہم لوگ بھی باد ائیگی فیس ممبر بن جائیں یا نہیں؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ کانگریس میں شریک ہو کر کثرت رائے کی حمایت کرنا یا کثرت رائے کی تعمیل مسلمان کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی حکیم محمد نصیر الدین محمد آباد ضلع اعظم گڑھ

جواب: میں کانگریس کا ممبر نہیں ہوں مگر مسلمانوں کے لیے کانگریس کی شرکت اور ممبری جائز سمجھتا ہوں۔ بہت سے جمعیت العلماء کے لوگ اس کے ممبر ہیں، مولانا سید حسین احمد صاحب بھی کانگریس کے ممبر ہیں۔ جو مسلمان کانگریس میں شریک ہو کر ممبر بن جائیں ان کے لیے یہ جائز اور بہتر ہے، کانگریس ہندوستانیوں کی ایک مشترک قومی جماعت ہے۔ اس میں سب ہندوستانیوں کو شریک ہونا جائز ہے اور کام کرنا مفید ہے۔ [کفایت المفتی، جلد ۹، صفحہ ۳۳۶-۷]

بہر کیف زیر نظر کفایت المفتی کا اگر فتاویٰ دار العلوم دیوبند مولفہ مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی کے ساتھ تقابل و تجزیہ کیا جائے تو اس میں اس کی نسبت دلائل قدرے زیادہ نظر آتے ہیں۔ بایں وجہ اگر اس کو فتاویٰ دار العلوم پر فوقیت دی جائے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ ذیل میں جلد وار

مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

جلد اوّل

کل صفحات	۳۷۶
فہرست مضامین	صفحہ ۲،۳
دیباچہ	صفحہ ۶ تا ۱۳
تاریخ تکمیل مسودہ	صفحہ ۱۴، (منظوم)
مسائل و فتاویٰ	صفحہ ۱۵ تا ۳۷۶

کتاب الایمان و الکفر

پہلا باب	دار الاسلام اور دار الحرب
دوسرا باب	اسباب نجات
تیسرا باب	موجبات کفر
چوتھا باب	مسئلہ ارتداد
پانچواں باب	اہل کتاب
چھٹا باب	متفرق مسائل

کتاب العقائد

پہلا باب	اللہ تعالیٰ
دوسرا باب	انبیاء علیہم السلام
تیسرا باب	ملائکہ علیہم السلام
چوتھا باب	معجزات و کرامات
پانچواں باب	قرآن مجید اور دیگر کتب سماویہ
چھٹا باب	خلیفہ، امام، امیر
ساتواں باب	تقدیر و تدبیر
آٹھواں باب	اختلافی مسائل (دس فصلیں)
نواں باب	بدعات اور اقسام شرک

دسواں باب	کائنات عالم
گیارھواں باب	ذات پات، نسل، قبیلہ
بارھواں باب	معاصی اور توبہ
تیرھواں باب	مختلف فرقے (سات فصلیں)
چودھواں باب	تقلید واجتہاد
پندرھواں باب	متفرقات

اس جلد کے آخر میں صفحہ ۳۶۷ سے ۳۷۲ تک چھ صفحات پر علمی اصطلاحات کی ایک فہرست دی گئی ہے، جو ایک خاصے کی چیز ہے، جس کا مطالعہ علماء، طلباء اور عام قارئین کے لیے بڑا مفید ہے۔

جلد دوم

کل صفحات	۲۹۶
فہرست مضامین	۳ تا ۴
دیباچہ	۵
آغاز فتاویٰ	۶ تا آخر صفحہ ۲۹۶

تفصیلی جائزہ اس طرح ہے:

کتاب العلم

پہلا باب	دینی تعلیم اور تبلیغ	دو فصلیں
دوسرا باب	تعلیم کے آداب واحکام	دو فصلیں
تیسرا باب	تعلیم زناں	
چوتھا باب	متفرقات	

کتاب السلوک و الطریقۃ

پہلا باب	اذکار واشغال	چار فصلیں
دوسرا باب	پیری مریدی	دو فصلیں
تیسرا باب	متفرقات	

کتاب التفسیر و التجوید

کتاب الحدیث و الآثار

کتاب التاریخ و السیر

کتاب الجهاد

کتاب الحدود و الجنایات

پانچواں باب	قتل اور خودکشی	
چھٹا باب	سرقہ (چوری)	
ساتواں باب	بدکاری وزنا	
آٹھواں باب	متفرقات	

کتاب الاکراہ و الاضطرار

پہلا باب	مجبوری میں ارتکاب کفر	
دوسرا باب	بے چارگی میں ارتکاب کفر	

کتاب اللقیط و اللقطۃ

پہلا باب	پڑی ہوئی چیز پانا	

کتاب الیمین و النذور

پہلا باب	عہد و پیمان اور حلف	دو فصلیں
دوسرا باب	منت ماننا	

کتاب القضاء و الافتاء

پہلا باب	جج یا ثالث بنانا	
دوسرا باب	عہدۂ قضا	
تیسرا باب	دعویٰ اور گواہی	
چوتھا باب	منصب افتاء	

کتاب الطھارۃ

پہلا باب	حوض اور کنوئیں کے احکام	
دوسرا باب	انسان اور اس کے عوارض	پانچ فصلیں
تیسرا باب	برتنوں اور کپڑوں کی پاکی	
چوتھا باب	صابون وغیرہ	
پانچواں باب	متفرقات	

کتاب الختان و الخفاض

ختنہ کے مسائل واحکام

جلد سوم

کل صفحات	۴۴۸
فہرست مضامین	۳تا۲
دیباچہ	۴
آغاز فتاویٰ	۵تا آخر ۴۴۸

اس جلد میں درج ذیل کتب وابواب شامل ہیں:

کتاب الصلوٰۃ

پہلا باب	اذان وتکبیر	
دوسرا باب	اوقات نماز	
تیسرا باب	امامت وجماعت	دو فصلیں
چوتھا باب	مسجد وعیدگاہ کے آداب واحکام	بیس فصلیں
پانچواں باب	نماز جمعہ	دس فصلیں
چھٹا باب	نماز عیدین	
ساتواں باب	سنن ونوافل	چھ فصلیں
آٹھواں باب	دعا بعد نماز	
نواں باب	مسافر کی نماز (قصر)	
دسواں باب	قضا نمازیں	
گیارھواں باب	نماز وتر اور دعائے قنوت	
بارھواں باب	نماز تراویح	
تیرھواں باب	سجدۂ تلاوت اور نفل سجدہ	
چودھواں باب	سجدۂ سہو	
پندرھواں باب	رکوع وسجدہ اور قعدہ	
سولہواں باب	نماز کی ہیئت اور طریقہ	
سترھواں باب	مستحبات نماز	

اٹھارہواں باب	مفسدات ومکروہات نماز	
انیسواں باب	مدرک، مسبوق، لاحق	
بیسواں باب	قنوت نازلہ	
اکیسواں باب	قراءۃ اور تلاوت	
بائیسواں باب	فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین، آمین بالجہر، بسم اللہ بالجہر	
تیئیسواں باب	ستر عورت	
چوبیسواں باب	متفرقات	

گویا کہ اس جلد میں کل ۲۴ ر ابواب ہیں اور مجموعی طور پر ۳۸ مختلف فصلیں ہیں، جن میں نماز سے متعلق پہلوؤں سے متعلق مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

جلد چہارم

کفایت المفتی کی جلد چہارم جو کتاب الجنائز، کتاب الصوم اور کتاب الحج پر مشتمل ہے، اس کے کل صفحات کی تعداد ۳۴۲ ہے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

فہرست مضامین	صفحہ ۳ تا ۴
آغاز فتاویٰ	صفحہ ۵ تا ۳۴۲

فتاویٰ کی اس جلد میں درج ذیل ابواب شامل ہیں:

کتاب الجنائز

پہلا باب	توبہ دم واپسیں	
دوسرا باب	میت کی تجہیز وتکفین وغیرہ	سات فصلیں
تیسرا باب	نماز جنازہ	
چوتھا باب	رسوم مروجہ متعلقہ میت	دو فصلیں
پانچواں باب	فدیہ صوم وصلوٰۃ اور حیلۂ اسقاط	
چھٹا باب	زیارت قبور اور عرس وغیرہ	
ساتواں باب	شہید کے احکام	
آٹھواں باب	پوسٹ مارٹم	

چوتھا باب	پیدل جانا	
پانچواں باب	ناجائز روپے سے حج کرنا	
چھٹا باب	نفلی حج	
ساتواں باب	مناسک حج	دو فصلیں
آٹھواں باب	متفرقات	

فرہنگ و اصطلاحات

گویا کہ اس باب میں کل ۳۵ ابواب اور ۱۶ فصلیں ہیں۔ صفحات کی تعداد اگرچہ ۳۴۲ ظاہر کی گئی ہے مگر امر واقعہ میں فہرست مضامین جو دو صفحات پر مشتمل ہے، کے بعد ایک صفحہ دیباچہ پر مشتمل ہے اور اس پر صفحے کا نمبر ۱۵ لگایا گیا ہے، گویا کہ ۱۲ صفحات زیادہ شمار کیے گئے ہیں۔ اگر ان کو نکال دیا جائے تو اس جلد کے کل صفحات ۳۳۹ بنتے ہیں۔

جلد پنجم

کفایت المفتی کی جلد پنجم کتاب النکاح اور کتاب الحجاب پر مشتمل ہے۔ صفحات کی کل تعداد ۴۴۰ ہے، لیکن جلد چہارم کی طرح اس کا آغاز بھی صفحہ ۱۶ سے ہوتا ہے، جب کہ پہلے پندرہ صفحے غائب ہیں۔ اگر ان کو نکال دیا جائے تو پھر اس جلد کے صفحات کی تعداد ۴۲۵ بنتی ہے۔ اس زیر نظر جلد میں درج ذیل فقہی ابواب کو شامل کیا گیا ہے۔

کتاب النکاح

پہلا باب	نکاح کس سے جائز اور کس سے حرام (محرمات)
دوسرا باب	منگنی (خطبہ)
تیسرا باب	اذن لینا (استیذان)
چوتھا باب	ولایت اور خیار بلوغ
پانچواں باب	ایجاب وقبول
چھٹا باب	مہر، جہیز، چڑھاوا وغیرہ
ساتواں باب	نکاح کے وکیل اور گواہ
آٹھواں باب	عقد نکاح اور اس کا مسنون طریقہ

نواں باب	دعوت ولیمہ وغیرہ
دسواں باب	رضاعت اور حرمت رضاعت
گیارھواں باب	حرمت مصاہرت
بارھواں باب	کفارہ، مذہبی واخلاقی ونسبی وغیرہ
تیرھواں باب	نفقہ وسکونت
چودھواں باب	حقوق زوجین
پندرھواں باب	حقوق والدین واولاد
سولہواں باب	ثبوت نسب
سترھواں باب	تعدد ازدواج
اٹھارواں باب	ضبط تولید (برتھ کنٹرول)
انیسواں باب	متبنیٰ (منہ بولا بیٹا)
بیسواں باب	نکاح زانی وزانیہ
اکیسواں باب	نکاح باطل اور فاسد
بائیسواں باب	متفرق مسائل

کتاب الحجاب

پردے کے احکام وحدود

جلد ششم

فتاویٰ کی جلد ششم جو کتاب الطلاق پر مشتمل ہے، اس میں بھی اگرچہ صفحات کی تعداد ۴۴۰ ہی ظاہر کی گئی ہے، مگر آغاز صفحہ نمبر ۱۶ سے ہوتا ہے اور ابتدائی پندرہ صفحات غائب ہیں۔ اس کی وجہ سبب کیا ہے، اس کا جواب تو ناشر ہی دے سکتا ہے، ہم اپنے تبصرے کو محفوظ رکھتے ہیں۔ بہر کیف اس جلد کو کتاب الطلاق سے متعلق انیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، تفصیل حسب ذیل ہے:

کتاب الطلاق

پہلا باب	ایقاع ووقوع طلاق	اکیس فصلیں
دوسرا باب	فسخ وانفساخ	سترہ فصلیں

تیسرا باب	خلع	
چوتھا باب	مرتدہ اور مرتد	دو فصلیں
پانچواں باب	مفقود الخبر	
چھٹا باب	عنین	
ساتواں باب	تحریری طلاق	
آٹھواں باب	طلاق بالاکراہ (جبراً طلاق دلوانا)	
نواں باب	لعان	
دسواں باب	تعلیق (شرط کے ساتھ طلاق دینا)	
گیارھواں باب	تفویض (طلاق کا حق دوسرے کو دے دینا)	
بارھواں باب	طلاق مغلظہ اور حلالہ	
تیرھواں باب	طلاق بائن اور رجعی	
چودھواں باب	مجنون اور طلاق مجنون	
پندرھواں باب	عدت اور نفقۂ عدت	
سولھواں باب	حضانت (حق پرورش اولاد)	
سترھواں باب	ایلاء (صحبت نہ کرنے کی قسم کھالینا)	
اٹھارھواں باب	ظہار (زوجہ کو ماں کے ساتھ تشبیہ دینا)	
انیسواں باب	متفرقات	

گویا یہ جلد انیس ابواب اور چالیس فصلوں پر مشتمل ہے۔

جلد ہفتم

فتاویٰ کی جلد ہفتم کتاب الوقف اور کتاب المعاش سے متعلق ہے۔ تعداد صفحات اگرچہ ۴۳۰ ہی ظاہر کی گئی ہے مگر ابتدائی پندرہ صفحات غائب ہیں، گویا کہ اصل صفحات کی تعداد ۴۲۵ ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

کتاب الوقف

پہلا باب	مسجد کی بناء و تعمیر	تیرہ فصلیں
دوسرا باب	دینی مدارس	چار فصلیں

تیسرا باب	عیدگاہ
چوتھا باب	مقبرہ اور قبرستان
پانچواں باب	تولیت وانتظام
چھٹا باب	جواز وصحت وقف
ساتواں باب	مصارف وقف
آٹھواں باب	تصرف فی الاوقاف
نواں باب	وقف علی الاولاد
دسواں باب	متفرقات

کتاب المعاش

پہلا باب	نوکری، اجرت کرایہ
دوسرا باب	زراعت وباغ بانی
تیسرا باب	حمالی ومزدوری
چوتھا باب	مختلف پیشے
پانچواں باب	رشوت، چور بازاری، پگڑی لینا
چھٹا باب	کاروبار کی تعطیل
ساتواں باب	فاحشہ کا کمایا ہوا مال

گویا کہ اس زیر نظر جلد میں سترہ ابواب اور سترہ ہی فصلیں ہیں۔ اس جلد کے آخر میں بھی بعض علمی اصطلاحات کی ایک فرہنگ دی گئی ہے۔

جلد ھشتم

کفایت المفتی کی جلد ہشتم مختلف گیارہ کتب فقہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔ تعداد صفحات ۴۶۲ اگرچہ ظاہر کی گئی ہے مگر چار صفحات فہرست مضامین کے شامل کر لیے جائیں تو پھر بھی صفحات کی تعداد ۴۶۱ بنتی ہے، جس میں درج ذیل کتب وابواب شامل ہیں:

کتاب البیوع

پہلا باب	بیع باطل اور بیع فاسد

کتاب الربو

کتاب الصرف

کتاب الشرکة و المضاربة

دوسرا باب	چرم قربانی کے مصارف	
تیسرا باب	ما أهلّ به لغير الله	
چوتھا باب	شکار	
پانچواں باب	عقیقہ	
چھٹا باب	ذبیحہ	دس فصلیں

كتاب الفرائض

پہلا باب	میراث کے احکام	پانچ فصلیں
دوسرا باب	تقسیم ترکہ	
تیسرا باب	متفرقات	

كتاب الوصية

پہلا باب	صحت وجواز وصیت
دوسرا باب	امانت میں وصیت
تیسرا باب	ثلث میں وصیت

گویا کہ فتاویٰ کی اس جلد میں کل گیارہ کتب ہیں، جن میں چون (۵۴) ابواب اور پچیس (۲۵) فصول ہیں۔ یوں یہ جلد اپنے اندر بھرپور علمی مواد رکھتی ہے۔

جلد نہم

کفایت المفتی کی نویں اور آخری جلد کتاب الحظر والاباحۃ اور کتاب السیاسیات پر محیط ہے۔ صفحات کی تعداد اگرچہ ۵۹۶ لکھی گئی ہے مگر اس میں سے ابتدائی پندرہ صفحے نکال دیے جائیں تو باقی ۵۸۱ صفحات اس جلد میں پائے جاتے ہیں، جن میں درج ذیل ابواب شامل ہیں:

كتاب الحظر و الاباحة

پہلا باب	مذہبیات وعبادات
دوسرا باب	عملیات وتعویذ
تیسرا باب	رسوم مروجہ
چوتھا باب	سلام، مصافحہ، معانقہ

پانچواں باب	اجتماعیات ومعاشرہ	
چھٹا باب	ماکولات ومشروبات	
ساتواں باب	حلال وحرام جانور اوران کے اجزاء	
آٹھواں باب	تمباکو کا استعمال	
نواں باب	طب اورڈاکٹر	دوفصلیں
دسواں باب	لباس ومتعلقات لباس	
گیارھواں باب	بالوں اورداڑھی کے احکام	
بارھواں باب	زیورات	
تیرھواں باب	ظروف (برتن باسن)	
چودھواں باب	قدرتی پیداوار	
پندرھواں باب	لہوولعب، گانا بجانا وغیرہ	
سولھواں باب	ریڈیو اورلاؤڈ سپیکر	
سترھواں باب	جادو، رمل، فال، قرعہ، نجوم وغیرہ	
اٹھارواں باب	قمار، لاٹری، معما	
انیسواں باب	تعبیرات	
بیسواں باب	فوٹو، مصوری، تصویر	
اکیسواں باب	متفرقات	

کتاب السیاسیات

پہلا باب	مذہبی حقوق	دس فصلیں
دوسرا باب	غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور برتاؤ	
تیسرا باب	سیاسیات، ملکی وملی	

گویا کہ اس جلد میں دو کتابیں، چوبیس ابواب اور بارہ فصول پائی جاتی ہیں۔

مندرجہ بالا فتاویٰ جات، امداد الفتاویٰ، امداد الاحکام، فتاویٰ دار العلوم دیوبند، فتاویٰ رشیدیہ اور کفایت المفتی، یہ پانچوں وہ فتاویٰ ہیں جن کو مرکزی دار العلوم دیوبند کا نمائندہ، معتمد علیہ قرار دیا

جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا ظفر الدین صاحب فتاویٰ دار العلوم دیو بند کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

دار العلوم دیو بند سے متعلق دوسرے فتاویٰ

''اسی طرح یہ کہنا گو درست ہے کہ دار العلوم کے فتاویٰ کی ابتداء فتاویٰ رشیدیہ سے ہوتی ہے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے بھی چونکہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی زیر تربیت ۱۳۰۱ھ سے پہلے دار العلوم ہی میں افتاء کا کام شروع کر دیا تھا، پھر اسی دار العلوم کے فرزند بھی تھے اور بعد میں سرپرست بھی، اس لیے امداد الفتاویٰ بھی دراصل اسی سلسلہ کی کڑی ہے اور یہ بھی اسی عظیم الشان دینی ادارہ کا فیضان ہے۔

اسی طرح فقیہ الامت مولانا کفایت اللہ صاحب بھی دار العلوم ہی کے تلمیذ رشید تھے اور برابر مجلس شوریٰ کے رکن خصوصی بھی رہے، اس لیے آپ کی خدمت افتاء بھی اسی دار العلوم کی ایک شاخ ہے''---[مقدمہ فتاویٰ دار العلوم دیو بند، جلد ۱، صفحہ ۱۰۸]

• • • • •

مجموعة الفتاوىٰ

مجموعة الفتاوىٰ کا مختصر تعارف

مولانا عبدالحئی لکھنوی (۲۶ رذی قعد ۱۲۶۴ھ تا ۲۹ رربیع الاول ۱۳۰۴ھ

۲۴ راکتوبر ۱۸۴۸ء تا ستمبر ۱۸۸۶ء)

ابوالحسنات حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی سے پاک و ہند کا بھلا کون سا عالم یا وہ شخص جو علوم دینیہ سے ذرہ برابر بھی شغف رکھتا ہے واقف نہیں، مولانا اپنے وقت کے علوم عقلیہ ونقلیہ کے ممتاز ماہر اور مقبول عالم دین تھے، نہ صرف یہ بلکہ ایک محقق عالم تھے، جنہوں نے اپنے پیچھے درج ذیل مشہور علمی جواہر پارے چھوڑے ہیں:

١ مزيلة الدراية لمقدمة الهداية

٢ عمدة الرعاية في حل شرح وقاية

٣ حاشيه شمس بازغه

٤ امام الكلام فيما يتعلق بالقراءة خلف الامام

٥ طرب الاماثل بتراجم الافاضل

حضرت مولانا لکھنوی نے تقریباً ۱۰۸ کتب تصنیف کیں، ان میں سے ایک عظیم فقہی شاہکار آپ کا مجموعہ فتاویٰ ہے، جو تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ [سہ ماہی منہاج، جولائی، ستمبر ۲۰۰۰، صفحہ ۱۸۵]

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی کے علمی مقام ومرتبہ کے تعین کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ کا سلسلۂ سند حدیث صرف پانچ واسطوں سے حضرت مفتی سید احمد دحلان الشافعی سے جا ملتا ہے۔ [ایضاً، صفحہ ۱۸۴]

یہ بات یاد رہے کہ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی اور حضرت علامہ مفتی سید احمد دحلان الشافعی، ان دونوں نے ایک دوسرے کو سند واجازت حدیث دی تھی، جیسا کہ اس کو خود اعلیٰ حضرت نے

اپنے رسالہ "الاجازة المتينه" میں ذکر کیا ہے۔ راقم نے فتاویٰ نوریہ کا دیگر فتاوی جات سے تقابل کرتے ہوئے مجموعۃ الفتاویٰ کو بھی سامنے رکھا اور اس سے استفادہ کیا ہے، اس لیے ذیل میں اس کی تینوں جلدوں کا الگ الگ جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

مجموعة الفتاویٰ جلد اول

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی کے فتاویٰ کی پہلی جلد کا سرسری جائزہ کچھ یوں سامنے آتا ہے:

کل صفحات ۳۷۳

سائز ۱۶/۲۳x۳۶

فہرست مضامین ۲۳ صفحات

پہلے دس صفحات کے نمبر ابجد کے اعتبار سے، جب کہ بعد میں عدد کے حساب سے ۲ سے لے کر ۲۳ صفحے تک ہیں۔

آغاز مسائل وفتاویٰ صفحہ ۲۴ تا ۳۷۲

فتاویٰ کو تقسیم در تقسیم کیا گیا ہے، پہلی تقسیم کتب کے اعتبار سے اور دوسری تقسیم ابواب کے اعتبار سے کی گئی ہے اور پھر ہر باب کو اس کے مناسب استفتاءات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

۱	كتاب الكفر و الايمان	۲	كتاب العقائد
۳	كتاب تلاوة القرآن	۴	باب الجنة
۵	كتاب العلم و العلماء	۶	كتاب الطهارة
۷	باب الحوض	۸	باب الانجاس
۹	كتاب المساجد	۱۰	كتاب الصلوٰة
۱۱	كتاب الجنائز	۱۲	كتاب الصوم
۱۳	باب صدقة الفطر و الاعتكاف	۱۴	كتاب الزكوٰة
۱۵	كتاب الحج		

جلد دوم

صفحات ۳۲۷

سائز ۱۶/۲۳×۳۶

آغاز مسائل ۱۷تا آخر ۳۶۶

جلد دوم کی تفصیل ملاحظہ ہو:

كتاب النكاح	باب المهر
كتاب الرضاع	باب الجهاز
كتاب الطلاق	باب الظهار
باب ثبوت نسب	باب العقيقة و الختنة
باب مرد کا عورت پر حق	باب تفريق بالاعذار
كتاب المفقود	كتاب التولية
باب الحلف	كتاب الوقف
كتاب البيع	كتاب احكام اهل الذمة و المستامن
باب التصرف	كتاب الربو
باب القرض و الرشوة	كتاب الحظر و الاباحة
كتاب الاكل و الشرب	باب اللباس و الزينة

جلد سوم

مجموعۃ الفتاویٰ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کی تیسری جلد کا جائزہ کچھ یوں ہے:

صفحات ۳۱۴

فہرست مضامین ۹تا۸ ۱۰+۸=۱۸

آغاز مضامین ۹تا آخر ۳۰۴

کتب و ابواب کی تفصیل پر ایک نظر:

كتاب الهبه	كتاب الوصايا
كتاب الدعوىٰ	كتاب القضاء
كتاب الشهادة	كتاب الورثاء
كتاب البيعة و الخلافة	كتاب الاقرار

كتاب الصلح

كتاب الشفعة

كتاب الاجارة

كتاب التعزير

كتاب القصاص

كتاب المناقب

كتاب التقليد

كتاب الصيد

كتاب الجهاد

كتاب الغصب

كتاب الرهن

كتاب الرق

كتاب الحدود

كتاب الحواله

كتاب النوادر

كتاب الذكر

كتاب الاضحية

كتاب احداث العمارات

كتاب المتفرقات

حضرت لکھنوی کے اس مجموعہ کی مفصلہ بالا ترتیب اور مضامین کی فہرست کی تیاری کا فریضہ بالترتیب مولانا مفتی محمد برکت اللہ فرنگی محلی اور مولانا مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی (سابق ناظم دینیات مسلم یونی ورسٹی علی گڑھی) نے سرانجام دیا ہے۔ مولانا موصوف نے اپنے دیگر معاصر علماء کے برعکس جابجا کتب فقہ وفتاوٰی کے حوالہ جات بھی نقل کیے ہیں، بہرکیف مجموعۃ الفتاوی کو ایک مستند اور معتبر فتاوی کی حیثیت ومرتبہ حاصل ہے۔

۞۞۞۞۞

احسن الفتاویٰ، مفتی رشید احمد

احسن الفتاویٰ کا مختصر تعارف

پچھلے صفحات میں مذکور متعدد فتاویٰ جات کے علاوہ موجودہ دور کے دیوبندی علماء کے جس فتاویٰ کو ہم نے فتاویٰ نوریہ کے تقابلی مطالعہ کے لیے منتخب کیا ہے، وہ مشہور دیوبندی عالم مفتی رشید احمد کا مرتب کردہ "احسن الفتاویٰ" ہے، یہ فتاویٰ آٹھ مجلدات پر مشتمل ہے، فتاویٰ میں حسب موقع وضرورت دلائل بھی دیے گئے ہیں۔ یہ فتاویٰ قطع نظر اختلاف مسلک اس لیے بھی لائق التفات ہے کہ اس میں متعدد جدید مسائل پر بھی مولانا لدھیانوی نے اپنی علمی تحقیقات پیش کی ہیں، لیکن شاید مفتی صاحب موصوف حالات زمانہ کا ادراک نہیں کر سکے کہ اپنے فتویٰ میں بالعموم پرانی آراء ہی پیش کی ہیں۔

مولانا کو اپنے ہم مسلک علماء میں کیا مقام دیا جاتا ہے، اسے جاننے کے لیے صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"فقیہ اور مفتی تو بہت ہوتے ہیں لیکن فقیہ النفس بہت کم ہوتے ہیں، حضرت مولانا گنگوہی کو اللہ تعالیٰ نے فقیہ النفس بنایا اور ہمارے حضرت کو "رشید ثانی"۔ اللہ تعالیٰ نے علم وفقہ کو حضرت والا کے رگ وپے میں اس طرح سمو دیا کہ مسائل فقہیہ حضرت کا اوڑھنا بچھونا بن گئے"۔ [مقدمہ احسن الفتاویٰ، جلد ا، صفحہ ۱۲]

ان مختصر تمہیدی کلمات کے بعد آئیے ہم اس فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں کہ کون سی جلد میں کیا کیا مباحث شامل ہیں:

جلد اوّل

احسن الفتاویٰ کی جلد اول کا مختصر جائزہ ملاحظہ ہو:

کل صفحات	۵۷۲
فہرست مضامین	صفحہ ۳ تا ۲۲

تذکرۃ المولف	صفحہ ۷ تا ۲۸
تمہید	صفحہ ۲۹ تا ۳۲
تقدمہ اشاعت اول	صفحہ ۳۳
آغاز فتاوی	صفحہ ۳۴ تا آخر ۵۷۲

اس جلد میں درج ذیل کتب وابواب شامل ہیں:

کتاب الایمان و العقائد

اس کتاب میں کل ۲۳ فتاوی اور دس مختلف مستقل رسائل شامل ہیں۔

باب رد البدعات

اس میں بھی ایک مستقل رسالہ منکرات محرم شامل ہے۔

کتاب التفسیر و الحدیث

چند فتاوی اور تین رسائل

کتاب السلوک

سلوک سے متعلق چند فتاوی اور ایک رسالہ

جلد دوم

فتاوی کی دوسری جلد کتاب الطہارت اور کتاب الصلوۃ پر مشتمل ہے، اس کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے:

کل صفحات	۵۶۴
فہرست مضامین	صفحہ ۳ تا ۸
آغاز فتاوی	صفحہ ۹ تا ۵۶۴

اس جلد میں درج ذیل ابواب وکتب شامل ہیں:

کتاب الطھارۃ	باب الغسل
باب المیاہ	باب التیمم
باب المسح علی الخفین و الجبیرۃ	باب الحیض
احکام المعذور	باب الانجاس

اس میں ایک فصل فی الاستنجا بھی شامل ہے

کتاب الصلوٰۃ — باب الاذان و الاقامۃ

اس میں ایک رسالہ ''ارشاد الانام بجواب ازالۃ الاوہام'' بھی شامل ہے۔

باب استقبال القبلۃ — اس میں دو رسالے شامل ہیں۔

جلد سوم

فتاویٰ کی زیرِ نظر جلد سوم بھی دوسری جلد کتاب الصلوٰۃ کا ہی تسلسل ہے۔ جائزہ ملاحظہ ہو:

کل صفحات ۵۵۲

فہرست مضامین صفحہ۳ تا ۱۲

اس جلد میں کتاب الصلوٰۃ سے متعلق درج ذیل ابواب شامل ہیں:

باب صفۃ الصلوٰۃ و ما یتعلق بہا	باب القراءۃ و التجوید
باب الامامۃ و الجماعۃ	باب المسبوق و اللاحق
باب مفسدات الصلوٰۃ و المکروہات	مسائل زلۃ القاری
باب الوتر و النوافل	فصل فی التراویح

جلد چہارم

اس جلد کے ابتدائی چند ابواب تو کتاب الصلوٰۃ کا ہی تسلسل ہیں، اس کے بعد کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصوم کو شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

کل صفحات ۵۸۰

فہرست مضامین صفحہ۳ تا ۱۶

آغاز فتاویٰ صفحہ۱۷ تا آخر (۵۸۰)

یہ جلد درج ذیل ابواب کا احاطہ کیے ہوئے ہے:

باب قضاء الفوائت	باب سجود السہو
باب صلوٰۃ المریض	باب سجود التلاوۃ
باب صلوٰۃ المسافر	باب الجمعۃ و العیدین
باب الجنائز	فصل فی الشہید
کتاب الزکوٰۃ	باب العشر و الخراج
باب صدقۃ الفطر	کتاب الصوم

باب الاعتکاف — کتاب الحج

جلد پنجم

فتاویٰ کی جلد پنجم کتاب النکاح اور دیگر کتب فقہ سے متعلق ابواب و مسائل پر مشتمل ہے۔

جس کا سرسری جائزہ کچھ یوں ہے:

کل صفحات	۵۶۸
فہرست مضامین	صفحہ۳ تا ۱۲
آغاز فتاویٰ	صفحہ۱۳ تا آخر ۵۶۸

کتب وابواب کی تفصیل حسب ذیل ہے:

کتاب النکاح	باب المحرمات
باب ولایۃ النکاح و المال	باب الرضاع
کتاب الطلاق	باب الایلاء
باب الخلع	باب الظهار
باب خیار الفسخ	باب العدۃ
فصل فی ثبوت النسب	باب الحضانۃ
باب النفقہ	کتاب الایمان
کتاب الحدود و التعزیر	

جلد ششم

یہ جلد کتاب الجہاد اور کتاب البیوع سے متعلق مسائل کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جائزہ ملاحظہ ہو:

کل صفحات	۵۵۰
فہرست مضامین	صفحہ۳ تا ۸
آغاز فتاویٰ	صفحہ۹ تا آخر ۵۵۰

اس جلد میں شامل کتب وابواب کی ذرا تفصیل دیکھیے:

کتاب الجهاد	باب المرتد و البغاۃ
کتاب اللقطۃ	کتاب الشرکۃ
کتاب الوقف	ب المساجد

كتاب البيوع	باب البيع الفاسد و الباطل
متفرقات البيوع	

جلد هفتم

فتاویٰ کی یہ جلد اصلاً جلد ششم کی کتاب البیوع کا ہی تسلسل ہے، مختصر جائزہ پیش خدمت ہے:

کل صفحات	۵۵۰
فہرست مضامین	صفحہ ۳ تا ۱۱
آغاز فتاویٰ	صفحہ ۱۳ تا آخر (۵۵۰)

اس میں درج ذیل ابواب فقہ سے متعلق مباحث شامل ہیں:

باب الرباء و القمار	باب القرض و الدين
باب الكفالة و الحوالة و الوكالة	كتاب القضاء و الدعوى و الشهادات
كتاب الصلح	كتاب المضاربة
كتاب الوديعة و العارية و الهبة و الصدقة	
كتاب الاجاره	كتاب الغصب
كتاب الشفعة	كتاب القسمة
كتاب المزارعة و المساقاة	كتاب الصيد و الذبائح
كتاب الاضحية و العقيقة	

مندرجہ بالا سطور میں احسن الفتاویٰ کی سات جلدوں کا ایک سرسری جائزہ پیش کرتے ہوئے ان کے مشتملات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، اس لیے کہ راقم احقر کے پاس یہی دستیاب تھیں۔ اگرچہ اس فتاویٰ کی ایک اور آٹھویں جلد بھی پائی جاتی ہے، جس میں حظر و اباحۃ وغیرہ ایسی کتب اور مسائل فقہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس چیز کا اعتراف نہ کرنا قرین انصاف نہیں ہوگا کہ احسن الفتاویٰ کے بعض مسائل اور رسائل کا اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو کئی مقامات پر مولف موصوف کی قوت استدلال اور علمی تحقیق کی داد دیے بغیر انسان نہیں رہ سکتا۔ صاحب فتاویٰ کا اسلوب افتاء نویسی، علمی و تحقیقی ہونے کے ساتھ آسان و عام فہم ہونے کی خوبی بھی اپنے اندر رکھتا ہے، جس کو پڑھ کر ایک عام قاری بھی آسانی استفادہ کر سکتا ہے۔

❁❁❁❁❁

فتاویٰ علمائے اہل حدیث

مرتبہ مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی

فتاویٰ علمائے اہل حدیث کا مختصر تعارف

فتاویٰ علمائے اہل حدیث جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ کسی ایک اہل حدیث عالم کا فتاویٰ نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی مستقل فتاویٰ ہے، بلکہ اس کو اہل حدیث مکتب فکر کے مختلف رسائل جیسے اخبار اہل حدیث لاہور، اخبار اہل حدیث گزٹ دہلی، صحیفہ اہل حدیث کراچی، المعتصم کراچی، اخبار اہل حدیث سوہدرہ، اخبار ترجمان دہلی، ماہنامہ محدث لاہور وغیرہ میں فتاویٰ کے نام سے چھپنے والے سوال و جواب کے کالموں پر مشتمل فتاویٰ کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ اہل حدیث کی مقتدر علمی شخصیات کے فتاویٰ جات سے اخذ کیے گئے ہیں۔ لیکن یہ حیرت کی بات ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ عزیزیہ کو بھی اپنے فتاویٰ کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے، حالانکہ پاکستان و ہند کا بچہ بچہ اس چیز سے بخوبی آگاہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب حنفی مسلک کے نہ صرف پیروکار تھے بلکہ اس کے مبلغ و ترجمان بھی تھے۔ بہر کیف فتاویٰ علمائے اہل حدیث میں جن اہل علم کے فتاویٰ شامل کیے گئے ہیں، ان کی کل تعداد ستاسی (۸۷) ہے۔ اگر چہ ان میں سے بعض دیوبندی علماء ہیں، جو اپنی نسبت حضرت سراج الامت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کرتے ہوئے خود کو ان کا مقلد ظاہر کرتے اور حنفی کہلواتے ہیں۔ مثلاً مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ضیاء الحق، مولانا محمد قاسم، مولانا عبدالغفور یہ جملہ حضرات مدرسہ امینیہ دہلی کے مدرسین اور دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ خیر قطع نظر اس کے فتاویٰ علمائے اہل حدیث کے مفتیان میں سے چند اہم نام ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ تاکہ یہ جانا جا سکے کہ اہل حدیث مکتبہ فکر میں اس کتاب کی کیا اہمیت ہے اور اس کے مولفین کس درجہ کے عالم ہیں؟

۱......شیخ الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی
۲......نواب سید صدیق الحسن بھوپالی
۳......مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری
۴......شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز مرشد آبادی
۵......شارح ترمذی مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری
۶......شارح مشکوٰۃ مولانا عبیداللہ مبارک پوری
۷......شیخ الاستاذ مولانا حافظ محمد گوندلوی
۸......مفتی دوراں حافظ محمد عبداللہ روپڑی
۹......مفتی زماں مولانا محمد یوسف جھیلوی
۱۰......سید شریف حسین دہلوی
۱۱......شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ
۱۲......مولانا عبدالجبار غزنوی

۱۳.....مولانا شرف الدین دہلوی ۱۴.....مولانا سید محمد داؤد غزنوی

۱۵.....مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی ۱۶.....شارح ابوداؤد محمد شمس الحق ڈیانوی

۱۷.....شارح نسائی مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی ۱۸.....مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ

۱۹.....شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ لائل پوری ۲۰.....مولانا محمد یونس دہلوی

جلد پنجم، فتاویٰ علمائے اہل حدیث

یوں تو فتاویٰ علمائے اہل حدیث چندرہ مجلدات پر مشتمل ہے لیکن چونکہ اس کی صرف ایک جلد ہمارے زیرِ مطالعہ اور فتاویٰ نوریہ کا تقابل کرتے ہوئے پیشِ نظر رہی ہے اس لیے فقط اسی کا جائزہ نظرِ قارئین کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

کل صفحات	۳۵۵
فہرست مآخذ	صفحہ ۲
مفتیانِ فتاویٰ کے نام	صفحہ ۳ تا ۵
فہرست مضامین	صفحہ ۶ تا ۱۴
پیش لفظ	صفحہ ۱۵ تا ۱۸، از علی محمد سعیدی مرتب
تاثرات وتبصرہ جات	صفحہ ۱۹ تا ۲۵، جرائد اہل حدیث کی نظر میں
تشریحات	صفحہ ۲۶ تا ۳۶، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری
آغاز فتاویٰ	صفحہ ۳۷ تا آخر ۳۵۵

اس جلد میں درج ذیل کتب وابواب فقہ سے متعلق فتاویٰ شامل ہیں:

کتاب الجنائز	باب التمنی
باب المحتضر	باب الغسل و الکفن و الدفن
باب صلوٰۃ الجنائز	باب القراءۃ علی الجنازہ
باب القبر	باب ایصال ثواب
باب سماع موتی	باب الروح
باب التعزیۃ	

❁❁❁❁❁

جدید فقہی مسائل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مختصر تعارف

مولانا رحمانی کی یہ کتاب جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، یہ فتوے کی کتاب تو نہیں ہے، البتہ اس میں جدید فقہی مسائل کے حوالے سے فاضل مصنف نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور معروضی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے حوادث جدیدہ کا شرعی حکم بیان کیا ہے، چنانچہ اس طرز اسلوب کو فتویٰ شمار کرتے ہوئے اسے فتویٰ کی کتاب سمجھا اور تقابلی مطالعہ میں شامل کیا ہے۔ فاضل مصنف ہندوستان کے موجودہ علماء دیوبند میں ایک نام اور پہچان رکھتے ہیں، سوانحی حالات تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکے، اس لیے آئندہ سطور میں صرف کتاب کا تعارف و جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

جلد اوّل

کتاب جدید فقہی مسائل کی جلد اول میں زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق مباحث ہیں:

کل صفحات	۲۷۹
سائز	۲۳x۳۶/۱۶
فہرست مضامین	چھ صفحات، جن کے نمبر بصورت حروف ابجد لکھے گئے ہیں۔
آغاز کتاب	صفحہ ۸ تا آخر ۲۷۶
فہرست کتابیات	صفحہ ۲۷۷ تا ۲۷۹

اس جلد میں درج ذیل امور حیات سے متعلق مباحث شامل ہیں:

عبادات	نماز
روزہ	زکوٰۃ
حج	ذبح و قربانی
معاشرت	ازدواجی زندگی
زیبائش و آرائش	خوراک و پوشاک
تفریحی امور	طب و علاج
معاشیات	اجارہ و ذرائع معاش

جلد دوم

کل صفحات	۳۴۴
فہرست مضامین	صفحہ ۳ تا ۸
ابتدائیہ طبع دوم	صفحہ ۹ تا ۱۱
سخن ہائے گفتنی	صفحہ ۱۲ تا ۲۰
آغاز مسائل	صفحہ ۲۱ تا ۳۴۰
فہرست کتابیات	صفحہ ۳۴۱ تا ۳۴۴

اس جلد میں درج ذیل ابواب ومباحث شامل ہیں:

۱　عبادات

رؤیت ہلال کے احکام

زکوۃ میں ضم زکوۃ

بنو ہاشم وسادات اور زکوۃ

۲　معاشرتی مسائل

مسئلہ کفات پر ایک نظر

خیار بلوغ کا حق اور اس کا استعمال

نفقہ ادا کرنے کی بنا پر فسخ نکاح

مفقود الخبر اور غائب شخص کی بیوی کا حکم

زدوکوب اور ظلم وزیادتی کی بناء پر فسخ نکاح

امراض وعیوب کے باعث فسخ نکاح

نامردی اور جنسی حق سے محرومی کی بناء پر فسخ نکاح

خلع میں قاضی اور حکم کے اختیارات

حالت نشہ کی طلاق

۳　معاشی مسائل

نوٹ کی شرعی حیثیت

بینک انٹرسٹ، سودی قرضہ اور ہندوستان کی شرعی حیثیت

مکانات ودکانات کی پگڑی کا شرعی حکم

مال کی حقیقت اور حقوق کی خرید وفروخت

باغات اور پھلوں کی خرید وفروخت

قفیز طحان والی روایت اور اس سے استنباط احکام

۴　طب وعلاج

ٹیسٹ ٹیوب سے تولید اور اس سے متعلق احکام

اعضاء کی پیوند کاری

5　متفرقات

الائش نکالنے سے پہلے ذبیحہ مرغ کو گرم پانی میں ڈالنے کا حکم

تعزیر مالی کا مسئلہ

✿✿✿✿✿

آلات جدیدہ کے شرعی احکام

مفتی محمد شفیع دیوبندی

کراچی سے تعلق رکھنے والے مفتی محمد شفیعؒ صاحب دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک اہم ستون ہیں۔ اپنے مسلک میں انہیں جو حیثیت حاصل ہے، اس کا اندازہ اسی امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مرکزی دارالعلوم دیوبند میں باقاعدہ منصب افتاء پر فائز رہے ہیں۔ فتاویٰ نوریہ کے تقابلی مطالعہ کے وقت ان کی کتاب ''آلات جدیدہ کے شرعی احکام'' راقم کے زیر مطالعہ رہی اور بالخصوص آلہ مکبر الصوت کے حوالے سے ان کی علمی بحث سے استفادہ بھی کیا۔ بلاشبہ مفتی صاحب موصوف کی یہ ایک علمی و تحقیقی تحریر ہے، جو مختلف اوقات میں ان سے پوچھے گئے بعض فقہی مسائل کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس لیے ہم نے اس کو باقاعدہ فتاویٰ میں شمار کرتے ہوئے اپنے ماخذ میں شامل کیا ہے۔ ذیل میں اس کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

اشاعت جدید	رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ/اپریل ۱۹۹۰ء
سائز	۱۶/۲۳×۳۶
فہرست مضامین	صفحہ ۳ تا صفحہ ۸
عرض ناشر	صفحہ ۹

مباحث

اس کتاب میں درج ذیل جدید آلات کے حوالے سے فتاویٰ جات شامل کیے گئے ہیں۔

آلہ مکبر الصوت	صفحہ ۱۰ تا ۱۲۵
(ریڈیو اور ٹیلی فون سے متعلق بحث بھی اس میں شامل ہے)	
فوٹوگرافی وغیرہ سے متعلق شرعی احکام	صفحہ ۱۲۱ تا ۱۲۷
گراموفون کے شرعی احکام	صفحہ ۱۳۰ تا ۱۳۷

❁❁❁❁❁

رسائل و مسائل

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

بانی جماعت اسلامی مولانا مودودی پاک و ہند میں اپنی خاص فکر کے بانی ہیں۔ جنھوں نے قطع نظر اختلاف کے اپنے خاص اسلوب بیان اور طرز استدلال سے عصر حاضر کے انسان کو متاثر کیا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے دیگر مکاتیب فکر میں سے کئی مسائل میں ان کی اپنی ایک الگ اور مستقل رائے تھی، جس کا وہ اظہار بھی کرتے رہتے تھے، اس لیے بالخصوص مختلف مسائل حیات کے حوالے سے ان کی طرف سے دیے گئے جوابات کو بطور فتویٰ شمار کرتے ہوئے زیر نظر تقابلی جائزہ میں شامل کیا گیا ہے۔ مولانا مودودی کی رسائل و مسائل کے نام سے مشہور کتاب کل چھ حصوں پر مشتمل ہے، ان سب میں بنیادی عنوانات قریب قریب یکساں ہیں۔ مختصر جائزہ ملاحظہ ہو:

رسائل و مسائل **حصہ اول**

اشاعت ستائیسویں اپریل ۱۹۹۵ء

صفحات ۴۳۲

رسائل و مسائل **حصہ دوم**

اشاعت چھبیسویں جنوری ۱۹۹۵

صفحات ۴۷۶

رسائل و مسائل **حصہ سوم**

اشاعت بیسویں اپریل ۱۹۹۴

صفحات ۳۶۸

رسائل و مسائل **حصہ چہارم**

اشاعت اکیسویں فروری ۱۹۹۴

صفحات ۳۶۸

رسائل ومسائل **حصہ پنجم**

اشاعت ہفتم اگست ۱۹۹۳

صفحات ۳۶۸

رسائل ومسائل **حصہ ششم**

اشاعت ششم مئی ۱۹۹۴

صفحات ۵۶۷

مولانا نے مذکورۃ الصدر فقہی مسائل سے متعلق کتاب کے ہر حصے میں بالعموم درج ذیل موضوعات اور مسائل کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے:

فقهی مسائل

تفسیر آیات وتاویل احادیث	اخلاقیات
عام مسائل	معاشی مسائل
سیاسی مسائل	جماعت اسلامی اور اس کی تحریک سے متعلق
اعتقادی مسائل	

✿✿✿✿✿

تقابلی مطالعہ میں شامل کتب کے تعارف کے بعد اب ہم اصل موضوع اور مقصود کی طرف آتے ہیں:

باب-۳

جدید عصری مسائل

انگریزی ادویہ کا جواز و عدم جواز

عصر حاضر میں سائنسی علوم کی ترقی وارتقا نے انسان کو دیگر شعبہ ہائے حیات کی طرح علم حیاتیات میں بھی محیر العقول ترقی دی ہے۔ چنانچہ علمی ترقی کے اس دور میں مختلف النوع بیماریوں نے بھی اسی رفتار سے انسان کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہے، جس رفتار کے ساتھ میڈیکل سائنس نے ترقی کی ہے۔ چنانچہ آج سے صدی، دو صدیاں پہلے اگر کوئی انسان بیمار ہو جاتا تو اس کا علاج اول تو علاج بالغذا کیا جاتا اور عدم افاقہ کی صورت میں ضرورت پڑنے پر قدرتی جڑی بوٹیوں کی مدد سے بھی علاج معالجہ کیا جاتا تھا۔ لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ جب نئی نئی بیماریاں پیدا ہوتی گئیں، ان کی نوعیت بھی مختلف ہوتی گئی تو میڈیکل سائنس نے نئے نئے طریق ہائے علاج مثلاً مختلف آپریشن، اعضا کی پیوندکاری وغیرہ تلاش کیے۔ چنانچہ اس صورت حال میں علمائے اسلام کے سامنے انسانی صحت وعافیت، بقائے انسانی کے حوالے سے نئے نئے مسائل آئے تو انہوں نے ہر دور میں قرآن وسنت کی واضح تعلیمات اور حفظان صحت کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سلسلہ میں پیش آمدہ ہر مسئلہ کا قابل عمل حل تلاش کر کے انسانیت کے لیے شرعی سہولیات پیدا کیں اور عظمت اسلام کو چار چاند لگائے۔

انگریزی ادویات جن کے استعمال سے فوری افاقہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے، ان کے اندر بعض اجزاء ایسے بھی شامل ہوتے ہیں شرعاً جن کا استعمال جائز نہیں لیکن علمائے اسلام نے

شریعت غراء کی تعلیمات، حلال وحرام کے احکام اور حالت اکراہ کی مختلف صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان انگریزی ادویہ کے استعمال اور جدید طریقہ علاج کی مختلف صورتوں کے احکام کو اس طرح واضح کیا ہے کہ جن پر غور وخوض کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسلام کا یہ حکم انہی خصوصی حالات کے لیے ہی نازل کیا گیا ہے۔

اس حقیقت سے کوئی بھی صاحب بصیرت انکار نہیں کرسکتا کہ علم وتحقیق کا بڑا وسیع میدان ہے، ایک ہی نص اور حکم پر غور وفکر کرنے سے ایک عالم جس نتیجہ پر پہنچتا ہے دوسرا عالم اس نص پر غور وفکر کے بعد بالکل اس کے متضاد نتیجہ پر پہنچتا ہے، دونوں کی آراء مختلف بلکہ بظاہر ایک دوسرے سے متضاد ہوتی ہیں، ایسی صورت کا پیدا ہونا بھی امت اور انسانیت کے لیے ایک رحمت خداوندی ہے کہ اس طرح اس کے لیے عمل کی کئی راہیں کھل جاتی ہیں۔ بہرکیف اخذ نتائج کے حوالے سے تاریخ کے ہر دور میں انگریزی ادویات کے استعمال کے جواز وعدم جواز کے بارے میں علماء کے دو طبقات موجود رہے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے پاس دلائل شرعیہ بھی ہیں۔ لیکن حالات زمانہ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ جو رائے قرین قیاس اور اقرب الی الکتاب والسنۃ ہو اور اس میں انسانیت کی بھلائی بھی پائی جاتی ہو تو اس رائے کو قبول کیا جائے اور اس پر عمل کی ہر ممکن صورت نکالی جائے۔ ہمارے ممدوح حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز کا شمار اپنے دور کے انہیں علمائے اسلام میں ہوتا ہے، جنہوں نے دین اور شریعت کی حکمتوں پر گہرا غور وفکر کرنے کے بعد ایسے نتائج اخذ کیے ہیں، جن کے ذریعہ سے ایک دکھی انسان کے لیے سہولیات شرعیہ پر عمل کرنا ممکن وآسان ہوگیا ہے۔

الکحل ملی ادویات یا دیگر انگریزی ادویہ کے استعمال سے متعلق آپ کی فکر رسا اس قدر واضح ہے کہ آپ کے معاصر دیگر علمائے اسلام قطع نظر اس کے کہ وہ کس مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں، وہ اس مسئلہ میں اپنی آراء میں متردد نظر آتے ہیں۔ مثلاً مسلک دیوبند کے امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی اپنے معروف فتاویٰ میں انگریزی ادویہ کے استعمال سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جس میں خلط شراب یا نجس شے کا ہے، اس کا استعمال باوجود علم کے حرام اور لاعلمی میں معذور ہے''---[فتاویٰ رشیدیہ مشمولہ تالیفات رشیدیہ، صفحہ ۴۷۰]

جناب گنگوہی کا یہ فتویٰ خود اپنے منہ سے یہ شہادت دے رہا ہے کہ دلائل کی کمی ہے اور

گمان یوں گزرتا ہے کہ موصوف مفتی صاحب ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کی تعلی کا شکار ہیں، اسی لیے تو قرآن وسنت یا اقوال فقہاء میں سے کسی سے استنباط کرتے ہوئے اس کا حوالہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔

یہی نہیں کہ گنگوہی صاحب کے فتاویٰ کا عالم یہ ہے بلکہ ان کے متبعین دیگر مفتیان عظام کا معاملہ بھی بعینہٖ ایسا ہی ہے۔ ملاحظہ ہو مرکزی دارالعلوم دیوبند کے ''مکمل و مدلل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' میں سے زیر نظر مسئلہ سے متعلق ایک سوال کا جواب، جو ان کے مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب کی تحقیقات کا ایک ''شاہکار'' ہے:

(سوال نمبر ۳۸۴) انگریزی ادویہ کا استعمال علی العموم ناجائز نہیں اگر کسی دوا میں شراب وغیرہ کا ہونا معلوم ہو جاوے تو اس دوا کا استعمال ناجائز ہو جاوے گا باقی شبہ اور شک سے کوئی چیز ناپاک نہیں ہوتی''--- [فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلد ۱، صفحہ ۲۸۰]

قارئین! آپ نے غور کیا، یہاں بھی مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے کوئی نص اور دلیل ذکر نہیں کی اور نہ کسی فقیہ کا قول نقل کیا، گویا کہ یہاں بھی معاملہ گنگوہی صاحب والا ہی نظر آتا ہے۔ مفتی صاحب موصوف نے تو اپنے فتویٰ میں کوئی حوالہ نہیں دیا، البتہ بعد میں کسی محشی صاحب نے حاشیہ میں ردالمحتار اور الاشباہ والنظائر میں سے ایک ایک جملہ بطور حوالہ درج کر دیا ہے، جس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ صاحب فتاویٰ نے دلائل سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

اسی طرح کفایت المفتی مذکورہ حلقے کی فتاویٰ کی ایک اہم اور مستند کتاب ہے، جس میں مفتی کفایت اللہ دہلوی کی تحقیقات وآراء کو جمع کیا گیا ہے۔ اس کی جلد ۹ میں کتاب الحظر والاباحۃ کے دو ابواب میں انگریزی ادویہ کے استعمال اور طریق علاج سے متعلق مختلف سوالوں کے جوابات دیے گئے ہیں جن میں سے اکثر فتاویٰ میں جواب کا اسلوب اختصار پر ہی مشتمل ہے، لیکن صرف چند فتاویٰ ایسے ہیں جن میں صاحب فتاویٰ نے عامہ کتب فتاویٰ کی عبارات نقل کی ہیں، مثلاً ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فن ڈاکٹری سیکھنا اور انگریزی ادویہ کا استعمال کرنا مباح ہے، ہاں خالص شراب جیسے برانڈی وغیرہ یا وہ دوائیں جن میں شراب کی آمیزش معلوم ہو جائے استعمال کرنا منع ہے۔ منوم (خواب آور) دوا کا استعمال منوم ہونے

کی وجہ سے ناجائز نہیں ہے، کلوروفارم بے ہوشی کے لیے استعمال کرنا ضرورۃً مباح ہے۔"۔۔۔[کفایت المفتی، جلد ۹، صفحہ ۱۳۹]

اسی طرح میتھلیٹڈ اسپرٹ ملی ادویہ کے استعمال کرنے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"ہومیو پیتھک دواؤں میں اگر اسپرٹ یا اور کوئی نشہ آور دوائی شامل ہو، تاہم علاج کے لیے ان کا استعمال جائز ہے کیوں کہ سوائے انگور کی شراب کے جو خمر ہے اور شرابیں ناپاک نہیں ہیں۔ نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام تو ہیں مگر ناپاک نہیں، تو ان کی اتنی مقدار جو نشہ آور نہ ہو علاج کے لیے استعمال کرنے کی گنجائش ہے"۔۔۔[حوالہ مذکور، صفحہ ۱۴۲]

آپ نے ملاحظہ کیا کہ مذکورہ بالا دونوں فتووں میں اپنے قول کی سند کے طور پر کوئی حوالہ پیش نہیں کیا گیا، البتہ انتقال خون کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے در المختار اور فتح القدیر اور عالم گیری سے تین عبارات سے استشہاد کیا گیا ہے۔ ہاں البتہ بنظر انصاف دیکھا جائے تو موصوف کا اس مسئلہ میں فتویٰ لائق توجہ ہے، مثلاً بلڈ ٹرانسفیوژن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کسی انسان کا خون علاج کی غرض سے دوسرے انسان کے جسم میں داخل کرنا جب کہ اس کی شفایابی اس پر بقول طبیب حاذق مسلم منحصر ہو گئی ہو، مباح ہے۔ یہ شبہ کہ انسان کے اجزا کا استعمال ناجائز ہے، اس لیے وارد نہ ہونا چاہیے کہ استعمال کی صورت کہ مستلزم اہانت ہو، وہ ناجائز ہے اور جس میں اہانت نہ ہو تو بضرورت وہ استعمال ناجائز نہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک کو پانی میں دھو کر وہ پانی مریض پر چھڑکایا یا پلایا جاتا تھا۔ حرمة الانتفاع باجزاء الآدمی لکرامته [ہدایہ] لم یبح الارضاع بعد مدته لانه جزء آدمی و الانتفاع به لغیر ضرورة حرام [رد مختار] قال فی الفتح و اهل الطب یثبتون للبن البنت ای الذی نزل بسبب بنت مرضعة نفعاً لوجع العین و اختلف المشائخ فیه قیل لا یجوز و قیل یجوز اذا علم انه یزول به الرمد۔۔۔۔۔ الخ [ردالمختار] ردمختار کی عبارت سے معلوم ہوا کہ انسان کے اجزا سے بغیر ضرورت کے انتفاع حرام ہے، یعنی اگر ضرورت ہے تو مباح ہو سکتا ہے اور فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ لڑکی والی عورت کا دودھ کسی

آنکھوں کی بیماری والے کو دیا جاتا اور دوا کے لیے استعمال کیا جاتا جب کہ ظن غالب یہ معلوم ہو کہ اس سے آنکھ کی بیماری جاتی رہے گی بعض مشائخ کے نزدیک جائز ہے، حالاں کہ دودھ بھی انسان کا جز ہے، اس سے بغیر ضرورت انتفاع حرام ہے، جیسا کہ در مختار کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ خون انسان کا جز ہے اور اس سے بغیر ضرورت کے نفع اٹھانا تو حرام ہے مگر علاج کے طور پر کسی مریض کی جان بچانے کے لیے ہو اور کوئی مسلمان ڈاکٹر جو حاذق بھی ہو یہ بتائے کہ اس مریض کی شفایابی اب اس علاج میں منحصر ہے تو ان کے بدن میں انسان کا خون داخل کرنا مباح ہے۔ و ھذا لان الحرمۃ ساقطۃ عند الاستشفاء کحل الخمر و المیتۃ للعطشان و الجائع [رد المحتار] ---[حوالہ مذکورہ، صفحہ ۱۴۳-۱۴۴]

یہاں تک آپ نے دیکھا کہ موصوف بڑے اعتماد کے ساتھ حکم شرعی واضح کر رہے ہیں لیکن اختتام کلام پر پھر تردد اور گومگو کی کیفیت نظر آتی ہے، جس سے یہ واضح معلوم ہوتا ہے کہ راقم خود اپنی رائے پر بھی مطمئن نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"یہ واضح رہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ کسی انسان کے بدن سے نکلا ہوا خون دستیاب ہو جائے اور وہ اس کام میں لایا جا سکتا ہو لیکن کسی مریض کے لیے کسی انسان کے بدن سے خون نکالنا بغیر اس کے کہ خود اس کے بدن کی اصلاح کے لیے نکالا جائے درست نہیں ہے" ---[حوالہ مذکور، صفحہ ۱۴۴]

اسی کو کہتے ہیں بے اندرون بیم بیرون۔

اب ذرا تھانوی تحقیقات بھی ملاحظہ ہوں:

مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے

مولانا تھانوی کا شمار علماء دیوبند کے اکابر میں ہوتا ہے، امداد الفتاوی ان کی معروف و مشہور کتاب ہے، جس کی ترتیب جدید ان کے تلمیذ خاص مفتی محمد شفیع صاحب نے مولانا تھانوی، صاحب فتاوی کی زندگی کے بعد کی۔ اس فتاوی میں الکحل کی ادویات وغیرہ اشیاء سے متعلق چند فتاوی جات حسب ذیل موجود ہیں:

حرام دوا کا استعمال، جلد ۴، صفحہ ۲۰۵   افیون کا استعمال، جلد ۴، صفحہ ۲۰۶

دوا میں افیون، جلد۴، صفحہ ۲۰۶ — افیون وغیرہ ملی دوا، جلد۴، صفحہ ۲۰۷

ہومیو پیتھک دوا کا استعمال، جلد۴، صفحہ ۲۰۸ — اسپرٹ کا استعمال، جلد۴، صفحہ ۲۰۹

انگریزی دواؤں کا استعمال، جلد۴، صفحہ ۲۱۱-۲۱۲ — تفصیل در حکم سپرٹ، جلد۱، صفحہ ۸۲

روزے کی حالت میں انجکشن، جلد۲، صفحہ ۱۴۳-۱۴۲

چنانچہ انگریزی دواؤں کے استعمال سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ پہلے سوال اور پھر اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال آج کل خواص و عوام بلا تکلف انگریزی ادویہ کو استعمال کرتے ہیں جن کی ساخت میں اکثر روح الخمر اور رکٹی فائی اسپرٹ اور سپری وائن پڑتی ہے ٹنکچر، انفر، وائن کنڑ اکٹ اسی کی لاگ سے بنائے جاتے ہیں۔ مگر کہا جاتا ہے کہ ان کا نشہ کم ہے۔ کیت بڑھی ہوئی ہے، زیادہ مقدار میں دیں تو نشہ کریں مگر زیادہ دینے سے آدمی مر بھی جاتا ہے۔ مگر سب دوائیں ایسی نہیں کہ زیادہ مقدار میں دینے سے آدمی مر ہی جائے، اب فرمایئے کہ انگریزی ادویہ کا استعمال جائز ہوا یا ناجائز؟

جواب روح الخمر و جوہر شراب چوں کہ یقیناً اجزائے خمر سے ہے، اس کی حرمت سکر پر موقوف نہیں۔ فی الدر المختار و کرہ شرب ردی الخمر الی قولہ و لکن لا یجد شاربہ بلا سکر و قد صرحوا بحرمۃ تناول الخبز الذی عجن رفیقہ بالخمر اور جب کہ اس میں سکر بھی ہو تب تو اس میں شبہ کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ سو جواہر متعارفہ فی زماننا میں سکر بھی اور مقدار قلیل سے بالفعل سکر نہ ہونا منافی وجود سکر نہیں، کیوں کہ سکر سے مراد عام ہے بالقوہ ہو یا بالفعل۔ فی الدر المختار و حرمہا محمد مطلقا و بہ یفتی الی قولہ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام..... آہ اور اسی طرح سم ہونا بھی منافی سکر نہیں بلکہ اسکا موید و موکد ہے۔ کیوں کہ منتہی سکر کا اہلاک و سمیت ہے۔ کما لا یخفی علی ماہر الطبیعات اس تحقیق سے ادویہ مسئولہ کا حکم معلوم ہو گیا کہ استعمال جائز نہیں لیکن جب کہ بالیقین ان اشیاء سے خالی ہوں۔ و اللہ اعلم [امداد الفتاویٰ، جلد۲، صفحہ ۲۱۳]

مولانا تھانوی اسپرٹ کے استعمال سے متعلق ایک سوال کا جواب بایں الفاظ تحریر کرتے ہیں،

پہلے سوال ملاحظہ ہو، پھر اس کا جواب دیکھیں:

سوال نمبر ۲۶۵ انگریزی دوا جو پینے کی ہوتی ہے اس میں عموماً (اسپرٹ) ملائی جاتی ہے، یہ قسم ہے اعلیٰ درجے کے شراب کی یعنی شراب کا ست ہے۔ تو جب اس امر کا یقین ہو چکا اور مسلم ہے تو انگریزی (ہسپتال) کی دوا پینا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: ''اسپرٹ اگر عنب وزبیب ورطب وتمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے بلا اختلاف ورنہ گنجائش نہیں بلا اتفاق''---

[امداد الفتاویٰ، جلد ۴، صفحہ ۲۰۹]

اسی طرح ہومیو پیتھک ادویہ کے استعمال سے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ حالت ضرورت کی ہے اور ضرورت میں متاخرین نے تداوی بغیر الطیب کی اجازت دی ہے، اگر کوئی اس پر عمل کرے تو گنجائش ہے''---[حوالہ مذکور، صفحہ ۲۰۹]

ذرا انگریزی ادویات کے استعمال سے متعلق بھی ایک فتویٰ ملاحظہ ہو:

''روح الخمر جو ہر شراب چوں کہ یقیناً اجزائے خمر سے ہے، اس کی حرمت سکر پر موقوف نہیں۔ فی الدر المختار و کرہ شرب ردی الخمر الی قولہ و لکن لا یجد شاربہ بلا سکر..... آہ و قد صرحوا بحرمۃ تناول الخبز الذی عجن دقیقہ بالخمر اور جب کہ اس میں سکر بھی ہو تب تو اس میں شبہ کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ سو جواہر متعارفہ فی زماننا سکر بھی ہے اور مقدار قلیل سے بالفعل سکر نہ ہونا منافی وجود سکر نہیں، کیوں کہ سکر سے مراد عام ہے، بالقوہ ہو یا بالفعل۔ فی الدر المختار و حرمھا محمد مطلقا و بہ یفتی الی قولہ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام..... آہ اور اسی طرح سم ہونا بھی منافی سکر نہیں بلکہ اس کا موید وموکد ہے، کیوں کہ منتہیٰ سکر کا اہلاک اور سمیت ہے۔ کما لا یخفی علی ماھر الطبیعات اس تحقیق سے ادویہ مسئولہ کا حکم معلوم ہو گیا کہ استعمال جائز نہیں لیکن جب کہ بالیقین ان اشیاء سے خالی ہو''---[حوالہ مذکور، صفحہ ۲۱۳]

مولانا مودودی کی رائے

آگے بڑھنے سے پہلے ذرا مودودی صاحب کی رائے بھی پڑھتے چلیے، وہ کہتے ہیں:

''الکوحل کے بارے میں مختصر گزارش یہ ہے کہ اس سے مراد وہ الکوحل نہیں ہے جو مختلف قدرتی اشیاء میں بطور ایک جز کے موجود ہوتی ہے یا کسی خاص مرحلے پر ان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے بلکہ وہ الکوحل ہے جو اشیاء میں سے برآمد کر لی جاتی ہے اور ایک نشہ آور مادے کی حیثیت سے قابل استعمال ہوتی ہے۔ یہ چیز چوں کہ اصل مادۂ نشہ آور (ام الخبائث کی والدہ) ہے۔ اس لیے اس کا اندرونی استعمال جائز نہیں ہے۔ قطع نظر اس سے کہ جس تناسب سے وہ کسی دوا میں ملائی جائے وہ بالفعل نشہ آور ہو یا نہ ہو، البتہ اس کے بیرونی استعمال کو جائز رکھا جاسکتا ہے''---- [رسائل و مسائل، جلد ۲، صفحہ ۲۵۳-۲۵۲]

قارئین کرام! آپ نے اب تک متعدد علماء و مفتیان کرام کے فتاویٰ و آرا کو دیکھا لیکن ان سب کے مطالعہ سے جو چیز لوح فکر و نظر پر مرتسم ہوتی ہے اور ذہن کے اندر پہلا تاثر جو قائم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان علماء کے ہاں دلائل کی کمی اور تحقیق کے محدود ہونے کے علاوہ تبدل زمان و احوال سے تبدل احکام ایسی شرعی حکمتیں شاید ان کی نظروں سے اوجھل رہی ہیں یا پھر انہوں نے واقعہ میں ان حکمتوں پر غور کر کے عامۃ الناس کے لیے سہولیات شرعیہ پیدا نہیں کیں۔ صورت کوئی بھی ہو اس پر ہم کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔

تحقیقات نوریہ

اب آیئے اور از زیر بحث مسئلہ میں صاحب فتاویٰ نوریہ کی نور افشانیاں ملاحظہ ہوں کہ یہ مرد قلندر جس پر قدرت نے اپنے دین کی حکمتوں کو کھول دیا، وہ کس طرح سے اس جدید اور عصری شرعی مسئلہ میں شرح صدر کی دولت سے مالا مال ہو کر تبدل ظروف سے تبدل احکام کے شرعی فلسفہ کو کھول کر بیان کرتا ہے۔ پہلے سائل کے سوال کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

۱ ہومیو پیتھی ادویات جو جو یا گنے سے بننے والی الکحل سے تیار کی جاتی ہیں ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ شیخین کے مسلک پر یہ حرام نہیں۔

۲ دور حاضرہ میں ایسی ادویہ عوام و خواص، علماء و مفتیان سب استعمال کر رہے ہیں تو کیا یہ عموم بلوٰی ہے یا نہیں، بصورت ثانی کیوں نہیں؟

۳ انگریزی ادویہ میں عموماً اور ہومیو پیتھی میں خصوصاً اس کی آمیزش ایسی ہوتی ہے کہ

کالعدم ہو جاتی ہے تو کیا یا استحالہ نوعی نہ ہوگا اور اس ضمن میں نہ آئے گا کہ نمک کی کان میں گدھا مر کر نمک ہو جائے تو اس نمک کا کھانا جائز ہے۔ بہر حال دلائل شرعیہ کی رو سے اگر جواز کی گنجائش نکل سکتی ہو تو علماء کرام اور مفتیان عظام کی خدمت میں استدعا ہے کہ امت پر شفقت فرماتے ہوئے یسروا و لا تعسروا پر عمل کرتے ہوئے شرعی احکام سے مطلع فرمائیں۔ یہ تو ظاہر کہ عوام وخواص ادویہ کے استعمال کو ترک نہیں کریں گے، اگر حرمت کا فتویٰ دیا جائے تو سب مجرم ہوں گے اور شرعاً جواز کی صورت نکل سکے اور اس کے ماتحت جواز کا فتویٰ دیا جائے تو امت گناہ سے بچ جائے گی۔

اس خلاصہ سوال کے بعد حضرت ممدوح علیہ الرحمہ کے ۱۶/۳۶×۲۳ سائز کے ۱۷۵ سے ۱۸۰ تک دس صفحات پر پھیلے ہوئے نوری جواب کا بھی خلاصہ ملاحظہ کریں اور پھر دیکھیں کہ "افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ" کا کس طرح مظاہرہ ہوتا ہے اور صاحب فتاویٰ نوریہ اس الوہی فرمان کی تفسیر بنے نظر آتے ہیں۔ خلاصۃ الجواب پڑھنے سے پہلے ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان نصوص فقہیہ کے ماخذ پر ایک نظر ڈال لی جائے، جن سے آپ نے استخراج واستنباط کرتے ہوئے اس اہم عصری جدید مسئلے پر گفتگو فرمائی ہے۔ قرآن وحدیث سے استدلال کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل کتب فقہ پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے:

۱......فتاویٰ عالمگیری	۲......فتاویٰ قاضی خاں	۳......فتح القدیر
۴......کبیری	۵......بحر الرائق	۶......الدر المختار
۷......خلاصۃ الفتاویٰ	۸......بدائع صنائع	۹......طحطاوی علی الدر
۱۰......فتاویٰ رضویہ		

اب ذرا مذکورہ بالا مستند و معتبر کتب کی روشنی میں لکھے گئے نوری جواب کا خلاصہ پڑھیے اور مشام جاں کو نور ایمان سے منور کرنے کا سامان کرتے ہیں، آپ رقم طراز ہیں:

"ہاں اس میں شک نہیں کہ انگریزی ادویہ کا استعمال شرقاً، غرباً، عرباً، عجماً عام ہو چکا ہے اور یہ بھی متیقن ومتعین کہ تمام دواؤں میں عموماً شراب کی ملاوٹ نہیں ہوتی بلکہ صرف تر اور سیال دواؤں میں سے بعض میں ہوتی ہے اور وہ بھی یقین نہیں کہ انگوری ہوتی ہے، تو ایں دریں حالات غیر مسکر دواؤں کا استعمال جائز وحلال ہونا چاہیے کہ ایک ایک دوائی کے متعلق شراب کی آمیزش یقینی نہیں ہے۔ حالاں کہ یہ امر متحقق ہے کہ اشیاء

میں اصل اباحت ہے۔ و ذالک ثابت کالشمس و الامس من الآیات المتکاثرۃ و الاحادیث المتوافرۃ و نصوص الائمۃ الکرام و المشائخ العظام علی کثرتھا۔

حرمت ونجاست عارضی ہیں، لیکن ان کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ خصوصی دلیل ہو اور محض شکوک وظنون سے ان کا اثبات ممکن نہیں اور یہ بھی واضح کہ احتیاط یہ نہیں کہ بے تحقیق بالغ وثبوت کامل کسی شے کو حرام ومکروہ کہہ کر افتراء کیا جائے۔ انگریزی ادویہ میں عموم بلویٰ اور ابتلاء کا اعتبار ہونا چاہیے (اس لیے کہ) ہمارے پیارے ارحم الراحمین رب تبارک وتعالیٰ اور سراپائے رحم وکرم محبوب اعظم ﷺ کے نزدیک تیسیر پسند اور حرج وتعسیر مرفوع ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر--- [پارہ:۲، رکوع:۷]

البتہ ایلو پیتھک ادویہ کی طرح ہومیو پیتھی ادویہ کا استعمال فقیر کی نظر میں حد ابتلاء تک نہیں پہنچ سکا، تو ان میں اباحت اصلیہ اور عدم تیقن نجاست سے ہی جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ رہی استحالہ نوعی والی دلیل تو نظر حاضر اس کی تائید نہیں کر سکتی کیوں کہ کتب فقہ کی تصریحات سے متعین ہے کہ انقلاب واستحالہ کے دو قسم ہیں، خلقی اور مصنوعی۔ خلقی انقلاب سے طہارت کا آجانا مسلم ہے، جیسے پانی گوبر وغیرہ کی کھاد سے درخت اور پودے یا بیلیں پرورش پائیں تو پانی اور کھاد کے اجزا یقیناً ان کے جزو بن کر منقلب اور مستحیل ہو جاتے ہیں، جیسے نطفہ کا علقہ ومضغہ بن کر ذی روح بن جانا، تو ایسا انقلاب واستحالہ یقیناً مطہر ہے۔

اسی طرح حضرت محرر مذہب امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک کان نمک میں خنزیر وحمار کا نمک بن جانا بھی خلقی انقلاب ہے، لیکن مصنوعی انقلاب واستحالہ یعنی انسان کا دو چار چیزوں کو ملا کر مرکب تیار کر لینا کہ ترکیب سے ہیئت سابقہ ضرور بدل جاتی ہے اور مفردات کے بعض اوصاف بھی برقرار نہیں رہتے، ایسے انقلاب سے پلید چیز کا پاک ہو جانا محل نظر ہے، مثلاً پانی یا شراب سے آٹا گوندھ کر روٹی پکائی گئی یا شوربا میں شراب ڈالی گئی تو یہ تریاق اور روٹی شوربا پلید ہے اور ان کا استعمال حلال نہیں۔

بہر حال تحقیق یہ ہے کہ ایسا مرکب جس کے سب اجزا یا بعض پلید ہوں وہ صرف اس مصنوعی ترکیب واستحالہ سے طاہر وحلال نہیں ہو سکتا ورنہ لازم کہ شراب سے گوندھے ہوئے آٹے کی روٹی یا وہ حلوہ جس میں شراب کے چند قطرے یا خنزیر کی چربی ڈال کر بنایا گیا، سب طاہر وحلال بن جائیں، کیوں کہ ان میں مصنوعی انقلاب واستحالہ پایا گیا ہے کہ اس ترکیب کی وجہ سے تغیر پایا گیا اور مرکب دوسری نئی چیز بن گیا اور بعض وصفیں ضرور منعدم ہوگئیں اور بعض نئے فوائد وخواص بھی پیدا ہو گئے۔ حالاں کہ ان چیزوں کو فقہائے کرام نے استحالہ کا سبب فرمایا ہے۔ بدائع صنائع، جلد ۱، صفحہ ۸۵ میں ہے:

ان النجاسة لما استحالت و تبدلت اوصافها و معانيها خرجت عن كونها نجاسة۔

رہا شامی کا جلد ۱، صفحہ ۲۹۱ میں فرمانا فیہ تغیر وصف فقط اور لا مجرد انقلاب وصف فرما کر یہ تاثر دینا کہ صرف انقلاب وصف سے استحالہ ثابت نہیں ہوتا تو یہ مفردات کی انفرادی صورتوں کے متعلق فرمایا ہے، مرکبات کے متعلق نہیں، ورنہ تصریحات کے مقابلہ میں اس قد یقال کے مقول کا کیا اعتبار۔ بہر حال اشیاء مذکورہ میں یہ مصنوعی انقلاب واستحالہ پایا جاتا ہے مگر پھر بھی وہ ناپاک ہیں اور حلال نہیں لہٰذا کبیری، صفحہ ۱۸۶ اور طحطاوی علی الدر، جلد ۱، صفحہ ۱۶۸ میں اس کا رد بلیغ فرمایا۔

الحاصل وجہ سابق کی بنا پر ایسی انگریزی ادویہ جو مسکر نہ ہوں اور ان میں انگوری شراب کی ملاوٹ کا شرعی یقین بھی نہ ہو، وہ اندریں زمانہ مطلقاً جائز الاستعمال ہونی چاہئیں اور اگر مریض شرعی مضطر ہو تو شرائط معروفہ سے مضطر الیہ دوائی کا استعمال مطلقاً جائز ہے۔ و لو خمرا خالصا كما فى اسفار المذهب المهذب--- [ملخصاً فتاوی نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۵۷۱ تا ۵۷۸]

فتویٰ کا ایک ایک لفظ زبان حال سے اپنے محرر کی وسعت علمی اور کثرت دلائل کا اظہار کر رہا ہے--- فافهم و تدبر

✿✿✿✿✿

ہوائی جہاز اور چلتی ہوئی ٹرین میں نماز

جب سے ریل گاڑی، ٹرین اور دیگر جدید سواریاں ایجاد ہوئی ہیں، اس وقت سے اہل علم کے ہاں یہ مسئلہ بھی تحقیق وتدقیق کا موضوع بن گیا ہے کہ چلتی ٹرین بالخصوص ہوائی جہاز میں ادائیگی نماز کی حیثیت کیا ہوگی، وہ ادا ہوگی یا واجب الاعادہ ہے اور پھر یہ کہ اس میں قیام یا عدم قیام سے متعلق کیا حکم ہوگا؟ غرض اس قسم کے بہت سے سوالات اٹھائے جاتے رہے ہیں اور آج بھی اٹھائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہر دور میں مفتیان دین متین نے نظائر و دلائل پر نظر رکھتے ہوئے معروضی حالات کے مطابق فتویٰ کی صورت میں حکم شرعی وضع کیا اور عامۃ الناس کو شرعی سہولت فراہم کی ہے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوگا تو اس میں کسی قسم کا موقف رکھنے والے علماء کی آراء و دلائل میں بھی فرق ہوگا، کسی کے دلائل قوی اور کسی کے دلائل کمزور ہوں گے۔ کوئی اپنی تحقیقات کے نتیجہ میں درست اور صحیح رائے قائم کرسکا ہوگا اور کسی کی رائے راہ صواب سے ہٹ کر ہوگی۔ اس لیے بعد میں آنے والے اہل علم وفضل اور صاحبان کمال پر یہ بات لازم ہے کہ وہ آنکھیں بند کر کے اپنے پسندیدہ علماء کی رائے پر عمل کرنے کے بجائے تحقیق وجستجو سے کام لیں اور مختلف فیہ مسائل میں ہر قسم کی آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے ان میں سے اس رائے کو اختیار کریں جو شریعت کے مسلمہ اصول وضوابط پر پورا اترے۔

چلتی ٹرین میں ادائیگی نماز بھی چوں کہ ایک اختلافی مسئلہ ہے، اس لیے آیئے لکیر کے فقیر بننے کی بجائے ہم اس بارے میں مختلف فقہائے پاک وہند کی آراء و فتاویٰ پر ایک تحقیقی نظر ڈالتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ان کی رائے کیا ہے اور اس کی بنیاد کن دلائل پر قائم ہے۔

چلتی ٹرین میں نماز سے متعلق مولانا عبد الحی لکھنوی کی رائے

مولانا عبدالحی لکھنوی نہ صرف یہ کہ ہندوستان کے ایک معتدل مزاج عالم ہیں بلکہ وہ تمام مکاتب فکر کے مسلمہ علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا عبدالحی موصوف اپنے معروف عام فتاوٰی ''مجموعۃ الفتاوٰی'' میں علامہ سید امیر احمد کے ایک فتوٰی کی تائید کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز فرض ہو یا غیر فرض، ریل گاڑی میں چلتی ہوئی ہو یا رکی ہوئی، جائز ہے''---[مجموعۃ الفتاوٰی، جلد ا، صفحہ ۲۰]

مولانا عبدالحی صاحب نے اپنی اس رائے میں کسی قسم کی دلیل ذکر نہیں کی اور نہ فقہائے اسلام میں سے کسی سے استشہاد کیا ہے۔ البتہ مولانا علامہ سید امیر احمد حسین کے فتوٰی کی تائید میں انہوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے۔ ۸/۲۳×۳۶ کے دو صفحات پر مشتمل مولانا سید امیر احمد صاحب نے اپنے اس فتوٰی میں جن کتب فقہ سے استشہاد کیا ہے، ان میں یہ کتب شامل ہیں:

ا......نہر الفائق	۲......مجمع الفتاوٰی	۳......فتح القدیر
۴......عینی شرح کنز	۵......در مختار	۶......رد المحتار
۷......شرح منیہ	۸......تاتار خانیہ	۹......ارشاد الساری شرح بخاری
۱۰......قسطلانی	۱۱......ظہیریہ	۱۲......فتاوٰی قاضی خاں

سائل کا سوال ملاحظہ

''چلتی ہوئی ریل میں نماز فرض اور واجب اور سنت فجر بلا عذر جائز ہے یا نہیں اور جان و مال یا سواری کا تلف ہونا اور ساتھیوں سے الگ ہو جانا عذر شرعی ہے یا نہیں؟

مولانا سید صاحب موصوف کے مذکورہ سوال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے:

''سب نمازیں چلتی ہوئی ریل میں بلا عذر جائز ہیں......فرض نماز سواری پر بلا عذر درست نہیں ہے اور اعذار میں سے یہ ہے کہ سواری پر سے اترنے میں اپنی جان یا سواری سے متعلق کسی درندہ یا چور کا خطرہ و خوف ہو یا ایسی جگہ پر ہو جہاں کوئی حصہ زمین خشک نہ ہے یا سواری سرکش ہو کہ بغیر دوسرے کی مدد کے اس پر سے نہ اتر سکتا ہو

یا بہت بوڑھا ہو............ یا ایسی جگہ ہو جہاں خشک زمین نہ ملے۔ صاحب درمختار نے بارش اور ساتھیوں کے چلے جانے کو بھی عذر مانا ہے"---

[مجموعۃ الفتاویٰ، جلد ا، صفحہ ۲۰۰-۲۰۱ ملخصاً]

سید صاحب نے اپنے فتویٰ کی بنیاد تو اگرچہ معتمد کتب فقہاء اور فتاویٰ پر رکھی ہے لیکن انہوں نے صرف نقل عبارات پر ہی اکتفا کرلیا ہے، جس سے ان کی علمی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے

امداد الفتاویٰ، جلد اول میں چار سوالات بترتیب ۳۹۷، ۳۹۶، ۳۹۵، ۳۹۴، ہوائی جہاز اور چلتی گاڑی میں نماز کا مسئلہ، اسی مسئلہ سے متعلق ہیں، ان میں سے پہلا سوال (۳۹۴) ملاحظہ ہو:

سوال بسواری ریل کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر نماز ادا کرنا چاہیے، اگر کھڑے نماز ادا کی جاتی ہے تو چھت ریل کی سر پر لگتی ہے، دوم یہ کہ جو تختہ جانب پورب ہے اور جانب پچھم کے تخت کے درمیان میں فاصلہ اس قدر ہے اور درمیان میں جگہ بھی خالی ہے کہ اندیشہ گرنے کا ہے، سوم یہ کہ حالت قیام ریل اتر کر نماز ادا کرنے میں یہ خیال ہے کہ ریل روانہ ہوجائے گی اور مال کا بھی نقصان ہوگا اور خود بھی رہ جائیں گے تو ان حالات مذکورہ میں کس طرح نماز ادا کرے؟

مولانا تھانوی سوال مذکورہ کے جواب میں لکھتے ہیں:

"نماز پڑھنے کے لیے ریل سے اترنے کی کوئی حاجت نہیں، اگر ریل مثل سریر موضوع علی الارض کے ہے تو ظاہر ہے اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے"---

[امداد الفتاویٰ، جلد ا، صفحہ ۳۷۸]

اس پر مولانا تھانوی اپنے موقف کی تائید میں فتاویٰ شامی سے دو عبارات نقل کرتے ہیں، ازاں بعد قیام کرنے سے متعلق لکھتے ہیں:

"پس ہرگاہ معلوم ہوا کہ اترنے کی کچھ حاجت نہیں تو اگر قیام پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے، خواہ کسی شکل سے بیٹھے۔ او وجد المًا شدیدًا صلی قاعدًا کیف شاء علی المذھب [درمختار، صفحہ ۵۰۹] صلی الفرض فی

فلک جاز قاعدا بلا عذر صح لغلبة العذر و اساء و قالا لا یصح الا بعذر و هو الا ظهر برهانا [درمختار، صفحہ ۵۱۲] اور اگر رکوع وسجود بوجہ زیادتی فصل درمیان شرقی وغربی تختوں کے متعذر ہوں تو اشارہ سر سے رکوع وسجدہ کرے لیکن معمولی وقت کو تعذر نہ سمجھا جائے اور سجدہ کو رکوع سے ذرا پست کرے، و ان تعذر او ما قاعدا و یجعل سجوده اخفض من رکوعه [درمختار، صفحہ ۵۰۹]

[امداد الفتاویٰ جلد ا، صفحہ ۳۷۹]

مولانا تھانوی کے محولہ بالا جواب سے جو بات واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ریل کے سفر میں اگر مسافر قیام پر قدرت نہیں رکھتا تو پھر بیٹھ کر نماز ادا کرلے اور اگر تختوں کے درمیان زیادہ فاصلہ ہو تو سر کے اشارہ سے بھی نماز ادا کرنا درست ہے۔ ایک طرف تو مولانا اتنی سہولت دے رہے ہیں جب کہ دوسری طرف یہی مولانا صاحب ایک پٹری (تختہ) پر بیٹھ کر پاؤں لٹکائے ہوئے دوسرے تختہ پر سجدہ کرنے پر جو حکم لگاتے ہیں، وہ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ پہلے سوال، پھر جواب۔ مولانا تھانوی سے سوال کیا گیا:

''ریل کے سفر میں جو مواقع پیش آتے ہیں، وہ ذیل میں عرض کیے جاتے ہیں:

بحالتے کہ ریل چلتی ہوئی ہے اور بیٹھنے کی پٹری موافق رخ قبلہ نہیں ہے، یعنی شمال وجنوب ہے اور آئندہ سٹیشن پہنچنے سے قبل وقت جاتا رہے گا یا اسٹیشن پر اتر کر نماز ادا کرنا بوجہ قلت قیام ممکن نہ ہوگا تو ایک پٹری پر بیٹھ کر اور پاؤں لٹکا کر دوسری پٹری پر سجدہ کرنا اس طرح درست ہوگا یا کیا خواہ جماعت ہو یا تنہائی؟

مولانا تھانوی کا جواب ملاحظہ ہو:

''بیٹھنا بلا عذر درست نہیں، ایک پر کھڑا ہو دوسری پر سجدہ کرے''۔۔۔

[امداد الفتاویٰ، جلد ا، صفحہ ۳۸۱]

دونوں فتووں (جوابات) میں فرق صاف ظاہر ہے۔ ایک ہی مسئلہ سے متعلق دو جوابات ایک میں اتنی سہولت کہ اشارہ سر سے نماز پڑھنا جائز، جب کہ دوسری جگہ بیٹھ کر رکوع وسجدہ سے نماز درست نہ ہو۔ اس پر بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا:

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

صاحب فتاویٰ نوریہ کی نور افزاء اور بصیرت افروز تحقیقات

چلتی ریل میں نماز پڑھنے سے متعلق مولانا عبدالحی لکھنوی، مولانا تھانوی وغیرہم کی آراء جاننے کے بعد اب آیئے ہم صاحب فتاویٰ نوریہ حضرت فقیہ اعظم ابوالخیر علامہ مفتی محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز کی اس مسئلہ میں نور افزا اور بصیرت افروز تحقیقات پر ایک تحقیقی وتنقیدی نگاہ ڈالتے ہیں کہ آپ اس مسئلہ میں کیا رائے رکھتے ہیں اور کن دلائل کی بنیاد پر آپ نے وہ رائے قائم کی ہے۔

ممتاز عالم دین مولانا ابوالنصر منظور احمد شاہ صاحب نے حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ سے چلتی ہوئی ریل گاڑی میں نماز سے متعلق سوال کرتے ہوئے دریافت کیا:

''اتحاد المکان و استقبال القبلۃ شرط فی الصلوٰۃ غیر النافلۃ''
کے پیش نظر چلتی ریل گاڑی میں فرض نماز کی ادائیگی کیسی ہے؟ بصورت عدم مندرجہ بالا عبارت کا مطلب کیا ہے، بصورت لا کشتی و جہاز میں کیسا جواز؟ ریل گاڑی، تیل گاڑی، کشتی وجہاز ایک ہی حکم میں ہیں''---

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''چلتی ریل گاڑی، چلتی کشتی کے مشابہ ہے کہ دونوں کسی جانور کے کھینچنے سے نہیں بلکہ ہوا و بھاپ کے ذریعہ چلتی ہیں اور کشتی باوجودیکہ پانی کے اوپر چلتی ہے اور زمین یا کسی ایسی ٹھوس چیز پر نہیں چلتی جس پر بلاواسطہ سجدہ یا قیام ہو سکے مگر پھر بھی اس میں فرض نماز بھی جائز ہے۔ بحکم احادیث مرفوعہ وموقوفہ، مستدرک وسنن بیہقی و دار قطنی وغیرہا اور یہی متون وشروح وحواشی وفتاوائے فقہیہ سے ثابت ہے بلکہ یہ امر بھی مصرح ہے کہ کنارہ نزدیک ہو اور اتر کر زمین پر پڑھ سکتا ہو تب بھی بیٹھ کر کشتی میں پڑھ سکتا ہے''---[فتاویٰ نوریہ، جلد۱، صفحہ۲۰۸]

اپنے اس موقف کی تائید میں حضرت ممدوح نے درج ذیل معتبر ومستند کتب فقہا اور فتاویٰ سے تصریحات پیش کی ہیں:

۱.....المبسوط	۲.....خلاصۃ الفتاویٰ	۳.....فتاویٰ سراجیہ
۴.....فتاویٰ الھندیہ	۵.....بدائع صنائع	۶.....تبیین الحقائق
۷.....تلاوت بدائع	۸.....بحر الرائق	۹.....در مختار
۱۰.....رد المحتار	۱۱.....فتاویٰ قاضی خان	۱۲.....در المنتقیٰ وغیرھن

اس قدر تصریحات فقہاء نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''تو اس وشمس کی طرح واضح وہویدا ہوا کہ کشتی، کشتی سوار کے لیے بمنزلۂ زمین اور کمرے کی طرح ہے، اس کا چلنا، مکان اور سوار کے تبدل کا موجب نہیں تو چلتی ریل، ریل سوار کے لئے بھی بمنزلۂ زمین اور کمرے کی طرح ہوگی بلکہ ریل میں تو پانی جیسا کوئی حائل بھی نہیں، جس پر براہ راست قیام و سجدہ وغیرہ نہ ہو سکے۔ بلکہ ایسی ٹھوس پٹری پر چلتی ہے جو تسفل جہہ کی وجہ متصور ہی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ فقہائے کرام نے بالتخصیص ایسی گاڑی پر جس کا کوئی حصہ جانور پر نہ ہو، جواز نماز فرائض کی تصریح فرمادی'' --- [ایضاً، جلد ۱، صفحہ ۲۰۹]

سائل کے سوال ''اتحاد المکان و استقبال القبلة شرط فی الصلوٰة غیر النافلة'' پر نصوص فقہاء پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''بفضلہ وکرمہ تعالیٰ ماہ نیم ماہ اور مہر نیم روز کی طرح واضح ہوا کہ ریل رواں میں فرض جائز ہیں اور شرط اتحاد المکان کے قطعاً منافی نہیں۔ رہا استقبال قبلہ تو وہ بوقت قدرت ضروری ہے۔ قبلہ رو شروع کرے اور اگر ریل سمت قبلہ سے بدل جائے تو قبلہ کی طرف پھر جائے کہ گاڑی و کشتی میں یوں پھرا جاسکتا ہے:

و ان لم یقدر فلا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعها---

مبسوط، جلد ۳، صفحہ ۳/ ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۴ وغیرہا میں ہے:

و النظم من المبسوط یلزمه التوجه الی القبلة عند افتتاح الصلوٰة و کذلک کلما دارت السفینة یتوجه الیها لانها فی حقه کالبیت''---

آخر فتویٰ میں جہاز میں نماز کی ادائیگی پر اپنی ماہرانہ اور بصیرت افروز رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بحری جہاز تو سفینہ ہی ہے، رہا ہوائی تو اس میں بھی جائز ہی ہے کہ کشتی کی طرح ''بمنزلة الارض'' اور ''کالبیت'' ہے، زمین اور اس کے درمیان پانی کی طرح ایک ایسا عنصر ہے جو خود تو قیام وغیرہ کے قابل نہیں مگر جو اس پر اڑ رہا ہے وہ قابل ہے''--- [ایضاً، جلد ۱، صفحہ ۲۱۲]

❁❁❁❁❁❁

بیمہ، انشورنس

۲۰ویں صدی میں بالخصوص اقتصادی میدان میں جن مختلف حوادث نے بڑی اہمیت اختیار کر لی ہے ان میں سے ایک بیمہ (انشورنس) پالیسی کی خریداری ہے۔ بہت سے علماء نے اپنے اپنے علم وفکر کے مطابق اس مسئلہ میں اپنی آراء پیش کی ہیں، اگر علماء کی اکثریت اس کے عدم جواز کی قائل ہے تو اس کے جائز ہونے کے قائلین کی بھی ایک تعداد پائی جاتی ہے۔ مگر ہنوز مسئلہ تشنہ لب اور تحقیق وحل طلب ہے لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں، دونوں قسم کے موقف کے حامل علماء کے اپنے دلائل ہیں، جس میں قوت وضعف میں فرق کا پایا جانا ایک بدیہی امر ہے۔

آیئے اس مسئلہ میں بھی ہم حضرت فقیہ اعظم مولانا مفتی محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز اور دیگر معاصر اہل علم کی آراء وتحقیقات پر ایک نظر کرتے ہیں تاکہ ہم اس مسئلہ کی حقیقت تک رسائی حاصل کرسکیں۔

مولانا تھانوی کی رائے

مولانا اشرف علی تھانوی کے امداد الفتاوی، جلد چہارم میں صفحہ ۱۵۵ تا ۱۵۷ پر دو سوالات، سوال نمبر ۱۹۸، ۱۹۹ بیمہ کی شرعی حیثیت سے متعلق موجود ہیں، جن کے جواب کل دو صفحات پر مشتمل ہیں، یعنی صفحہ ۱۵۵ کے نصف آخر سے لے کر صفحہ ۱۵۷ کے نصف اول تک، ان دونوں سوالات میں سے سوال کا جواب تو انتہائی مختصر طور پر صرف تین سطروں میں دیا گیا ہے، البتہ دوسرے سوال کا جواب اولاً بعض امور متعلقہ کی وضاحت طلب کی گئی ہے اور یہ بھی تین سطروں پر مشتمل ہے جس کے آخر میں لکھا گیا ہے:

’’جواب ان تحقیقات پر موقوف ہے‘‘---

پھر مولانا تھانوی کی طلب کردہ وضاحت سائل کی طرف سے جواب التنقیح کے عنوان سے ہے، جو
کل گیارہ سطروں پر مشتمل ہے۔ جن امور کی مولانا نے وضاحت طلب کی تھی، وہ درج ذیل امور تھے

۱......بیمہ کرانے والا رقم بیمہ کمپنی کو بطور قرض دیتا ہے یا کمپنی میں بطور حصہ شرکت کرتا ہے؟

۲......کمپنی کے سب ارکان کافر ہیں یا کوئی مسلمان بھی ہے؟

سائل نے ان امور کی وضاحت کی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیمہ کی رقم جمع کرانے والا بطور حصہ
داری کے شرکت نہیں کرتا بلکہ وہ اپنا روپیہ جمع کراتا ہے جو اس کو اپنے قرض میں جمع نہیں کرتی بلکہ
اپنے قانون اور طریق کار کے مطابق عمل کرتی اور اسے اپنے مصرف میں لاتی ہے۔ رقم جمع
کروانے والے کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ البتہ اسے مدت معاملہ کے مطابق منافع ملتا ہے۔ اور
یہ کہ بیمہ کمپنی کے سب ارکان کافر ہیں۔

مولانا تھانوی اس تحقیق و وضاحت کے بعد جواب دیتے ہوئے بیمہ سے متعلق اپنی رائے کا
اظہار یوں کرتے ہیں:

’’جواب تنقیح میں جو حالات لکھے ہیں، ان کی بناء پر یہ قرض ہے جو ربوا اور
قمار دونوں پر مشتمل ہے اور چوں کہ معاملہ کفار غیر ذمی سے ہے، اس لیے مسئلہ
مختلف فیہ ہے، اگر کوئی شخص بعض علماء کے قول پر جواز کی شق اختیار کر لے تو
گنجائش ہے‘‘---[امداد الفتاویٰ، جلد ۳، صفحہ ۱۵۷]

مولانا کفایت اللہ کا موقف

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا فتاویٰ جو ’’کفایت المفتی‘‘ کے نام سے مشہور ہے، اس کی جلد
ہشتم میں کتاب الربو کا دوسرا باب بیمہ سے متعلق ہے، جس میں ۲۶ سوالات کے ضمن میں ۱۸
جوابات دیے گئے ہیں، بجز چند جوابات کے جو تقریباً ۸ سے ۲۰ لائنوں پر مشتمل ہیں، نفس مضمون
سب کا تقریباً ایک ہی ہے، کہیں کہیں کچھ زیادتی نظر آتی ہے۔ مفتی کفایت اللہ صاحب انشورنس
سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سوال — زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟

جواب — زندگی کا بیمہ کرانا جائز نہیں---[کفایت المفتی، جلد ۸، صفحہ ۷۶]

سوال　　بیمہ کمپنی سے اپنی دکان یا کارخانہ کا بیمہ کرانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

جواب　　بیمہ کمپنیوں سے دکانوں، کارخانوں کا بیمہ کرانا دراصل تو ناجائز ہے کیوں کہ بیمہ، ربا اور قمار پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ دونوں ناجائز ہیں لیکن دار الحرب کے مسئلے کے لحاظ سے اس میں گنجائش ہے"--- [ایضاً، جلد ۸، صفحہ ۷۷]

حضرت فقیہ اعظم کا مختصر اور جامع جواب

بیمہ کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک استفتاء لندن سے حضرت پیر محمد کرم شاہ علیہ الرحمۃ کی وساطت سے بغرض جواب آیا تو حضرت فقیہ اعظم نے فقط ایک جملے میں ایسا جواب ارشاد فرمایا جو سونے سے تولے جانے کے قابل ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''یہ سب سود نہیں اور جائز ہے''--- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۴، صفحہ ۹۰]

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کا بظاہر یہ مختصر جواب کتنا جامع ہے کہ جادۂ فقہ کی صحرا نوردی کرنے والوں کے لیے اس میں بڑی راہنمائی پائی جاتی ہے۔

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے اس مختصر جواب سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت موصوف احکام فقہیہ میں کس قدر محتاط تھے، بیک جنبش قلم ونظر کسی چیز کو حرام قرار دے دینا یا ناجائز کہہ دینا آپ کی عادت اور طبیعت نہ تھی۔ بیمہ پالیسی کے حوالے سے آمدہ سوال میں غیر مسلم ممالک میں بیمہ کرانے سے متعلق حکم شرعی پوچھا گیا، لیکن سائل نے اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ بیمہ کرنے والی کمپنی مسلمانوں کی ہے یا غیر مسلموں کی ہے، لیکن حضرت کا جواب بہرکیف اپنے اندر وسعت رکھتا ہے اور آج معاشیات کے باب میں الجھے ہوئے ایک مسئلہ میں آپ کی رائے ظاہر ہوتی ہے کہ آپ نے بیمہ کو مطلقاً ناجائز قرار نہیں دیا۔ ممکن ہے کہ کثرت مشاغل نے حضرت کو اس مسئلہ میں اپنی تحقیقات کو آگے بڑھانے کا موقع نہ دیا ہو، ورنہ آپ کی مشاق طبیعت اور اجتہادی بصیرت سے ضرور اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اگر آپ اس مسئلہ میں تحقیقات فرماتے تو ضرور آسانی کا پہلو سامنے لاتے۔

❁❁❁❁❁❁

نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال

لاؤڈ سپیکر اس دور کی ایک اہم ایجاد ہے جو پیغام رسانی کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے کہ ایک مقرر اگر چاہے تو بیک وقت ہزاروں ہی نہیں بلکہ لاکھوں لوگوں تک اپنی آواز پہنچا سکتا ہے، اس سائنسی ایجاد نے بالخصوص دعوت وتبلیغ کے میدان میں بہت بڑا انقلاب برپا کر دیا ہے۔

لاؤڈ سپیکر کے عام ضروریات میں استعمال سے متعلق تو علماء اور محققین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، البتہ نماز کی حالت میں اس کے استعمال کے بارے میں اہل فتویٰ میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔ دلائل اگرچہ دونوں طرف ہیں لیکن موجودہ دور کے تقاضوں اور بالخصوص شریعت مطہرہ کی مقتضیات کو اگر مدنظر رکھا جائے اور پھر کوئی ایسی رائے قائم کی جائے کہ جس سے بالخصوص دین حقہ کو تقویت ملے اور دین اسلام کی ترقی کی راہیں کھل سکیں تو اہل علم وفضل اور اصحاب فکر ودانش کو مسائل جدیدہ اور سائنسی ایجادات کے حوالے سے ضرورت وقت کے پیش نظر ضرور کھولنی چاہئیں، اس لیے کہ موجودہ دور میں بالخصوص انفارمیشن ٹیکنالوجی نے جو ترقی کی ہے اس سے انکار ممکن نہیں اور دعوت دین کا فروغ ہی اس کے بغیر محالات میں سے نظر آتا ہے۔

لاؤڈ سپیکر جو جدید سائنسی ایجادات میں سے ایک اہم ترین ایجاد ہے، اس کی افادیت سے اگرچہ آج علماء بھی انکار نہیں کرتے مگر اس کے باوجود نماز میں اس کے استعمال سے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند علماء کی آراء اور پھر حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

مفتی محمد شفیع کی رائے

لاؤڈ اسپیکر کے نماز میں استعمال سے متعلق دیوبندی عالم مولانا مفتی محمد شفیع کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔ مفتی صاحب نے دیوبند میں زمانہ قیام کے دوران ۱۳۵۷ھ کو ایک رسالہ "آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام" کے نام سے لکھا، اس کا تیسرا ایڈیشن جو مفتی صاحب کے مجموعہ مقالات "آلات جدیدہ کے شرعی احکام" شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی کے پانچویں ایڈیشن کے صفحہ ۱۰ سے ۱۱۹ تک پھیلا ہوا ہے۔ رسالہ مذکورہ میں کی گئی تمام تر بحث کا خلاصہ خود مصنف مفتی صاحب موصوف کے الفاظ میں یہ ہے:

"نماز میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال میں بہت سے مفاسد ہیں، اس لیے اس سے اجتناب کیا جائے اور سنت کے سیدھے سادھے طریقے پر آواز کو دور تک پہنچانے کے لیے مکبرین کا انتظام کیا جائے، لیکن اگر کسی جگہ آلہ مکبر الصوت پر نماز ادا کر لی گئی تو نماز فاسد واجب الاعادہ نہیں ہے اور استعمال کرنے والوں کو کم از کم یہ لازم ہے کہ مکبرین کا پورا انتظام رکھیں کیوں کہ علماء کی ایک جماعت اس کو مفسد قرار دیتی ہے۔ ان کے خلاف سے خروج کی فکر کرنا چاہیے"۔۔۔۔ [مقدمہ طبع ثالث، رسالہ مذکورہ، صفحہ ۳۳]

اس خلاصہ کلام کو تحریر کرنے کے بعد اس مسئلہ سے متعلق اپنی آخری رائے بایں الفاظ درج کرتے ہیں:

"اس مسئلہ کے دو جز ہیں، ایک یہ کہ نماز میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال کیسا ہے؟ اس کا جواب اس رسالہ (مکبر الصوت کے شرعی احکام) میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ اس کے مفاسد اس کی مصلحت سے بہت زیادہ ہیں۔ اثمھما اکبر من نفعھما کا مصداق ہے۔ اس کے استعمال پر پانچ مفاسد شدیدہ (ان مفاسد کا بیان اور ان پر تبصرہ آگے آرہا ہے۔ اعظمی) کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اس لیے نماز میں اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور ترک ومنع ہی کا فتویٰ دینا چاہیے۔

دوسرا جزیہ ہے کہ اگر کسی نے کسی ضرورت یا مجبوری سے یا اپنی رائے سے اس آلہ کی آواز پر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ہو گئی یا فاسد واجب الاعادہ ہے۔

اس معاملہ میں کافی غور وفکر اور تفتیش وتحقیق اور علماء سے مراسلت ومراجعت کے

بعد رائے احقر کی یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی، اعادہ لازم نہیں۔ اس کے وجوہ یہ ہیں:

1 فساد نماز کا حکم کرنے کی وجہ سابقہ فتوئی میں اس کو قرار دیا ہے کہ اس آلہ کی آواز امام کی اصل آواز نہیں بلکہ صدائے بازگشت کی طرح اس کی مثال و حکایت یا چربہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں بلکہ خالص سائنس جدید کا مسئلہ ہے، اسی کے ماہرین سے اس کا حل ہو سکتا ہے۔

پہلی مرتبہ جب سیدی وسندی حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ماہرین سائنس سے اس کی تحقیق طلب فرمائی تو صرف حیدر آباد دکن کے ایک جواب میں ایسا لکھا گیا تھا کہ یہ آواز بعینہ متکلم کی آواز نہیں ہوتی بلکہ اس کی شبیہ و حکایت ہے۔ اس کے علاوہ بھوپال کے جواب میں اظہار تردد اور علی گڑھ یونی ورسٹی کے جواب میں پورے وثوق کے ساتھ یہ بیان کیا گیا کہ یہ آواز امام کی اصلی آواز بعینہ ہے اور اب پاکستان، کراچی، ڈھاکہ وغیرہ میں اس کی مکرر تحقیق کے وقت سب اعلیٰ ماہرین فن نے ایک ہی جواب دیا کہ یہ آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے۔ بناءً علیہ اس آواز کا اتباع، امام ہی کا اتباع ہے، اس لیے فساد نماز کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

2 عام احکام اسلامیہ شرعیہ کے ملاحظہ سے یہ امر متیقن ہے کہ جن مسائل کا تعلق فلسفیانہ تحقیق وتدقیق یا ریاضی کی باریکیوں یا اصطرلاب وغیرہ آلات سے ہے، شریعت مصطفویہ نے ان سب میں حقائق کی تحقیق وتدقیق سے اغماض کر کے محض ظواہر پر احکام دائر فرمائے ہیں، جن کو ہر خاص و عام، عالم و جاہل، شہری اور جنگلی آسانی کے ساتھ بدون استعانت آلات وحسابات معلوم کر کے خدا تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ فریضہ سے سبک دوش ہو سکے۔ رؤیت ہلال اور اختلاف مطالع کی بحث میں منجمین اور اہل ریاضی کی تحقیقات کو سمت قبلہ میں اصطرلاب کے استعمال کو اسی بناء پر مسائل شرعیہ کی بنیاد نہیں بنایا گیا، بلکہ ہلال کا مدار رؤیت پر اور سمت قبلہ کا شہر کی قریبی مساجد پر پھر محاریب صحابہ پر رکھ دیا گیا، حالاں کہ یہ فنون اور ان کے آلات عہد رسالت اور قرون مابعد میں بکثرت موجود و مروج تھے۔

اس اصول کی بنا پر مسئلہ زیر بحث میں دو نتیجے نکلتے ہیں، اول یہ کہ عبارات خالصہ

میں اس قسم کے آلات کا استعمال اصولاً پسندیدہ نہیں، جیسا کہ اس کی تفصیل اسی رسالہ کے شروع میں آچکی ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی نے ان آلات کو مسائل مذکورہ میں استعمال کر لیا تو اصل عمل صحت وعدم صحت کا مدار پھر بھی ان فنی تدقیقات پر نہیں بلکہ ظاہر حال ہی پر رہے گا، مثلاً اگر کسی شخص نے اصطرلاب وغیرہ کے ذریعہ سمت قبلہ قائم کر لی تو شرعاً اس کی صحت وعدم صحت کا معیار فن اصطرلاب کی باریکیاں نہ ہوں گی بلکہ وہی عام مساجد بلدہ کی موافقت وعدم موافقت پر مدار ہوگا۔

مذکور الصدر اصول کے مطابق آلہ مکبر الصوت کے ذریعے سنائی دینے والی آواز کو ظاہر ومتعارف عوام کے موافق متکلم کی اصل آواز ہی کہا جائے گا۔ گو فنی تدقیقات بالفرض یہی ثابت کریں کہ وہ اصل آواز نہیں بلکہ اس کا عکس ہے، کیوں کہ اس صورت میں اصل آواز اور اس آلہ کی آواز کا فرق اس قدر دقیق ہوگا کہ اس کو عوام تو کیا خود ماہرین سائنس کو بھی واضح نہ ہوا۔ اسی لیے ان میں اختلاف رہا تو ایسی تدقیقات فلسفیہ جن کا ادراک ماہر فن بھی مشکل سے کرسکیں، احکام شرعیہ کا مدار نہیں ہو سکتی بلکہ ان احکام میں حسب ظاہر اس کو اصل متکلم ہی کی آواز قرار دیا جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم"--- [آلات جدیدہ کے شرعی احکام، صفحہ ۵۹ تا ۶۱]

مفتی شفیع صاحب کے بیان کردہ مفاسد

ہم یہاں نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کے مفاسد جو مفتی صاحب نے بیان کیے ہیں، ان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تاکہ صاحب فتاویٰ نوریہ اور مفتی شفیع صاحب کے اس مسئلہ میں دلائل کا تجزیہ کرنے میں آسانی رہے۔ مفتی صاحب کے بیان کردہ مفاسد درج ذیل ہیں:

"1 نماز جیسی عبادت مقصودہ کو طریقہ مسنونہ پر قائم رکھتے ہوئے اس قسم کے آلات کے استعمال سے علیحدہ رکھنا چاہیے۔

2 کنکشن کے قطع ہو جانے یا آلہ کے خراب ہو جانے کی صورت میں نماز میں خلل پیدا ہوگا اور یوں لوگوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

3 نماز کے لیے خشوع وخضوع ضروری ہے لیکن مکبر الصوت کا استعمال خشوع کو فوت کر دیتا ہے، اس لیے نماز میں سپیکر کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے۔

4 اسلام نے تمام عبادات میں مساوات کو ملحوظ رکھا ہے تاکہ ہر حیثیت کے مسلمان عبادات، یکسانیت اور مساوات کے ساتھ ادا کر سکیں۔ اس لیے اگر لاؤڈ سپیکر کو مستحسن سمجھا جائے تو یہ صرف پیسے والے ہی خرید سکیں گے اور غریب مساجد والے پیچھے رہ جائیں گے، اس طرح مسجد اور نماز میں امیر و غریب کی تفریق نظر آئے گی، جو اسلام کی حکمت کے خلاف ہے۔

5۔ قریب قریب مسجدوں کی صورت میں لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ دونوں اماموں کی آواز آپس میں ٹکرائے گی اور خلط ملط ہوں گی، جس سے نمازیوں کو پریشانی ہوگی"۔۔۔

ان مفاسد خمسہ کو بیان کرنے کے بعد مفتی صاحب رقم طراز ہیں:

"ان مفاسد کثیرہ اور ایک فائدہ کا مقابلہ کر کے دیکھیں تو کوئی سمجھدار انسان اس کے نماز میں استعمال کو مستحسن نہیں کہہ سکتا۔ کسی چیز کے مفاسد سے قطع نظر کر کے اس سطحی فائدے کو دیکھنا اور اس کے پیچھے پڑ جانا کسی دانش مند کا کام نہیں۔

6 فقہا کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں ائمہ مجتہدین یا علماء میں اختلاف ہو تو مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ خروج عن الخلاف سے نکلنے کی کوشش کی جائے، یعنی عمل میں جہاں تک ممکن ہو ایسی صورت اختیار کی جائے جو کسی کے نزدیک فاسد نہ قرار پائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنے تمام اعمال میں اس کی رعایت فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی مشورہ دیتے تھے۔ مسئلہ مکبر الصوت میں اگرچہ ہماری تحقیق و تفتیش کا نتیجہ یہی ہوا کہ نماز فاسد نہیں، لیکن بہر حال بہت سے علماء کی تحقیق اور ان کا فتویٰ آج بھی یہ ہے کہ یہ اصلی آواز نہیں اور نماز میں اس کا اتباع مفسد نماز ہے۔ مسلمہ قاعدہ فقہیہ کا مقتضا یہ ہے کہ ایسی چیز سے اجتناب کیا جائے جس میں بعض علماء حق فساد نماز کا حکم کرتے ہوں تاکہ ہماری نماز فساد کے شبہ میں نہ پڑے۔ [بدائع صنائع]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قواعد اصول شرعیہ و عقلیہ کا مقتضا اس معاملہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم کہ آلہ مکبر الصوت کا استعمال نمازوں میں درست و مناسب نہیں، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ سادہ طریقہ مسنونہ کے ساتھ بڑی

جماعتوں میں مکبرین کے ذریعہ تکبیرات انتقالیہ کی آواز آخری صفوف تک پہنچائی جائے۔ یہی جامع خیرات و برکات اور مفاسد سے پاک طریقہ ہے، اسی کو اختیار کرنا چاہیے"---[ملخصاً، رسالہ مذکور، صفحہ ۳۱ تا ۴۷]

مفتی صاحب کے بیان کردہ ان مفاسد یا شبہات پر اگر کسی قسم کے تعصب اور تنگ نظری سے بالاتر ہو کر غور کیا جائے تو ایک معمولی فہم رکھنے والا شخص بھی ان کو سطحی قسم کے شبہات ہی قرار دے گا، اس لیے کہ ان بیان کردہ مفاسد میں اکثر ایسے ہیں کہ جو انسانی عقل کو بالکل اپیل ہی نہیں کرتے مفتی صاحب کے بیان مفاسد کا ہی یہ حال نہیں بلکہ اساطین دیوبند میں سے بالخصوص مولانا حسین احمد مدنی نے بھی اس بارے میں جن دلائل پر اپنے موقف کی بنیاد رکھی ہے وہ بھی قیاس مع الفارق کے ذیل میں آتے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

" 1 نماز میں کسی ایسے شخص کی آواز کا اتباع کرنا جو داخل نماز نہ ہو مفسد نماز ہے، اس لیے اگر کسی جگہ امام کو سہو ہو اور کوئی ایسا شخص جو امام کے ساتھ جماعت میں شریک نہیں لقمہ دے دے تو امام کو اس کا لقمہ لینا جائز نہیں، اگر لیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

2 آلہ مکبر الصوت سے نکلی ہوئی آواز بعینہٖ امام کی آواز نہیں بلکہ صدائے باز گشت کی طرح ہے اور حضرات فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ صدائے بازگشت کو اس آدمی کی اصل آواز نہیں کہا جا سکتا جس کی یہ بازگشت ہے۔

3 مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر آلہ مکبر الصوت کی آواز بھی چوں کہ اصل امام کی آواز نہیں بلکہ صدائے بازگشت کی طرح ہے اور یہ آلہ نہ انسان کی طرح مکلف ہے، نہ نماز میں داخل ہے، نہ کسی عبادت یا تحریمہ نماز کے قصد و نیت کا اس آلہ کے متعلق کوئی سوال و احتمال ہو سکتا ہے، اس لیے ان کی آواز سے نماز میں استفادہ کرنا اور نماز کی نقل و حرکت میں اس کا اتباع کرنا مفسد نماز ہے"---

[فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مندرجہ رسالہ مذکور، صفحہ ۳۸، ۳۹]

اسی طرح بعض علماء دیوبند نے اس کو تلقن من الخارج میں داخل کرتے ہوئے فساد نماز کا فتویٰ دیا، جیسا کہ مفتی صاحب کے رسالہ میں مذکور ہے۔

حضرت فقیہ اعظم کی تحقیق

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے مذکورہ بالا تمام دلائل وشبہات میں سے اکثر تو عقل انسانی کو اپیل ہی نہیں کرتے تو بعض ان میں سے زیر بحث مسئلہ کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس جب ہم آلہ مکبر الصوت کی شرعی حیثیت اور اس کے استعمال سے متعلق محقق عصر، فقیہ اعظم حضرت مولانا ابوالخیر مفتی محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز کے بیان کردہ دلائل کا جائزہ لیتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ قدرت نے بصیر پور کے اس عظیم سپوت کو کس قدر بصیرت عطا کی تھی کہ جس کے سامنے کوئی بھی بڑے سے بڑا پیچیدہ مسئلہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، بلکہ آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کی اس طرح عقدہ کشائی کرتے ہیں کہ اس کی ایک ایک جزئی تک کو روز روشن کی طرح واضح وعیاں کر کے بیان فرمادیتے ہیں۔ مثلاً یہی مسئلہ نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال سے متعلق ایک استفتاء ابوالنصر صاحب (ابوالنصر مولانا منظور احمد شاہ) گول چوک منٹگمری کی طرف سے آپ کی خدمت میں آیا، تو آپ نے اس کے جواب میں ایک تحقیقی رسالہ "مکبر الصوت" کے نام سے لکھا اور مسئلے کے ایک ایک پہلو پر اس انداز سے قلم اٹھایا کہ دلائل ایک علمی کہکشاں نظر آتے ہیں۔ آپ کے بیان کردہ دلائل وبراہین کا ذکر کرنے سے پہلے مناسب یہ ہے کہ اس رسالہ کا تعارفی خاکہ پیش کر دیا جائے۔

رسالہ مکبر الصوت کا تعارفی خاکہ

فتاویٰ نوریہ کی جلد ا کے صفحہ ۳۶۳ سے ۳۹۱ تک پھیلے ہوئے اس تحقیقی رسالہ، جس کا ایک ایک لفظ لولوئے آبدار کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا ہے، کو بارہ تمہیدی مقدمات اور دو وصلوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔۔۔۔۔مقدمہ اولیٰ	اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ صفحہ ۳۷۰ تا ۳۷۲
۲۔۔۔۔۔مقدمہ ثانیہ	بلا دلیل خاص شرعی کسی شے کو حرام ومکروہ کہنا جھوٹ اور حرام ہے۔ صفحہ ۳۷۲
۳۔۔۔۔۔مقدمہ ثالثہ	بلا تحقیق وثبوت کا مل حرام ومکروہ کہنا افتراء ہے۔ صفحہ ۳۷۳
۴۔۔۔۔۔مقدمہ رابعہ	قوی گمان ممانعت نہ ہو تو تحقیقات کی ضرورت نہیں۔ صفحہ ۳۷۳ تا ۳۷۴
۵۔۔۔۔۔مقدمہ خامسہ	اطلاق مطلق بمنزلہ نص ہے۔ صفحہ ۳۷۴ تا ۳۷۵

۶.....مقدمہ سادسہ　صوت وصدا کی تعریفیں بمع فوائد ضروریہ۔ صفحہ ۳۷۵ تا ۳۷۹

۷.....مقدمہ سابعہ　صوت وصدا کی تعریفیں بمع فوائد ضروریہ۔ صفحہ ۳۷۹ تا ۳۸۰

۸.....مقدمہ ثامنہ　آنکھ، کان وغیرہ حواس خمسہ۔ صفحہ ۳۸۰

۹.....مقدمہ تاسعہ　کسی امر کی انجام دہی قدرت فعل کے ساتھ لازم ہوتی ہے۔ صفحہ ۳۸۰ تا ۳۸۱

۱۰.....مقدمہ عاشرہ　مقتدی کی اقتدائے حقیقی۔ صفحہ ۳۸۱ تا ۳۸۵

۱۱.....مقدمہ حادیہ عشرہ　معذور نمازی کی حالت میں نماز خارج نماز آدمی اصلاح کرسکتا ہے۔ صفحہ ۳۸۵ تا ۳۹۴

۱۲.....مقدمہ ثانیہ عشرہ　اجابت فعلیہ۔ صفحہ ۳۹۵ تا ۳۹۸

ان بارہ مقدمات کے بعد تفصیلی جواب شروع ہوتا ہے، جس کو دو وصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱.....وصل اول　اثبات جواز میں۔ صفحہ ۳۹۹ تا ۴۰۳

۲.....وصل دوم　شبہات عدم جواز کا رد۔ صفحہ ۴۰۳ تا ۴۱۶

وصل دوم میں مسئلہ کی ایک ایک جزئی کو واضح کرنے کے لیے چھ وضاحتیں کی گئی ہیں اور ان کے علاوہ دونوں وصلوں میں اپنے جواب کو مزید موکد بنانے کے لیے بعض مقامات پر تنبیہات کے عنوان سے بعض پیدا ہونے والے شبہات کو دور کیا گیا ہے۔

صفحہ ۴۱۶ پر مکبر الصوت کا سوال دوم شروع ہوتا ہے، جو حضرت مولانا ابوالفیض علی محمد نوری (رازی) کا پیش کردہ استفتاء ہے، جس میں چھ مفاسد کا ذکر ہے۔ حضرت فقیہ اعظم نے تمام کا تفصیلی اور تسلی بخش جواب دیا ہے۔ اختتام رسالہ پر ایک ضمیمہ ہے:

ضمیمہ مکبر الصوت، صفحہ ۴۲۷ تا ۴۵۵

ضمیمہ کے بعد پھر اسی مسئلہ سے متعلق چھ مختلف استفتاءات ہیں، جن میں پانچواں استفتاء بارہ سوالات پر مشتمل ہے، جو ماہنامہ نوری کرن بریلی میں بصورت استفتاء شائع ہوئے، راقم کے خیال میں غالباً یہ مباحث بھی ضمیمہ کا حصہ ہیں، بہر کیف ان تمام سوالوں کے جواب جو پوری شرح و بسط سے دیے گئے ہیں، وہ فتاویٰ نوریہ کی جلد ا کے صفحہ ۴۵۵ سے ۴۹۲ تک پھیلے ہوئے ہیں۔

حضرت فقیہ اعظم کے اس عظیم علمی شاہکار کے اس تعارفی خاکہ سے آپ کے وسعت مطالعہ، علم نظر اور نظر و فکر کی گہرائی و گیرائی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال سے پیدا ہونے والے جن مفاسد کا ذکر مفتی محمد شفیع صاحب کے رسالہ ''آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام'' میں کیا گیا تھا، ذیل میں ہم مقالہ کی طوالت کے خوف سے استفتاء کی عبارت کو نقل کیے بغیر صرف آپ کے جوابات کا خلاصہ ہی عرض کر رہے ہیں:

مفتی صاحب کراچی والے

نماز عبادت مقصودہ ہے، اس میں ایسے آلہ مکبر الصوت کا استعمال نہ چاہیے۔

نوری تحقیق (مفتی شفیع کے بیان کردہ مفاسد کا تجزیہ)

سائل نے پہلا مفسدہ یہ بتایا کہ نماز عبادت مقصودہ ہے...... الخ۔ اس نام نہاد مفسدہ کی صرف اس بات پر ہے کہ مبلغ (جسے مکبر بھی کہا جاتا ہے، جو امام کی تکبیرات سناتا ہے) کا قائم مقام کرنا عبادت مقصودہ ہے، یعنی اس کی مشروعیت محض رضائے الٰہی ہوتی ہے، اس پر جو اثر و ثمرہ میں ظاہر ہے، وہ مقصود اصلی نہیں، بلکہ یہ خود ہی مقصود ہے۔ مگر یہ بات محض بے بنیاد اور واقع کے خلاف ہے۔ اس کا نام (مبلغ یا مکبر) ہی واضح کرتا ہے کہ دوسروں کو انتقالات امام کی اطلاع مقصود ہے...... اس کے بعد صحیح مسلم کی دو احادیث، رسائل شامی، صفحہ ۱۳۸ کے حوالے نقل کر کے اس کا مشروع ہونا ثابت کیا اور یوں لکھا:

''منادی (مبلغ یا مکبر) عیدین و جمعہ کی نمازوں میں بلند آواز سے تکبیر کہتا ہے، اعلام قوم کے لیے اور اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی، اس کے ساتھ مسلمانوں کی عادت جاری ہو چکی ہے (یعنی اجماع عملی ہے) کہ مکبر کا بلند آواز سے تکبیر کہنا نمازیوں کے سنانے کے لیے ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر مبلغ کا قائم کرنا عبادت مقصودہ ہوتا تو نماز کے دوسرے افعال مقصودہ کی طرح ہر نماز میں قائم کیا جاتا، تو ثابت ہوا کہ عبادت مقصودہ نہیں بلکہ امام سے دور مقتدیوں کے اتمام نماز کا (بحکم تعاونوا علی البر و التقوی احادیث مذکورہ کی روشنی میں) ذریعہ و وسیلہ جائزہ ہے...... تعجب ہے مفتیان سائل نے نماز کے عبادت مقصودہ ہونے سے اس کا عبادت مقصودہ ہونا ثابت کیا ہے، حالاں کہ خود فرماتے ہیں کہ حج نماز کی طرح عبادت مقصودہ ہے اور پھر خود ہی تصریح کرتے ہیں کہ حج کے تمام افعال عبادت مقصودہ نہیں ہیں بلکہ بعض افعال حج محض ذریعہ عبادت ہونے کی وجہ سے عبادت سمجھے جاتے ہیں، بلکہ یہ بھی خود ہی مانتے

ہیں کہ نماز کے افعال متعلقہ حج کے افعال متعلقہ کی طرح کبھی عبادت مقصودہ نہیں، بلکہ محض تکمیل نماز کا ذریعہ ہونے کے سبب ہیں، تو روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ نماز کا عبادت مقصودہ ہونا اقامت مبلغ کے عبادت مقصودہ ہونے کو مستلزم نہیں اور واقعات بتاتے ہیں کہ ذریعہ تکمیل نماز غیر ہے۔ تو انہی کی تصریح کے مطابق اس میں بھی تغیر و تبدل جائز ہوگا، جب کہ اصل مقصود (دور کے مقتدیوں کا مطلع ہو کر امام کی پیروی کرنا) کسی ذریعہ سے پورا ہو جائے تو ذریعہ بدلنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا اور چونکہ لاؤڈ اسپیکر بھی ذریعۂ اطلاع ہے تو اس کے استعمال میں بھی کوئی حرج اور گناہ نہیں ہوگا، جیسے اذان، کہ وہ بھی ذریعۂ اطلاع و اعلام ہے اور سب مانتے ہیں کہ اسپیکر پر جائز ہے اور بدعت نہیں، حالاں کہ پہلے بلا اسپیکر ہی ہوا کرتی تھی...... پھر ان مفتیوں کا اقامت مبلغ کو طریقہ مسنونہ کہنا ان کی سہل انگاری کا نتیجہ ہے، ورنہ حضور پرنور ﷺ یا خلفائے راشدین سے کسی کتاب متداول حدیث وفقہ میں یہ منقول نہیں کہ اقامت مبلغ (مبلغ کا قائم کرنا) کیا ہو، تو طریقہ مسنونہ کیسے بنا؟ ہاں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوران مرض میں خود بخود مبلغ (تکبیرات سنانے والا) بننا دو مرتبہ ثابت ہے، مگر اقامت مبلغ اور ہے اور مبلغ بننا اور، پھر اس مبلغ بننے سے بھی مطلقاً مبلغ بن جانے کا مسنون ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں، بلکہ حدیث تقریری سے تبلیغ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواز ثابت ہے، پھر اس کے جواز سے حسب قواعد اصولیہ دوسرے مسلمانوں کی تبلیغ کا جواز بطریق قیاس ثابت ہے"---

دوسرا مفسدہ آلہ کے خراب ہو جانے اور نماز میں خلل پڑنے کا جواب

"اس وجہ سے اگر یہ آلہ مطلقاً محل اعتراض اور قابل احتراز ہے تو بسا اوقات مبلغین بھی مفسد نماز حرکات کا ارتکاب کر جاتے ہیں بلکہ ساتویں صدی سے چودھویں صدی تک ایسی حرکات بدان کا دستور بن چکی ہیں، تو مفتیان سائل کے نزدیک مبلغین بھی مطلقاً محل اعتراض و احتراز بن جائیں گے، حالاں کہ بوقت ضرورت بشرط احتیاط ان سے احتراز نہیں، تو جب اس آلہ کے متعلق بھی قبل از نماز پوری پوری احتیاط برتی جائے تو کیوں پرہیز کی جائے"---

تیسرا مفسدہ خشوع نماز سے مانع کا جواب

''امام کا یہ خیال اپنے مقتدیوں کی اصلاح نماز کے لیے ہو تو خشوع کیوں فوت ہو گا۔ کیا حضور ﷺ میں نماز میں صحابہ کرام کی نگرانی نہیں فرمایا کرتے تھے؟..........

نماز کے اندر اپنے مقتدیوں کا خیال رکھنا مسنون و مطلوب بن گیا تو مخالف خشوع کیوں ہو گا؟''---

چوتھا مفسدہ عبادات میں حکمت اسلام، سب میں مساوات کا جواب

''یہ امام نہاد قابل غور بڑی بات محض فضول اور سطحی بات ہے۔ یہ مساوات اصولیہ ایک ایک عبادت کے ایک ایک پہلو میں مختلف حیثیات کے مسلمانوں کے لیے یکسانیت و مساوات کا تقاضا ہی نہیں کرتی بلکہ ایسی مساوات تو ہے ہی محالات سے۔ کیا روزہ میں مقیم و مسافر، تندرست و بیمار، توانا و ناتواں، طاہرہ و حائض و نفساء سب مساوی ہیں؟ کون کہتا ہے کہ مال دار کی طرح نادار پر بھی زکوۃ فرض ہے؟..........

شان دار عمارت والی مساجد میں عمدہ دریوں اور قالینوں پر نماز بلا کراہت و قباحت جائز اور اہل اسلام کا معمول ہے، تو لاؤڈ سپیکر بیچارے کا کیا قصور کہ اس کی اجازت نہ ہو۔ پھر اگر یوں ہی ہوتا تو اذان بھی سپیکر پر جائز نہ ہوتی اور وعظ بھی منع ہوتا، حالاں کہ سب جائز مانتے ہیں''---

پانچواں مفسدہ مساجد کے قریب ہونے کی وجہ سے آواز کا ایک دوسری سے ٹکرانا کا جواب

''یہ بھی محض جزوی حیثیت کا ہے، جس سے ممانعت کلیہ قطعاً ثابت نہیں ہو سکتی، ورنہ مبلغین کی کلی ممانعت بھی ثابت ہو جاتی کہ ان میں تو بکثرت ایسے پائے جاتے ہیں جو بڑے بڑے مفاسد کا ارتکاب کر جاتے ہیں اور عادی مجرم ہیں۔ جب وہ کلی طور پر متروک نہیں تو یہ آلہ کلیۃً کیوں متروک ہو؟ کیا ایسی جذباتی باتوں سے جائز ناجائز بن جاتا ہے؟''---

اس مفسدہ کا اگرچہ یہ جواب ہو سکتا تھا کہ اگر آواز ٹکرانے کا قوی اندیشہ ہو تو حسب ضرورت لاؤڈ سپیکر کی آواز کو کم کیا جا سکتا ہے یا یہ کہ سپیکر کے ہارنوں کو زیادہ بلندی پر نصب کرنے کی بجائے نیچے نصب کر دیا جائے تاکہ آواز ٹکرانے کا خدشہ نہ رہے، لیکن حضرت مفتی صاحب ممدوح نے

درج بالا جواب دینا مناسب سمجھا تا کہ معترض کو اصولی طور پر بتایا جا سکے کہ جذباتی باتوں سے جائز کو ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی کسی جزوی خرابی کی وجہ سے کسی چیز کی کلی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

چھٹا مفسدہ علماء کے خلاف سے نکلنے کے لیے سپیکر استعمال نہ کیا جائے کا جواب

''اس قاعدہ مسلمہ کا احتیاطی تقاضا یہ قطعاً نہیں کہ جو چیز ہمارے نزدیک جائز وروا ہو وہ بوجہ اختلاف ناجائز و ناروا بن جائے، بلکہ رعایت خلاف کے لیے نہ کرنا صرف مندوب و مستحب ہوتا ہے اور اس ندب و استحباب کے مرتبے بھی دلیل مخالف کے قوت وضعف کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔.................. مسئلہ زیر بحث میں چوں کہ دلائل مخالفین بالکل ہی عاری از قوت ہیں، تو یہ ندب بھی برائے نام ہی ہو سکتا ہے اور وہ بھی تب جب یہ اختلاف ائمہ مجتہدین یا اصحاب مذاہب کا اختلاف ہوتا، ورنہ علماء مقلدین کا اختلاف اور وہ بھی وضوح حق کے بعد قابل لحاظ نہیں اور اگر بالفرض قابل لحاظ ہوتا تو پھر بھی لحاظ مجتہدین سے تو کسی صورت بھی بڑھ نہیں سکتا، تو درجہ ندب ہی میں رہتا، نہ یہ کہ حرمت وعدم جواز ثابت کر سکے''۔۔۔

یہ تمام تر تفصیلات لکھنے کے بعد آخر میں لکھا:

''بفضلہ وکرمہ تعالیٰ شمس و امس کی طرح واضح ہوا کہ مفتیان سائل کے بیان کردہ مفاسد مل کر بھی مطلقاً ناروا نہیں بنا سکتے کہ اکثر تو مفاسد ہیں ہی نہیں اور جو ہیں بھی تو وہ محض جزوی ہی ہیں، ان سے عدم جواز کا حکم کلی قطعاً ثابت نہیں ہو سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ صورت سوال میں اعادۂ نماز کی ضرورت نہیں اور نہ ہی استعمال سپیکر ناروا ہے، بلکہ جائز اور روا اور درست ہے اور نیت صالحہ تعاون علی البر سے دوسرے مباحوں کی طرح مستحسن و طاعت بن جاتا ہے، پھر اس میں کئی مفادات بھی ہیں''۔۔۔

[ملخصاً رسالہ مذکور، فتاویٰ نوریہ، صفحہ ۳۱۹ تا ۳۲۵]

نماز میں مکبر الصوت کے فوائد

فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصویر کے صرف ایک رخ کو ہی پیش نظر نہیں رکھا بلکہ اس کا دوسرا رخ بھی ان کی نظروں کے سامنے رہا اور انہوں نے بڑی دقت نظر سے نماز میں لاؤڈ سپیکر کے ایسے فوائد بیان کیے جو عقل انسانی کے عین مطابق ہیں، مثلاً آپ فرماتے ہیں:

۱ اس کے ذریعہ دور کے مقتدی قرأت سن لیتے ہیں اور قرأت کا سننا سبب رحمت خاصہ ہے۔

۲ یہ ذریعہ ہے عبادت کی زیادتی کا کہ استماع قرآن کریم (قرآن کا سننا) عبادت ہے۔

۳ نماز میں خشوع نہایت ضروری ہے جو دور کے مقتدی بذریعہ سپیکر حاصل کر لیتے ہیں کیوں کہ استماع قرآن سے خشوع حاصل ہوتا ہے۔

۴ اطمینان قلبی کا ذریعہ ہے کہ قرآن جو ذکر اللہ ہے، اس کے ذریعہ سنا جاتا ہے، جس سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔

۵ جب عند التحقیق اس کا استعمال جائز ہے اور جائز کا کرنا اس کے جواز کی عملی تبلیغ ہے۔

۶ تکبیر تحریمہ وانتقالیہ تکبیرات کا بلند آواز سے کہنا کہ مقتدی سن لیں ایسی سنت ہے جو اصالۃً آواز امام سے ادا ہو جاتی ہے، حالاں کہ یہ آلہ بھی امام ہی کی آواز پہنچاتا ہے، تو ادا سنت اصلیہ کا ذریعہ بنا اور ذریعہ سے فعل بدل نہیں جاتا'' ---[صفحہ ۲۲۵،۲۲۶]

وصل اول میں پہلے قرآن حکیم کی آیات کے اطلاق اور پھر احادیث صحیحہ سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ آیت وحدیث مطلق ہیں، ان میں یہ قید نہیں کہ امام سے بلاواسطہ سن کر پیروی کرو حالاں کہ ہم اپنی طرف سے قید نہیں لگا سکتے۔ ہم کیا مجتہد یا خبر واحد بھی اس سے قاصر ہیں تو بحکم آیت وحدیث ان کی نمازیں روا ہیں اور یوں ہی آیت کریمہ اقیموا الصلوٰۃ اور حافظوا علی الصلوات (نمازوں کی نگہبانی کرو) وغیر ذلک من الآیات والاحادیث کے اطلاقات کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جس ادائے نماز کے وہ افراد کثیرہ جو اقامت ومحافظت صلوٰۃ کے مصداق ہیں، ان سے جس فرد کو چاہے انسان اختیار کر سکتا ہے۔ الا ان یخص دلیل شرعی بلکہ جب تحقیق یہ ہے کہ لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز امام ہی کی آواز ہے کوئی غیر آواز نہیں، تو عدم جواز کا خیال ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ یہ وہم بھی کیا جا سکتا ہے کہ زید یا عمرو چند مقتدیوں کو بلا سپیکر نماز پڑھائے تو ان کی نمازیں بھی

روانہ ہوں کہ اطلاقات شرعیہ کے علاوہ کسی دلیل خاص سے زید یا عمرو کے نام سے جواز امامت کی تصریح نہیں۔ واللہ المستعان'' ---[فتاویٰ نوریہ، جلد ا، صفحہ ۳۰۰]

آخر میں بات ختم کرتے ہوئے پورے یقین کے ساتھ لکھا:

''اور اگر بالفرض ممنوع ہی ہوتا تو اذان وتلاوت و وعظ میں بھی ممنوع ہوتا حالاں کہ سب بالاتفاق استعمال کر رہے ہیں، تو معلوم ہوا کہ بلاشبہ جائز ہے'' ---[فتاویٰ نوریہ، جلد ا، صفحہ ۳۵۴]

مفتی شفیع صاحب اور ان کے دیگر ہم خیال علماء کی تحریرات وفتاویٰ سے یہ صاف جھلکتا ہے کہ وہ اپنے فتاویٰ کی صحت کے بارے میں تردد اور تشکک کا شکار ہیں جیسا کہ گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے، ملاحظہ ہو مفتی صاحب کے رسالہ کا خلاصہ اور اس مسئلہ سے متعلق ان کی آخری رائے۔

اس کے برعکس ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ جنہوں نے اس مسئلہ کو براہ راست قرآن وحدیث ائمہ فقہاء کی تصریحات سے مبرہن کیا ہے، انھیں اللہ ورسول ﷺ کی بارگاہ عنایت سے جو شرح صدر ہوا، اس کے نتیجہ میں اپنی تحقیقات کی صحت پر کامل یقین ان کے ایک ایک لفظ سے جھلکتا ہے۔

فقیہ اعظم کی وسعت مطالعہ

فتاویٰ نوریہ کے مطالعہ سے جو بات سب سے نمایاں دکھائی دیتی ہے وہ مفتی صاحب قبلہ فقیہ اعظم کی وسعت مطالعہ ہے، آپ جب کسی بھی سوال کا جواب دیتے ہیں تو پھر اپنے جواب کو درجنوں کتب معتبرہ کے حوالہ جات سے مزین کرتے ہیں، مثلاً ایک یہی مسئلہ مکبر الصوت سے متعلق مفتی محمد شفیع صاحب نے ایک سو دس (۱۱۰) صفحات پر مشتمل رسالہ جس میں ۴ صفحات مولانا شبیر احمد عثمانی کے خط پر مشتمل ہیں، ۳ صفحات تین اشاعتوں پر مؤلف (مفتی شفیع صاحب) کی طرف سے مختصر اظہار خیال ''عرض مؤلف'' چھ صفحات پر دارالعلوم دیوبند خیر المدارس، قاسم العلوم، مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے فتاویٰ شامل ہیں، جب کہ آخری پانچ صفحات مفتی صاحب کے استفتاء اور شیخ محمد زاہد کوثری مصری کے جواب پر مشتمل ہیں۔ اس طرح مفتی صاحب کے ۹۰ صفحات پر مشتمل رسالہ میں جو کل حوالہ جات دیے گئے ہیں وہ کوئی ۱۶ کے قریب ہیں، جن میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

۱ غابر الاندلس و حاضرھا (تاریخ)

۲ تنبیہ ذوی الافہام علی احکام التبلیغ خلف الامام (علامہ شامی)

۳	رد المحتار (علامہ شامی)	۴	کبیری شرح منیہ
۵	احکام القرآن (حلوانی)	۶	طحاوی
۷	بحر الرائق	۸	امداد الفتاویٰ
۹	رد المحتار (شامی)	۱۰	بخاری
۱۱	مسلم	۱۲	مغنی ابن قدامہ
۱۳	عمدۃ القاری (علامہ عینی)	۱۴	مبسوط سرخسی
۱۵	شرح کنز (زیلعی)	۱۶	شرح موطا منتقی باجی

یہاں یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ مذکورہ بالا ۹۰ صفحات میں ۹۱ تا ۱۰۸ (۸ اصفحات) ضمیمہ ثانیہ پر مشتمل ہیں، جس میں مختلف ماہرین سائنس کے خطوط شامل ہیں۔ گویا کہ اس طرح مفتی صاحب کا اصل رسالہ کل ۷۱ صفحات پر مشتمل ہے، جب کہ حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا زیر بحث تحقیقی مقالہ ۳۶۳ سے ۴۵۵ تک ۹۳ بڑے صفحات پر مشتمل ہے، جن میں زیادہ سے زیادہ تین صفحات مختلف سوالوں پر مشتمل ہیں، جب کہ دو صفحات عنوان کے، تین صفحات تعارفی کلمات کے، باقی ۸۵ صفحات حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی تحقیقات پر حاوی ہیں۔ ان ۸۵ صفحات میں آپ نے درجنوں کتب جن میں قرآن مجید کے علاوہ حدیث، تفسیر، اصول فقہ اور فقہ کی مستند کتب سے استشہاد کیا گیا ہے، اگر ان تمام کتابوں کے نام لکھے جائیں تو مقالہ طویل ہونے کا خدشہ ہے، البتہ چند ایک کتب کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں تاکہ قارئین کو تجزیہ و موازنہ کرنے میں آسانی رہے:

۱ قرآن مجید

کتب حدیث

۱......صحیح بخاری	۲......صحیح مسلم	۳......ابوداؤد
۴......مستدرک حاکم	۵......سنن بیہقی	۶......سنن ترمذی
۷......ابن ماجہ	۸......موطا امام مالک	۹......طبرانی

۱۰......موطا امام محمد ۱۱......نصب الرایہ

کتب اصول فقہ

۱......اصول الشاشی ۲......تنقیح ۳......تلویح
۴......توضیح ۵......تحریر الاصول ابن ہمام ۶......مسلم الثبوت

کتب تفسیر

۱......خازن ۲......معالم ۳......طبری
۴......ابن کثیر ۵......در المنثور ۶......جلالین
۷......صاوی علی جلالین ۸......تفسیرات احمدیہ ۹......تفسیر کبیر
۱۰......نیشاپوری ۱۱......احکام القرآن للجصاص ۱۲......تفسیر ابوالسعود
۱۳......تفسیر بیضاوی ۱۴......مدارک

شروح حدیث

۱......شرح معانی الآثار ۲......فتح الباری ۳......مرقاۃ شرح مشکوۃ

کتب فقہ

۱......بحر الرائق ۲......فتح القدیر ۳......خلاصۃ الفتاوی
۴......غنیۃ المستملی ۵......فتاوی قاضی خاں ۶......در المختار
۷......رد المحتار ۸......مبسوط ۹......جامع صغیر
۱۰......بدائع صنائع ۱۱......فتاوی سراجیہ ۱۲......ہدایہ
۱۳......عنایہ ۱۴......وقایہ ۱۵......کنز الدقائق
۱۶......تبیین الحقائق ۱۷......کبیری ۱۸......مراقی الفلاح
۱۹......نور الایضاح ۲۰......تنویر الابصار ۲۱......فتاوی ہندیہ
۲۲......منیۃ الحق ۲۳......علامہ شامی ۲۴......سراج وہاج
۲۵......شرح منیہ ۲۶......حاشیہ طحطاوی ۲۷......رسائل ابن عابدین شامی
۲۸......منح الغفار ۲۹......نہر الفائق ۳۰......فتاوی رضویہ
۳۱......مجمع الانہر ۳۲......فتاوی اسعدیہ ۳۳......احکام شریعت

۳۴......مسح السلامہ ۳۵......اقامۃ القیامۃ

ہم کتب کی اسی قدر فہرست پر اکتفا کرتے ہیں بصورت دیگر ایک طویل فہرست کتب حوالہ کی تیار ہو جائے گی۔

کتابوں کی اس فہرست پر نظر دوڑانے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ صاحب فتاویٰ نوریہ کو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ نے اپنے بحر علم سے حظ وافر عطا فرمایا تھا اور آپ کی ذات گرامی اس فرمان خداوندی ''افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ'' کی مجسم اور عملی تفسیر تھی۔

رؤیت ہلال کا مسئلہ

کرۂ ارض پر اسلام اور مسلمانوں کی وسعت کے ساتھ ساتھ جن مسائل نے جنم لیا اور عبادات کے حوالے سے خاص اہمیت حاصل کی، ان میں رؤیت ہلال کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم اور نازک ہے۔ اسلام کی وسعت پذیری کے ساتھ سائنسی ترقی نے اس کو اور بھی زیادہ قدر و اہمیت کا حامل بنا دیا ہے۔ چنانچہ صدیوں سے یہ مسئلہ فقہائے اسلام کا علمی مشغلہ بنا ہوا ہے کہ آیا ایک ملک یا شہر میں دکھائی دینے والا چاند دوسرے علاقے والوں کے لیے موثر ہوگا یا نہیں۔ اور موجودہ دور میں جب کہ پیغام رسانی اور نشر و اشاعت کے نئے نئے ذرائع پیدا ہو چکے ہیں، مثلاً ٹیلی فون، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی گرام (تار)، اخبارات، انٹرنیٹ وغیرہ، تو کیا ان کے ذریعہ سے ملنے والی خبر معتبر ہوگی یا نہیں؟ غرض یہ کہ درجنوں قسم کے سوالات ہیں، جو ذہن میں آتے ہیں اور عقل سلیم ان کے جواب کا تقاضا کرتی ہے۔

مسئلے کی نزاکت، اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ہر دور میں علماء اپنے اپنے علم و فہم کے مطابق اس کے جوابات بھی دیتے آئے ہیں اور دے بھی رہے ہیں۔ کچھ علماء ایسے ہیں جو حالات و

ظروف زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے احکام شرعیہ کی روشنی میں حوادث جدیدہ کا ایسا حل پیش کرتے ہیں کہ عقل و خرد رشک کرتی ہے اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو جمود کے گنبد سے باہر نکلنا شجر ممنوعہ تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک گویا اسلام ایک زندہ اور متحرک دین نہیں ہے، اس لیے وہ کسی بھی قسم کی اجتہادی کاوش کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

رویت ہلال کے بارے میں بھی کچھ اسی قسم کی صورت حال ہمیں نظر آتی ہے۔ آیئے ہم آئندہ سطور میں پاک و ہند سے تعلق رکھنے والے چند علماء کی آراء کا مطالعہ کرتے ہیں اور پھر صاحب فتاویٰ نوریہ کی تحقیقات کا جائزہ لیں گے کہ وہ اس مسئلہ میں کس زاویہ نگاہ کے حامل ہیں۔

تار، ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعہ سے ملنے والی خبر کا معتبر نہ ہونا تو قریباً تمام علماء کے نزدیک مسلمہ ہے، اس لیے کہ ان میں محض اخبار ہیں اور اشتباہ سے خالی نہیں ہیں، بایں وجہ ان پر اعتبار، اعتماد کر کے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ البتہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن دو ایسے ذرائع ہیں کہ اگر حاکم اسلام شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کے ذریعہ سے خود یا اپنے مقرر نمائندے سے چاند کے ہونے یا نہ ہونے کا اعلان کرے تو کیا وہ موثر ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کے ہاں دو گروہ پائے جاتے ہیں، ایک طبقہ جواز کا قائل ہے جب کہ دوسرا عدم ثبوت ہلال کا قائل ہے۔ آیئے ہم دونوں گروہوں کے دلائل ملاحظہ کرتے ہیں اور پھر ان کا تجزیہ کریں گے کہ کس کے دلائل مضبوط اور موقف منشاء شریعت کے مطابق ہے۔

ریڈیو پر چاند کا اعلان اور مفتی کفایت اللہ دھلوی کا موقف

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی سے ریڈیو پر کیے گئے اعلان سے متعلق ایک سوال پوچھا گیا جس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا:

"ریڈیو کی خبر پر اگر دل کو یقین ہو جائے تو خود عمل کر سکتا ہے، دوسرے لوگوں کے لیے حجت نہیں"۔۔۔ [کفایت المفتی، جلد ۱، صفحہ ۲۱۱]

یہ تو مفتی کفایت اللہ صاحب کی ذاتی رائے اور فتویٰ تھا، اس کے بعد ۱۸-۹-۱۹ اگست ۱۹۵۱ بمطابق ۱۳-۱۵ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ کو مراد آباد میں جمعیت علماء ہند کا ایک اجلاس ہوا، جس میں شریک علماء کے سامنے ریڈیو پر رویت ہلال کے اعلان سے متعلق ایک مفصل سوال پیش کیا گیا، جس شرکاء اجلاس نے ایک متفقہ فتویٰ صادر کیا، ذیل میں سوال و جواب من و عن پیش کیا جاتا ہے:

''سوال: ریڈیو کے ذریعہ سے جو اعلان کیا جاتا ہے اس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ اس کو شہادت کی حیثیت نہیں دی جاسکتی، نہ اعلان کرنے والا اس کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہے اور نہ قانون شہادت کی رو سے شہادت کی شرطیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس اطلاع کو اگر خبر کی حیثیت دی جائے تب بھی وہ موجودہ صورت میں قابل اعتماد نہیں کیوں کہ خبر دینے والا خود ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کو نہ سننے والے جانتے ہیں اور نہ اس میں وہ شرطیں موجود ہوتی ہیں جو شرعی نقطۂ نظر سے ایسی خبروں کے لیے ضروری ہیں۔ علاوہ ازیں وہ صرف ایک شخص کی خبر ہوتی ہے، جس کی بنا پر کسی خاص صورت کے علاوہ عام طور پر رویت ہلال کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

البتہ ایک سوال یہ ہے کہ اگر ریڈیو کے اعلان کی شکل قابل اعتماد ہو جائے (مثلاً یہ طے ہو جائے کہ جب شرعی طور پر رویت ہلال کا باضابطہ فیصلہ کر دیا جائے تو کوئی قابل اعتماد مسلمان پوری ذمہ داری کے ساتھ ریڈیو اسٹیشن پر پہنچ کر یہ خبر نشر کرے) تو جب کہ عام طور پر اس قسم کے اعلانوں میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جاتا اور رویت ہلال کے بارے میں حقیقت یہ ہے کہ شرعی ثبوت کے بعد جب باضابطہ فیصلہ کر دیا جائے تو اعلان کی ایسی شکل کافی مانی جاتی ہے، جو ظن غالب پیدا کر سکے۔ چنانچہ اعلان کرنے والے کے لیے شہادت کی اہلیت شرط نہیں مانی جاتی اور دیہات والوں کے لیے توپ کے گولوں کی آواز اور روشنی جیسی چیزیں جو اس موقعہ پر معتاد ہوں، کافی مانی جاتی ہیں [ردالمختار وغیرہ] اور اسی طرح آج کل اگر مثلاً کلکتہ میں کہ جس کی آبادی تقریباً ساٹھ لاکھ ہے اور رقبہ ڈھائی سو میل مربع ہے، وہاں اگر ریڈیو اسٹیشن سے اعلان کر دیا جائے تو پورے شہر کے لیے کافی مانا جاتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ ایسے اعلان کے لیے کچھ حدود مقرر ہیں یا ایسے تمام علاقہ کے لیے یہ اعلان کافی ہو سکتا ہے جہاں مطلع میں غیر معمولی اختلاف نہ ہو اور جہاں تک یہ روشنی یا آواز پہنچ سکے''۔۔۔

ان حالات اور مقتضیات پر پوری طرح غور کرنے کے بعد اصول شریعت کی روشنی میں علماء کرام نے جو فیصلہ صادر فرمایا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

جواب: ''فیصلہ''

''مجلس نے بالاتفاق طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے وہاں کے علماء نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کر کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہے تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لیے ہے''---[کفایت المفتی، جلد ۹، صفحہ ۵۰۶-۵۰۷]

مذکورۃ الصدر فیصلہ پر جن علماء نے دستخط کر کے اس کی توثیق کی ان میں درج ذیل نام شامل ہیں

۱ مولانا مفتی کفایت اللہ، مفتی اعظم ہند و شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ امینیہ، دہلی

۲ مولانا سید حسین احمد مدنی، صدر جمعیت علماء ہند و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

۳ مولانا محمد اعزاز علی، شیخ الفقہ و مفتی اعظم دیوبند

۴ مولانا حفظ الرحمن، ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند

۵ مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی، ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین، دہلی

۶ مولانا سید فخر الحسن، استاد دار العلوم دیوبند

۷ مولانا حافظ عبد اللطیف، مہتمم دار العلوم مظاہر العلوم، سہارن پور

۸ مولانا سعید احمد، مفتی مظاہر العلوم، سہارن پور

۹ مولانا عبد الصمد رحمانی، نائب امیر شریعت، صوبہ بہار

۱۰ مولانا عثمان غنی، مدیر ''نقیب'' امارات شرعیہ، پھلواری شریف بہار

۱۱ مولانا مسعود علی ندوی، ناظم دار المصنفین، اعظم گڑھ

۱۲ مولانا عبد الحلیم صدیقی، صدر المدرسین مدرسہ عالیہ، کلکتہ

۱۳ مولانا سید فخر الدین احمد، شیخ الحدیث و مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مراد آباد

۱۴ مولانا قاضی سجاد حسین، صدر المدرسین مدرسہ عالیہ فتح پوری، دہلی

۱۵ مولانا محمد رفیع، استاذ مدرسہ عبد الرب، دہلی

۱۶ مولانا ضیاء الحق، مفتی دار الافتاء جمعیۃ علماء ہند، دہلی

۱۷ مولانا حافظ سید حامد میاں، نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مراد آباد

۱۸ مولانا سید حمید الدین، مہتمم مدرسہ منبع العلوم، گلاؤٹھی ضلع بلند شہر

۱۹ مولانا حشمت علی، صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ، بلند شہر

۲۰ مولانا سید ابوظفر ندوی، احمد آباد

۲۱ مولانا محمد تقی، مفتی مالی گاؤں صوبہ بمبئی

۲۲ مولانا حکیم محمد اسحاق، میرٹھ

۲۳ مولانا سید منت اللہ، سجادہ نشین خانقاہ رحمانیہ، مونگیر صوبہ بہار

۲۴ مولانا ابوالوفا، شاہ جہان پور

۲۵ مولانا محمد قاسم، شاہ جہان پور

۲۶ مولانا محمد اسماعیل دہلوی

۲۷ مولانا سید محمد ظہور، صدر مدرس مدرسہ عباسیہ، بچھرایوں ضلع مراد آباد

۲۸ مولانا سید محمد اعلیٰ دیوبندی، مہتمم مدرسہ اسلامیہ، سلیم پور ضلع مراد آباد

۲۹ مولانا اعجاز حسین، مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ، امروہہ

۳۰ مولانا سید اختر اسلام، استاد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مراد آباد

۳۱ مولانا اشفاق حسین، مراد آباد

۳۲ مولانا محمد شریف، ٹونک

۳۳ مولانا قاری فضل الرحمٰن، بچھرایوں

۳۴ مولانا عبدالوہاب بستوی

۳۵ مولانا عبدالحمید اعظمی

۳۶ مولانا علی اعلیٰ فاروقی، جون پوری (اہل حدیث)

[کفایت المفتی، جلد ۹، صفحہ ۵۰۷-۵۰۸]

یہ طویل فہرست ان علماء جمعیت علماء ہند پر مشتمل ہے جو جمعیت کے اجلاس منعقدہ مراد آباد [میں] شامل تھے، جس میں بحث وتمحیص اور باہمی مشاورت کے بعد ریڈیو پر رویت ہلال کے اعلان [کے] معتبر ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا گیا۔ ایک طالب حق اور غیر جانب دار قاری جب اتنے کثیر علماء

کی توشیق سے جاری ہونے والا فتویٰ پڑھتا ہے تو اسے اس بات پر حیرانگی اور تعجب ہوتا ہے کہ اتنے اہم مسئلہ پر اتنی کثیر تعداد میں علماء کی طرف سے جاری ہونے والے فتوے میں کہیں قرآن وحدیث یا نص من فقہاء میں سے کوئی دلیل نظر نہیں آتی۔ جس کا صاف مطلب بھی ہے کہ شرکاء اجلاس میں سے ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس کی زبان سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا، اس لیے جو کچھ وہ فرمادیں وہ عین شریعت قرار پائے گی اور لوگوں پر ان کی اتباع لازم ہوگی۔

موجودہ دور کے دیوبندی مسلک کے نامور مفتیان میں ایک مفتی رشید احمد صاحب بھی ہیں جن کا تعلق سندھ سے ہے۔ موصوف ایک طویل عرصہ تک دارالعلوم کراچی میں افتاء نویسی کا کام کرتے رہے ہیں اور گزشتہ چند سالوں سے ''دارالافتاء والارشاد'' کے نام سے اپنا ادارہ چلا رہے ہیں۔ اب تک متعدد موضوعات پر خامہ فرسائی بھی کر چکے ہیں، لیکن ان میں سے قابل ذکر ''احسن الفتاویٰ'' ہے، جو ۸ جلدوں پر مشتمل ہے۔

احسن الفتاویٰ کی جلد چہارم میں رویت ہلال سے متعلق چند سوالات کے جوابات دیے گے ہیں۔ پورے فتاویٰ میں دیگر نقائص کے علاوہ ایک نقص یہ بھی ہے کہ استفتاء کرنے والے کا نام، تاریخ اور مقام کو کہیں بھی ذکر نہیں کیا گیا، البتہ فتویٰ کے آخر میں تاریخ اور دن لکھنے کا التزام کیا گیا ہے۔

مذکورہ فتاویٰ میں ۸/۳۰×۲۰ کے گیارہ صفحات ۴۱۷ تا ۴۲۸ پر کل آٹھ سوالات مسئلہ زیر بحث سے متعلق ہیں، جن میں سے ایک کے جواب میں قدرے تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ یہ جواب مع سوال چھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ چھ صفحات کے اس فتویٰ میں مفتی صاحب موصوف نے کل پانچ کتب فقہ سے اپنے موقف کی تائید میں حوالہ جات واقتباسات پیش کیے ہیں، جن میں تبیین الحقائق، درالمختار، البحرالرائق ایسی کتب شامل ہیں۔ مفتی کفایت اللہ صاحب کے برعکس موصوف نے مسئلہ کو علمی انداز سے لے کر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور پھر اس کی تائید میں مذکورہ بالا کتب سے نصوص بھی پیش کی ہیں۔

رؤیت ہلال سے متعلق مفتی رشید احمد لدھیانوی کی رائے

رویت ہلال سے متعلق مفتی رشید احمد لدھیانوی کے فتویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ شہادت کے مقررہ شرائط چوں کہ ریڈیو کی خبر میں نہیں پائی جاتیں، اس لیے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ شہادت اور خبر کا فرق بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

1 ''شہادت کی شرائط سے معلوم ہوا کہ ٹیلی گراف، ٹیلی فون، ریڈیو، وائرلیس وغیرہ آلات جدیدہ کے ذریعہ شہادت ادا نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ شہادت میں روبرو حاکم کے پاس مجلس حکم میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ موجودہ حکومتوں کے قانون میں بھی قبول شہادت کے لیے مجلس حکم میں حاضر ہو کر روبرو شہادت دینا ضروری ہے۔ کوئی بھی بڑے سے بڑا افسر یا وزیر ہی کیوں نہ ہو اسے بھی شہادت کے لیے ضرور جج کی عدالت ہی میں جانا پڑے گا، خط یا ٹیلی فون کے ذریعہ شہادت قبول نہیں کی جاتی۔ قانوناً عدالت میں حاضری ضروری ہے''---

یہ فرق کرنے کے بعد خلاصہ کلام کے طور پر لکھتے ہیں:

2 ''خلاصہ یہ کہ دینی معاملات میں خط، ریڈیو اور ٹیلی فون کی خبر کا اعتبار اس شرط پر جائز ہے کہ تحریر اور آواز کے امتیاز سے یقین ہو جائے یہ مخبر فلاں شخص ہے۔ اس قسم میں ٹیلی گراف کی خبر عدم امتیاز صوت کی وجہ سے غیر معتبر ہے کیوں کہ عدم امتیاز کی حالت میں مخبر کے اسلام اور عدالت کا علم نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر خط، ریڈیو، ٹیلی گراف، ٹیلی فون وغیرہ کسی خاص ایسے ضابطہ اور قانون کے تحت ہوں کہ سوائے کسی معتبر اور عادل شخص کی اجازت کے اُن کے ذریعہ کوئی شخص کوئی خبر نہ دے سکتا ہو تو اس حالت میں خط، ریڈیو اور ٹیلی فون کی خبر بہرکیف مقبول ہے، خواہ تحریر اور آواز کا امتیاز ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ اسی طرح اس حالت میں ٹیلی گراف کی خبر بھی معتبر ہے۔ ٹیلی گراف دلالت غیر لفظیہ وضعیہ غیر ممیزہ ہونے میں توپ اور طبل سے مشابہت رکھتا ہے''---

3 ''ہلال رمضان میں خط، ریڈیو، ٹیلی فون کی خبر اس شرط سے قبول ہو گی کہ تحریر یا آواز کا کامل امتیاز ہو سکے اور مخبر مسلم عادل ہو۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ مخبر اپنی روایت کی خبر دے، مبہم خبر (مثلاً یہاں چاند دیکھا گیا ہے یا روزہ رکھا گیا ہے وغیرہ) کا کوئی اعتبار نہیں اور ٹیلی گراف کی خبر کسی حال میں بھی معتبر نہیں۔ البتہ اگر ٹیلی گراف یا ٹیلی فون اور ریڈیو و خط کسی خاص ضابطہ کے تحت ہوں کہ ان کے ذریعہ کوئی شخص بلا اذن مسلم عادل کے کوئی خبر نہ دے سکتا ہو تو ان کی خبر بلا امتیاز صوت و خط بھی معتبر ہے''--- [انتخاب، احسن الفتاویٰ، جلد ۴، صفحہ ۲۱۷-۲۲۲]

دوسرے اقتباس کے یہ الفاظ دوبارہ غور سے پڑھیے:

''خلاصہ یہ کہ دینی معاملات میں خط، ریڈیو اور ٹیلی فون کی خبر کا اعتبار اس شرط سے جائز ہے کہ تحریر اور آواز کے امتیاز سے یقین ہو جائے کہ یہ مخبر فلاں شخص ہے۔ اس قسم میں ٹیلی گراف کی خبر عدم امتیاز صوت کی وجہ سے غیر معتبر ہے''---

اب ذرا اسی پیرا کے اسی جملہ کے متصل یہ الفاظ بھی دوبارہ پڑھیں:

''البتہ اگر خط، ریڈیو، ٹیلی گراف، ٹیلی فون وغیرہ خاص کسی ایسے ضابطہ اور قانون کے تحت ہوں کہ سوائے کسی معتبر اور عادل شخص کی اجازت کے ان کے ذریعہ کوئی شخص کوئی خبر نہ دے سکتا ہو تو اس حالت میں خط، ریڈیو اور ٹیلی فون کی خبر بہر کیف مقبول ہے، خواہ تحریر اور آواز کا امتیاز ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ اسی طرح اس حالت میں ٹیلی گراف کی خبر بھی معتبر ہے۔ ٹیلی گراف دلالت غیر لفظیہ وضعیہ غیر ممیزہ ہونے میں توپ اور طبل سے مشابہت رکھتا ہے''---

ایک ہی پیرے کے ان دونوں حصوں میں جو تضاد پایا جاتا ہے، وہ کسی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ تامل کرنے والے صاحب علم وعقل سے پوشیدہ نہیں کہ مفتی صاحب موصوف ایک ہی لمحہ میں تحریر و صوت کے امتیاز وعدم امتیاز دونوں کو بیک وقت حکم شرعی کے نفاذ میں موثر قرار بھی دیتے ہیں اور انکار بھی کر رہے ہیں۔ عقل حیران ہے کہ وہ موصوف کے ایک ہی پیرے کے کس حصہ کو صحیح و درست تسلیم کرے اور کس کو غلط قرار دے۔

ریڈیو کی خبر پورے ملک میں موثر ہو گی یا نہیں؟

ریڈیو کی خبر پر رویت ہلال سے متعلق مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب کی ''تحقیق'' تو آپ پڑھ چکے، اب ذرا اس مسئلہ میں بھی ان کی لاجواب تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہلال کا اعلان اگر ریڈیو پر کیا گیا تو یہ اعلان اس کی حدود ولایت تک محدود ہو گا، اس سے باہر موثر ہو گا یا نہیں؟ مذکورۃ الصدر فتویٰ ہی میں اس سوال کا بھی جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سو معلوم ہوا کہ ہلال عیدین کے ثبوت کے لیے ٹیلی گراف، ٹیلی فون اور خط و ریڈیو وغیرہ کی خبر کا اعتبار نہیں۔ اگر بذریعہ ریڈیو وغیرہ کسی مستند عالم یا مفتی یا شرعاً معتبر ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق فیصلہ ثبوت ہلال عیدین بطریق شہادت شرعیہ) نشر کی

گئی ہو تو یہ خبر فیصلہ کرنے والے کی حدودِ ولایت تک معتبر ہے، حدودِ ولایت سے خارج معتبر نہیں۔ اس لیے کہ ہلال عید کے ثبوت کے لیے شہادۃ الرؤیۃ یا شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی قضاء الحاکم الشرعی اور اس کی عدم موجودگی میں کسی مفتی کا فیصلہ پر شہادت ضروری ہے اور ریڈیو وغیرہ سے کسی قسم کی شہادت بھی معتبر نہیں"---

[احسن الفتاوی، جلد ۴، صفحہ ۴۲۱]

اب ذرا اعلان ریڈیو کو فیصلہ کرنے والے کی حدودِ ولایت تک محدود کرنے والے مفتی دیوبند کی قلابازی ملاحظہ ہو کہ وہ کس طرح اپنے اس فتویٰ کی دھجیاں اڑاتے ہیں۔ مولانا موصوف سے ایک سوال کی صورت میں یہ پوچھا گیا:

"سوال برطانیہ میں ہر وقت ابر رہنے کی وجہ سے رؤیت ہلال ممکن نہیں تو رمضان وعیدین کا ثبوت کیسے ہو؟"---

مولانا موصوف کے مذکورہ بالا فتویٰ کی روشنی میں سوال تو یہ تقاضا کرتا تھا کہ اہل برطانیہ یا اس قسم کے دیگر علاقوں کے رہنے والوں کو اسی طرح راہنمائی دی جاتی اور ان کی مشکل کو حل کیا جاتا کہ انہیں کسی دوسرے ملک کے ریڈیو پر انحصار نہ کرنا پڑتا، لیکن موصوف نے اس سوال کا جو جواب مرحمت فرمایا وہ اور مرقومہ بالا فتویٰ دونوں ایک دوسرے کا منہ چڑاتے نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مولانا موصوف کا جواب:

"ہلال رمضان کے لیے کسی ایسے ملک کے ریڈیو پر اعتماد کیا جائے جس کے بارے میں یقین ہو کہ وہاں ضوابط شرعیہ کے مطابق رؤیت ہلال کا فیصلہ ہوتا ہے، خواہ یہ ملک کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے علاقے کے کسی معتبر عالم سے بذریعہ ٹیلی فون معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ بشرطیکہ آواز کی پہچان یا دوسرے ذرائع سے یہ معلوم ہو جائے کہ ٹیلی فون پر کون بول رہا ہے۔ بندہ نے مسئلہ اختلاف مطالع پر انفراداً واجتماعاً بارہا غور کیا، ہر مرتبہ یہی نتیجہ نکلا کہ عندالاحناف بعیدہ میں اختلاف مطالع غیر معتبر ہے اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔ ضرورت کے پیش نظر بلاد بعیدہ قریبہ میں فرق کے قائلین کو بھی وسعت سے کام لینا چاہیے"--- [احسن الفتاوی، جلد ۴، صفحہ ۴۲۶]

کیوں جناب! اسے کہتے ہیں تحقیق اور یہ ہے فتویٰ۔ کہیں تو ریڈیو کی خبر واعلان حدود ولایت سے باہر غیر معتبر اور کہیں خواہ کوئی بھی ملک ہو ریڈیو کی خبر واعلان معتبر و قرب و بعد کا کوئی بھی اعتبار نہیں۔ کہیں آواز کا امتیاز ضروری، کہیں اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اب ایسے فتاویٰ اور ایسی تحقیق کو پڑھ کر ہم ایسا مبتدی یا ایک عام آدمی کیا راہنمائی لے گا۔ وہ تو یہی کہے گا کہ یہ شریعت ہے یا موم کی ناک، جس کو جدھر چاہا موڑ لیا۔

اعلان ریڈیو سے متعلق حضرت فقیہ اعظم کی تحقیق

ریڈیو پر ہلال رمضان کے اعلان کے بارے میں پانچ فتوے فتاویٰ نوریہ کی جلد دوم صفحہ ۱۴۷ سے ۱۶۰ تک تیرہ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک فتویٰ علم و تحقیق کا ایک بحر زخار ہے، جس میں درجنوں مستند و معتبر کتب کے حوالہ جات سے دلائل و براہین کی روشنی میں موجودہ زمانے کے اس اہم مسئلہ کا شرعی ثبوت پیش کیا گیا ہے، پہلے سائل کا سوال ملاحظہ کریں اور پھر حضرت ممدوح علیہ الرحمہ کے انوار تحقیق کی نور افشانیاں پڑھیں:

''کیا فرماتے ہیں علمائے ملت غراء و زعمائے شریعت زہراء اندریں مسئلہ کہ اب جب کہ رویت ہلال کمیٹی کی باقاعدہ تحقیق و ثبوت شرعی کے بعد بانتظام حکومت پاکستان ریڈیو کے ذریعہ اعلان رویت کیا جاتا ہے، آیا اس اعلان پر اعتماد کرتے ہوئے تقریبات شرعیہ، عیدین وغیرہ منا سکتے ہیں؟ بر تقدیر نعم ریڈیو اسٹیشن والے شہر اور دوسرے مقامات اندرون صوبہ یا بیرون صوبہ کا ایک ہی حکم ہے یا متفرق؟ بر تقدیر تفریق مابہ الفرق کیا ہے؟ بینوا ماجورین من رب العلمین''۔۔۔

محولہ بالا سوال کے جواب میں حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز نے کتب فقہ کے علاوہ تفسیر، حدیث، شروح حدیث کی درجنوں کتب کے حوالہ جات پر مشتمل ایک مستقل رسالہ بنام تاریخی ''افادۃ النشر او کذ الامر'' کے نام سے لکھا، یہ رسالہ کیا ہے؟ آب زر سے لکھے جانے کے لائق تحقیق و تعمق کا ایک نادر مجموعہ ہے۔ باوجود اس کے کہ آپ ایک نادر روزگار علمی جواہر پارہ پیش کر رہے ہیں لیکن آپ کے حزم و اتقاء کا عالم یہ ہے کہ آغاز فتویٰ ہی میں بطور تنبیہ یہ لکھ دیا:

''یہ فتویٰ صرف ان اعلانوں کے متعلق ہے جو باقاعدہ شرعی تحقیق و ثبوت کے بعد بحکم حاکم اسلام ہوں''۔۔۔۔

آگے بڑھنے سے پہلے رؤیت ہلال سے متعلق اس فتوے یا رسالے کا خطبہ ملاحظہ فرمائیں:

''الحمد لله الذی اعلان مواقیت الانه الاهلة ثم ایذان یواقیت عطائه صیورتها بدورا اجلة و الصلوة و السلام علی من رغب فی اهتمام امر الهلال و علی اله و صحبه و المبدا و المال علی قدر الجمال و الکمال و النوال''---

یہ خطبہ نہ صرف براعت استہلال کی بہترین مثال ہے، بلکہ عربی زبان وادب کا بھی ایک نادر نمونہ ہے، جس میں نغمگی اور حسن ترنم نمایاں جھلکتا نظر آرہا ہے، بہر کیف فتاوی نوریہ کا یہ پہلو ہماری بحث سے خارج ہے۔ ہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زیر نظر فتاوی علمی حوالے سے کن بلندیوں پر فائز ہے۔ ایک انتہائی اہم شرعی مسئلہ مگر ایک بالکل نئے اور جدید پہلو کو بیان کرنے کا انداز ملاحظہ فرمائیں:

''قول محقق اور مفتی بہ یہ ہے کہ جب رؤیت ہلال شرعی طور پر ایک جگہ ثابت ہو جائے تو تمام مکانوں میں عمل لازم ہو جاتا ہے، بشرط حصول یقین ثبوت مذکور یا ظن غالب اور قطعاً ضروری نہیں کہ ہر ایک مکلف کو اس کا علم شہادت شرعیہ یا حاکم شرع سے بلاواسطہ یا باواسطہ شاہدین یا خبر مستفیض حاصل ہو تو لزوم ہو ورنہ نہ ہو''---

[افادۃ النشر او کد الامر مشمول فتاوی نوریہ، جلد۲، صفحہ۱۲۸]

اپنے اس دعوی کے ثبوت میں شامی، عالم گیری، شلا ثین، بدائع صنائع، ہدایہ، مجمع الحقائق وغیرہ کتب معتبرہ فقہ سے فقہائے اسلام کے اقوال نقل کرنے کے بعد بطور استشہاد اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا ایک اقتباس نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے تحقیق مذکور کو برقرار رکھتے ہوئے رسالہ طریق اثبات الہلال مصنف جامع الاقوال کے صفحہ ۲۲ میں فرمایا:

''حاکم شرع کے حضور شہادتیں گزرنا، ان پر حکم نافذ کرنا، ہر شخص کہاں دیکھ سکتا ہے۔ بحکم حاکم اسلام اعلان کے لیے ایسی ہی کوئی علامت معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورہ وغیرہ'' [انتہی کلام رضا:۱۱۲ عظمی] اور نشر ریڈیو تو صرف علامت نہیں بلکہ صریح اعلان ومنادی بحکم حاکم اسلام ہے، جو مطلقاً مقبول ہے، اگرچہ فاسق ہی کرے۔ فتاوی عالم گیری، جلد۲، صفحہ ۸۶ میں خبر منادی السلطان

مقبول عدلا کان او فاسقا بلکہ اخبارات وغیر ہا ذرائع سے قیام رویت ہلال کمیٹی کا اعلام، جس کے ارکان علمائے کرام ہیں اور حکام اسلام کا اہتمام و انتظام کہ بعد از ثبوت شرعی بذریعہ ریڈیو اعلان کر دیا جائے گا، پہلے ہی سے مشہور ہو جانا اور بالعموم نشریات کا اجازات خاصہ پر ابتناء اور عوام سے عدم اختفاء ایسے قرائن و مقدمات ہیں جن سے اعلان تو اعلان خبر واحد بھی مفید یقین و ایقان بن جاتی ہے بلکہ ایسی خبر واحد اتنی قوی ہو جاتی ہے کہ باوجودیکہ ائمہ اصول نے صاف صاف تصریح فرمادی کہ خبر واحد اگرچہ مخبر متعدد ہوں، ناسخ حکم قطعی نہیں ہو سکتی مگر یہ خبر مجزعنہ کا حکم قطعی بوجہ نسخ کر دیتی ہے"---

اپنے اس استدلال پر تحویل قبلہ سے استشہاد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"کتب معتمدہ احادیث سے آفتاب و مہتاب کی طرح عیاں ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد وہ صحابہ کرام جنہیں علم نہیں ہوا تھا، بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے تو ایک صحابی نے تحویل قبلہ کی خبر دی اور وہ اسی وقت عین نماز میں بیت المقدس سے منہ موڑ کر کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حالانکہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا ان کی نظر میں اس وقت تک حکم قطعی تھا اور پھر حضور پرنور سید عالم ﷺ سے انکار ثابت نہیں، بلکہ ہدایہ وغیرہا میں ہے کہ تقریر فرمائی تو شراح و علماء نے اس کی یہی توجیہ فرمائی کہ یہ خبر واحد بوجہ قرائن محض خبر واحد نہ رہی، لہذا مفید یقین و ناسخ قطعی ہو گئی"---

[فتاویٰ نوریہ، ملخصا، جلد ۲، صفحہ ۱۵۰]

آگے چلتے ہوئے رویت ہلال کمیٹی سے متعلق اپنی محققانہ رائے کا اظہار کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

"چونکہ انگریزی دور اور پاکستان کے ابتدائی ایام میں یہ حالت استوار نہ تھی لہذا مجبوراً عدم اعتبار کا فتویٰ دیا، مگر اب جب کہ بانتظام حکومت پاکستان رویۃ ہلال کمیٹی کے حکم سے یعنی علمائے کرام کے حکم سے کہ کمیٹی کے ارکان ہیں، رویت ہلال کے ثبوت شرعی کا بذریعہ ریڈیو اعلان کیا جاتا ہے تو اعتبار ضروری و لازم ہو گیا"---

چند سطریں آگے چل کر فرماتے ہیں:

"ریڈیو جیسا تبلیغ صوت کا کوئی عمومی ذریعہ زمان قدیم میں نہ پایا جاتا تو یہ بھی قطعاً معترض نہیں کہ حکم کلی بعض جزئیات کے محدود زمانے تک نہ پائے جانے سے مخصوص ومقید بجزئیات موجودہ نہیں ہو جاتا و ذا ابین من ان یبین۔ شفا تین جلد ا، صفحہ ۱۴۹ میں علامہ سیدی عبدالغنی النابلسی قدس سرہ السامی سے ہے: فلا یقال فی الجزئیات التی انطبق علیھا احکام الکلیات انھا غیر منقولۃ و لا مصرح بھا بلکہ بداہت عقل شاہد عدل کہ نزدیک و دور والے دونوں اعلان ریڈیو بلا واسطہ رہا و بلا شک وشبہہ برابر سنا کرتے ہیں تو نزدیک و دور کا تفرقہ محض تحکم اور انکار ضروریات کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ بفضلہ وکرمہ تعالیٰ دلائل شرعیہ قاہرہ باہرہ سے روز روشن کی طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ایسی منادی جو نزدیک والوں کے لیے قابل قبول اور معتمد ہو، اگر دور والے بھی سن لیں تو ان کے حق میں بھی قابل قبول و معتمد ہی رہتی ہے"۔۔۔[ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۱۵۲-۱۵۱]

رویت ہلال سے متعلق حضرت ممدوح صاحب فتاویٰ نوریہ کے مندرجہ بالا فتویٰ کے اقتباس کا ایک ایک لفظ جہاں آپ کی فقاہت کی گواہی دے رہا ہے، وہاں اس حقیقت کا بھی برملا اعلان کر رہا ہے کہ آپ بسم اللہ کے گنبد میں ہی بند رہنے والے لکیر کے فقیر نہیں تھے بلکہ احوال وظروف زمانہ اور حوادثات جدیدہ کے مقتضیات سے پوری طرح آگاہ اور احکام شرعیہ کے اسرار و رموز سے کماحقہ آشنا تھے، اس لیے کہ آپ اس مسلمہ اصول سے کامل آگاہی رکھتے تھے:

من لم یعرف زمانہ فھو جاھل۔۔۔

"جس نے اپنے زمانے کے (تقاضوں کو) نہ پہچانا، وہ جاہل ہے"۔۔۔

امام شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ظھر لک ان جمود المفتی او القاضی علی ظاھر المنقول مع ترک العرف و القرائن الواضحۃ و الجھل باحوال الناس یلزم منہ تضییع حقوق کثیرۃ و ظلم خلق کثیرین۔۔۔[شرح عقود رسم المفتی، صفحہ ۴۷]

"آپ پر یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ مفتی اور قاضی کا عرف اور قرائن واضحہ کو ترک کرنے اور لوگوں کے احوال سے آگاہ نہ ہونے سے بہت سے حقوق اور خلق کثیر

پر ظلم کرنا لازم آتا ہے''۔۔۔۔

رویت ہلال سے متعلق اعلان ریڈیو اور اسی طرح حوادث جدیدہ سے متعلق آپ کی تحقیقات کو پڑھ کر ہر ذی شعور اور عقل رکھنے والا ایک عام آدمی بھی اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی قادری قدس سرہ العزیز صحیح معنوں میں ایک عالم ربانی تھے، جو شریعت کی حکمتوں اور اسرار و رموز کے شناور تھے۔ صرف اسی ایک مسئلہ کو دیکھ لیجیے کہ بڑے بڑے مدعیان فقہ وفقاہت نے ایک نو ایجاد چیز کی ضرورت واہمیت کو کس حد تک دیکھا اور پرکھا ہے اور ان کے مقابل ایک دور افتادہ گاؤں میں بیٹھ کر، بحر تحقیق کی شناوری کر کے علم وتحقیق کے موتی نکالنے والے صاحب فتاویٰ نوریہ نے اس کو کس نظر سے دیکھا اور ظروف زمانہ، احوال زمانہ کے تقاضوں کی رعایت کا لحاظ رکھا ہے، یہ انہیں کا حصہ ہے۔

کتابۃ النساء کا مسئلہ

دور قدیم سے علماء وفقہاء کے درمیان کتابۃ النساء یعنی عورتوں کو لکھنا سکھانے کا مسئلہ مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ ابتداء تو ایسے علماء کی تعداد اقل قلیل تھی جو عورتوں کو لکھنا سکھانے کے جواز کی قائل تھی لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ جس طرح دیگر امور و مسائل حیات میں تغیر واقع ہوا تو علمائے اسلام نے اپنی مجتہدانہ بصیرت سے قرآن وسنت کی روشنی میں ان کے قابل عمل حل پیش کیے، اسی طرح کتابت نسواں کے مسئلہ نے بھی بدلتی ہوئی تہذیبی اقدار کے پیش نظر ایک گونہ اہمیت حاصل کر لی، تو ان علماء جن کو اللہ تعالیٰ نے دین میں رسوخ اور فہم وبصیرت میں حظ وافر سے نوازا تھا، نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس مسئلہ کے مقاصد حسنہ اور مفاسد کا دلائل شرعیہ کی روشنی میں جائزہ لے کر عالم مغرب کی طرف سے اسلام کے چہرے کو مسخ کرنے کی مکروہ سازش کو بے نقاب کیا اور واضح کیا کہ عورت کو اسلام وہی مقام و مرتبہ اور حقوق عطا کرتا ہے، جو وہ مردوں کو معاشرے میں حقوق عطا کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں اگرچہ علماء میں دونوں آراء یعنی جواز وعدم جواز کی پائی جاتی

ہیں مگر چونکہ حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز، صاحب فتاویٰ اس کے جواز کے قائل ہیں، اس لیے آئندہ سطور میں ہم صرف اسی رائے کے قائلین علماء کے دلائل و فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہوئے تقابل کریں گے اور عدم جواز کی بحث میں نہیں پڑیں گے۔ اس وضاحت کے بعد اب آیئے ہم کتابتِ نسواں کے مجوزین میں سے مولانا عبدالحی لکھنوی کے فتویٰ کا جائزہ لیتے ہیں، جو ان کے مطبوعہ ''مجموعۃ الفتاویٰ'' کی پہلی جلد میں شامل ہے۔

مولانا عبدالحی کی رائے

سوال: عورتوں کو لکھنا سکھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے احادیث اور عبارات فقہاء اور تعامل اکابر علماء اس پر شاہد ہیں--- [مجموعۃ الفتاویٰ، جلد ا، صفحہ ۱۳]

حضرت مولانا لکھنوی اپنے اس موقف پر درج ذیل کتب حدیث وفقہ اور تاریخ سے استدلال کرتے ہیں، ابوداؤد بحوالہ حیوۃ الحیوان، خزانۃ المفتیین، عینی شرح ہدایہ، ان تین کتب کی تین عبارات نقل کرنے کے بعد عورتوں کو لکھانے، پڑھانے کے عدم جواز کے قائلین کے اعتراضات کا جواب لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور یہ جو عام لوگ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کو لکھنا سیکھنا چونکہ مفاسد کی طرف منجر ہے اس لیے ضرور مکروہ ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک غالب گمان منجر الی المفاسد کا نہ ہو مباح شے حرام نہیں ہوتی اور مطلقاً حرام ہونے پر جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث کو دلیل میں لاتے ہیں وہ بھی کئی وجہوں سے قابل قبول نہیں:

قالت قال رسول اللہ ﷺ لا تنزلوھن الغرف و لا تعلموھن الکتابۃ و علموھن الغزل و سورۃ النور اخرجہ ابن مردویۃ و البیھقی فی شعب الایمان---

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ فرمایا حضرت سرور عالم ﷺ نے کہ عورتوں کو نہ اتارو کھڑکیوں میں اور ان کو کتابت نہ سکھاؤ اور انھیں سوت کاتنا سکھاؤ اور سورۂ نور کی تعلیم دو، اس کو ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے''---

کتابتِ نسواں کے عدم جواز میں پیش کی جانے والی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱ یہ روایت ضعیف ہے، سیوطی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے، اس لیے قابل معارضہ نہیں۔

۲ اس حدیث سے بالاتفاق کراہت تنزیہیہ ثابت ہے، پس حرمت یا کراہت تحریمی کا ثبوت نہیں۔

۳ اگر اس سے کراہت تحریمیہ مان لیا جائے تو پھر اس سے لازم آئے گا کہ عورتوں کو سورۃ نور تو سکھائی جائے اور باقی قرآن سورۃ یوسف وغیرہ نہ سکھائی جائیں۔

غرض عورتوں کو لکھنا سکھانا نہ حرام ہے نہ مکروہ تحریمی، بلکہ ضرورتوں کے لحاظ سے استحباب سے خالی نہیں مگر جب کہ فساد کا خوف ہو" --- [ایضاً، ملخصاً، صفحہ ۱۳۲-۱۳۱]

مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم کے مجموعۃ الفتاوی کی جلد اول کتاب العلم والعلماء میں دو سوال ۱۸، ۱۹، ۲۰ مسئلہ زیر بحث سے متعلق ہیں اور دونوں کے جوابات ۱۶/۳۶×۱۸ تقریباً پانچ صفحات مشتمل ہیں اور درج ذیل کتب کے حوالہ جات دیے گئے ہیں:

۱	شعب الایمان، امام بیہقی	۲	ابوداود بحوالہ حیوۃ الحیوان
۳	عینی شرح ہدایہ	۴	طبقات حنفیہ
۵	مرقات شرح مشکوۃ ملا علی قاری	۶	فتح الباری شرح صحیح بخاری
۷	مستدرک حاکم	۸	زاد المعاد ابن قیم

مذکورۃ الصدر کتب کے اقتباسات کی روشنی میں لکھتے ہیں:

"کتب حدیث میں متعدد جگہوں پر لکھا ہے، الخصائص لا یثبت بالاحتمال، خصوصیتیں احتمال سے ثابت نہیں ہوتیں۔ پس محض احتمال سے جب کہ کوئی نص قطعی نہیں پائی جاتی یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ صرف ازواج مطہرات کے علاوہ مطلقاً عورتوں کے لیے تعلیم کتابت مکروہ ہوتی تو حضور سرور عالم ﷺ بنت عبداللہ کو بھی منع کرتے اور جب آپ نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ غیر ازواج مطہرات کے لیے بھی تعلیم کتابت جائز ہے۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ جو جواز کی حدیث ہے، اس کی تصحیح حاکم وغیرہ نے کی ہے اور جو عدم جواز کی حدیث ہے، وہ ضعیف ہے۔ پس اس حدیث سے عام طور پر حرمت یا کراہت ثابت نہیں ہو سکتی اور بفرض محال اگر

اس ضعیف حدیث کو صحیح مان بھی لیں تو کراہت تنزیہی کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ جس کا حکم یہ ہے کہ ترک اولیٰ ہے''---[ایضاً، جلد ا، صفحہ ۱۳۳]

اپنے اس موقف پر تاریخ اسلام میں سے ایسی خواتین جو لکھنا پڑھنا ہی نہیں جانتی تھیں بلکہ اپنے زمانے میں علمی طور پر اہم ترین مقام رکھتی تھیں، اپنے موقف کی تائید میں ان کے نام اور کام سے متعلق معتبر اور مستند کتب تاریخ کے حوالہ جات بھی پیش کیے گئے ہیں۔ مثلاً:

۱ رسالہ نزھۃ الجلساء فی اشعار النساء امام سیوطی

۲ نور سافر فی اخبار القرن العاشر علامہ عبدالقادر عیدروس

۳ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جرح کرتے ہوئے علامہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات اور علامہ جلال الدین السیوطی کی اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ کی جرح کا خلاصہ نقل کرنے اور حضرت شیخ محدث دہلوی و ملا علی قاری کی شرح حدیث پر اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں:

''یہاں یہ بات معلوم ہو گئی کہ شیخ محدث دہلوی اور ملا علی قاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے جو یہ لکھا ہے کہ تعلیم کتابت کا جواز اس بات کو محتمل ہے کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مخصوص ہو، باوجود اس کے کہ کوئی نص اس خصوصیت پر دلالت کرنے والی نہیں ہے، محض لغو ہے''---[ایضاً، جلد ا، صفحہ ۱۳۶]

مفتی کفایت اللہ دہلوی (متوفی ۱۳۸۳ھ/۱۹۵۲ء)

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی اپنے طبقہ دیوبند میں خاص مقام و مرتبہ کے حامل ہیں۔ جمعیت علمائے ہند کے صدر رہے اور اس کے علاوہ دیگر سیاسی سرگرمیوں میں بھی مشغول رہے۔ ساتھ ساتھ درس و تدریس اور افتاء کا کام بھی چلاتے رہے۔ موصوف کے مجموعہ فتاویٰ کا نام ''کفایت المفتی'' ہے، جو نو (۹) مجلدات پر مشتمل ہے۔ کفایت المفتی کی جلد دوم میں کتاب العلم، باب سوم جس میں کل پانچ سوالوں کے جوابات ہیں، زیر بحث مسئلہ تعلیم نسواں سے متعلق ہے۔ ان میں سے ایک سوال وزارت جلیلہ معارف افغانستان کی طرف سے فارسی زبان میں بھیجا گیا۔ سوال کا جواب بھی موصوف کی طرف سے فارسی میں دیا گیا، البتہ کتاب میں یہ فتویٰ دونوں، فارسی مع اردو ترجمہ کے صفحہ ۲۵ تا صفحہ ۴۰ پر پھیلا ہوا ہے، جب کہ باقی چار سوالوں کے جو

صرف ڈیڑھ صفحہ پر مشتمل ہیں۔

مفتی صاحب موصوف کا رجحان تعلیم نسواں کے جواز کی طرف ہے، بالخصوص علمائے افغانستان کے تفصیلی سوال کے جواب میں آپ نے اپنے جواب کو بھی قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔ ذیل میں سوال اور جواب دونوں کا ضروری حد تک خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

سوال:۱ لڑکیوں کی عمر بلوغ بلحاظ آب وہوا، نسل و پیشوں کے کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کیا ہے۔ مشتہاۃ کب ہوتی ہے اور اس کا ستر کس قدر ہے؟

۲ لڑکیوں کے حقوق والدین پر قبل بلوغ اور بعد بلوغ کس قدر ہیں؟

۳ ستر عورت کی تفصیل کیا ہے؟

۴ فرض اور مستحب علوم جو قرآن وحدیث سے مستنبط ہوتے ہیں کون کون سے ہیں؟

۵ عورتوں کے شرعی حقوق کے علاوہ اجتماعی وشہری حقوق عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق کیا کیا ہیں اور موجودہ دور میں کون کون سے علوم وفنون ضروری ہیں۔

۶ آئمہ اربعہ کے مطابق عورتوں کا اجتماع کس حد تک ممنوع ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کی طرف سے مذکورہ مختص سوالات کے طویل جوابات کا خلاصہ یہ ہے۔ تمہیداً لکھتے ہیں:

''دنیا کی غیر مسلم اقوام نے اسلام کی تعلیم وتہذیب سے بہت کچھ خوشہ چینی کی ہے اور حامیان تمدن وتہذیب نے اسلام کی راہنمائی میں ہی پناہ لی ہے۔ اسلام ایک ایسا مضبوط کلچر رکھتا ہے جو تغیرات زمانہ کے ساتھ متغیر نہیں ہوسکتا اور اس کی تازگی ورعنائی میں حوادث کی گرم ہواؤں سے کوئی پژمردگی پیدا نہیں ہوسکتی۔ مومن کے قد وقامت پر پروردگار عالم اور کارکنان قضاوقدر نے جو مخصوص ثقافتی لباس چست کیا ہے، واللہ اس کو کبھی بوسیدگی وکہنگی لاحق نہ ہوسکے گی۔

مختلف انسانی طبقات جو اجتماعیات میں حقیقت واحدہ کے ارکان کا حکم رکھتے ہیں، ان میں سے ہر ایک رکن کا ایک خاص درجہ مقرر اور ہر ایک کا ایک موقف ومقام معین ومقدر ہے، اگر مرد کو خاص خاص اعزازات بخشے گئے ہیں تو عورت کو بھی خاص خاص امتیازات عطا فرمائے گئے ہیں۔

اس تمہید کے بعد پوچھے گئے سوال کی روشنی میں عورتوں کی تعلیم سے متعلق جواب کی بحث کا آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ جو آج کل زیر بحث ہے اس کے دو حصے ہیں، ایک تو یہ کہ عورتوں کو تعلیم دینی چاہیے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ان کو تعلیم دینے کی کیا صورت اختیار کی جائے۔ صورت اول میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں کیوں کہ حصول علم اسلام کے فرائض میں سے ہے۔ تحصیل علم کی فرضیت کا خطاب اور انفرادی اور اجتماعی آیات قرآنیہ میں تدبر و تفکر کا حکم صرف مردوں کے لیے مخصوص نہیں، علم کی روشنی حاصل کرنے کی ضرورت صرف مردوں یا کسی ایک صنف کے لیے منحصر نہیں کیوں کہ علم حیات انسانی کے لوازم میں سے ہے۔ کوئی انسان مرد ہو یا عورت، جو علم سے بہرہ مند نہیں ہے وہ حقیقتاً حیات انسانی سے محروم ہے اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے عالم کو زندہ اور جاہل کو مردہ کہا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

و ما یستوی الاحیاء و لا الاموات---

اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة---

بڑی بڑی صحابیات نے تحصیل علم کے لیے سخت جدوجہد فرمائی اور سلف صالحین میں سے بہت سی صالحات نے علم حاصل کرنے میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں۔ ان پاک طینت مخدرات عصمت نے استفادہ علم کے لیے رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس سے گلے شکوے کیے اور کہا کہ ہمارے مقابلے میں مردوں نے آپ کو ٹھہرا لیا ہے، پس آپ ہم کو بھی اپنا ایک دن عطا فرمائیے۔ چنانچہ مربی اعظم ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی، آپ ﷺ ایک صحابیہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں بہت سی عورتوں کا اجتماع ہوا اور آپ ﷺ نے ان کو احکام شریعت کی تعلیم دی۔

اسی طرح ایک عید کے موقع پر آپ ﷺ نے عید کا خطبہ دیا اور پھر خیال ہوا کہ عورتیں خطبہ نہیں سن سکیں، لہٰذا آپ ﷺ خود بنفس نفیس عورتوں کے اجتماع کے قریب تشریف لے گئے اور دوبارہ خطبہ دیا۔

پس علوم ضروریہ کی تحصیل کی فرضیت اور علوم مستحبہ کے حصول کا استحباب اور مباح علوم کے اکتساب کی اباحت عورتوں کے لیے محل تردد نہیں ہے اور اس مسئلہ میں عورتوں، مردوں کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے کوئی دلیل شریعت مقدسہ میں موجود نہیں ہے''---[کفایت المفتی، جلد۲، صفحہ ۲۹ تا ۳۱، تلخیص]

آگے چل کر یوں فرماتے ہیں:

''زمانہ حاضر کے مقتضیات نے عورتوں کے اندر تعلیم کی توسیع واشاعت کی شدید ضرورت پیدا کردی ہے۔ وہ اہم فوائد جوان کی تعلیم کی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں، وہ محض ان کی جہالت کی وجہ سے فوت ہو رہے ہیں لیکن اس میں بھی شک کہ حدود الہیہ کی نگہ داری اور شعائر اسلامیہ اور ترویج سنت نبویہ کی پاس داری اور قومی تہذیب و معاشرت کا باقی رکھنا دوسرے تمام امور سے زیادہ اہم اور مقدم ہے''---

[ایضاً، جلد۲، صفحہ ۳۲]

تعلیم نسواں سے متعلق مفتی کفایت اللہ دہلوی کے طویل فتویٰ کے چند اقتباسات آپ نے ملاحظہ کیے۔ مفتی صاحب موصوف کا موقف وفتویٰ اور رائے اپنی جگہ صائب اور درست ہے لیکن اصل بات جو غور طلب ہے، وہ یہ ہے کہ سائل نے اپنے سوال میں تقاضا کیا تھا کہ جواب دلائل شرعیہ اور تاریخ اسلام کی معتبر کتب کے حوالہ جات کے ساتھ دیا جائے لیکن کمال حیرت ہے کہ مفتی صاحب موصوف نے جواب تو لکھا مگر بجز ایک دو آیات اور ایک حدیث وہ بھی بغیر تخریج کے کسی کتاب کا حوالہ دینے یا اپنے جواب کو اقوال فقہاء سے موید کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس سے دو باتوں میں سے ایک بات لازمی ہے یا تو دلائل کی کمی یا مطالعہ کی کمی ہے۔ بصورت دیگر ان کا تساہل صاف اور نمایاں نظر آتا ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی دیوبندی کی رائے

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کے معاصر اور مولانا تھانوی کے انتہائی معتمد اور مسلک دیوبند کے اکابر علماء میں سے ایک مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب ہیں، جنہوں نے مولانا تھانوی کے ''امداد الفتاویٰ'' کا تکملہ امداد الاحکام کے نام سے دو جلدوں میں مرتب کیا تھا۔ چنانچہ اس پر امداد الاحکام کی پہلی جلد کتاب العلم میں ایک مختصر رسالہ بنام ''کشف الغطاء عن کتابۃ النساء'' کے نام

سے ۲۱۴ سے ۲۲۲ تک مشتمل ہے۔ جس میں کل پانچ سوالات ۳ تا ۷ کے جوابات شامل ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

سوال ۳: متعلق تعلیم کتابت نسواں

سوال ۴: لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق ایک فتویٰ

سوال ۵: جاہل کو وعظ کہنا جائز نہیں

سوال نمبر ۶: حدیث طلب العلم فریضة کے متعلق سوالات

سوال نمبر ۷: لڑکیوں کے لیے جبریہ تعلیم کا قانون بنانے سے متعلق سوال وجواب

اس آخری سوال کے جواب کی تصدیق مولانا تھانوی نے اپنے دستخطوں کے ساتھ کی ہے۔ بہرکیف اس وقت ہمارے موضوع سے متعلق پہلے دو سوالات تین اور چار کے جوابات ہیں، جن کا ہم جائزہ لیتے ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ امداد الاحکام میں دراصل دو حضرات ایک مولانا عثمانی موصوف اور دوسرے مفتی عبدالکریم کمتھلوی دونوں کے فتاویٰ جات شامل ہیں مگر اس کو صرف مولانا ظفر احمد عثمانی کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

[مقدمہ امداد الاحکام، جلد ۱، صفحہ ۱۰۹، مطبوعہ کراچی]

امداد الاحکام میں شامل تعلیم نسواں سے متعلق پانچ سوالات میں دو بالخصوص زیر بحث مسئلہ سے متعلق بحث کرتے۔ ذیل میں دونوں سوال مع جواب من وعن نقل کیے جاتے ہیں تا کہ قاری کو تجزیہ کرنے میں آسانی رہے:

سوال نمبر ۳: احقر ایک شبہ کے ازالہ کے لیے بذریعہ عریضہ ہذا دست بستہ عرض کناں ہے۔ امیدوار ہوں کہ تسلی فرما دیں گے۔ بہشتی زیور اس وقت میرے سامنے نہیں، لیکن مجھے یاد پڑتا ہے کہ آنجناب نے کسی حصہ میں تصریح فرمائی ہے کہ لڑکیوں کو بقدر ضرورت لکھنا، حساب گھر وغیرہ کی تعلیم دی جائے، جس سے خانگی حساب کتاب درست رکھیں اور غیر کی احتیاج نہ ہے۔

لیکن مختار بن احمد موید پاشا عظمی نے اپنے ایک رسالہ موسومہ بہ فصل الخطاب مطبوعہ بیروت میں اس کے خلاف تصریح کر کے تائید میں ایک حدیث نقل کی ہے، جس کو ترمذی نے نوادر الاصول میں نکالا ہے، اس کو بعض نے موضوع کہا ہے، لیکن صاحب رسالہ کہتے ہیں کہ والمعتمد صحتہ اور وہ حدیث یہ ہے لا تسکنوا نسائکم الغرف و لا تعلموهن الکتابة

علموهن الغزل و سورة النور کو عاجز کی اپنی قلبی تشفی کے لیے آنجناب کا بہشتی زیور میں محض لکھ دینا ہی کافی ہے۔ بندہ نے یہی سمجھا ہے کہ عورت کا غیر محرم کے پاس لکھوانے کے لیے جانا اور ہم کلام ہونا زیادہ خطرناک ہے اور لکھنا آج کل خانہ داری کا جزو ہے، لہٰذا اجازت دی گئی۔ لیکن چونکہ اس مسئلہ کو بھی معرض تحریر وتقریر میں لانا پڑتا ہے تو اس لیے رفع تعارض اور حدیث کا محمل مطلوب ہے، مدلل ہو گو مختصر ہو۔ [امداد الاحکام، جلد ۱، صفحہ ۲۱۴]

سوال آپ نے ملاحظہ کیا، راقم آثم کے نزدیک عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کا جواب دیتے ہوئے درج ذیل امور کو واضح کیا جاتا۔

۱ بہشتی زیور کے محولہ مقام کی نشاندہی کرتے ہوئے اس میں بیان شدہ مسئلہ کو لکھا جاتا۔

۲ جواب دیتے ہوئے ابتداء ہی میں صراحت کی جاتی یا شروع میں اگر ممکن نہیں تو کم از کم دوران بحث یا آخر میں اس مسئلہ کی وضاحت کردی جاتی۔

۳ محولہ کتاب ''فصل الخطاب'' اور اس کے مصنف مختار بن احمد موید پاشا عظمی یعنی مصنف اور اس کی کتاب دونوں کے علمی مقام و مرتبہ اور ثقاہت و عدم ثقاہت پر روشنی ڈالی جاتی، اس کی فنی حیثیت واضح کی جاتی۔ لیکن جواب (جو آئندہ سطور میں نقل کیا جارہا ہے) میں یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔

مفتی عبدالکریم صاحب کا جواب ملاحظہ ہو:

الجواب المجمل: ''اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں داخل کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے۔ مگر تلخیص مستدرک میں ذہبی نے کہا ہے، قلت بل موضوع و آفته عبد الوهاب قال ابو حاتم کذاب...... آہ [جلد ۲، صفحہ ۳۹۶] اور بیہقی نے شعب الایمان میں دوسرے طریق سے بھی اس کو روایت کیا ہے، جس میں محمد بن ابراہیم شامی ہے، جس کے بارے میں ابن جوزی نے کہا ہے کان یضع الحدیث و قال الحافظ و رواه ابن حبان بالوضع اور اس حدیث کو ابن حبان نے تیسرے طریق سے روایت کیا ہے، ابن عباس سے جس میں جعفر بن نصر ہے، جس کے متعلق ابن جوزی و ابن عدی نے کہا ہے حدث

عن الثقات بالبواطيل..... آه من اللآلی المصنوعة [جلد۲، صفحہ۹۲-۹۳]
اور ذہبی نے جعفر بن نصر کو متہم بالوضع کیا ہے اور اس کے ترجمہ میں حدیث مذکور اور
چند احادیث ذکر کر کے کہا ہے کہ و ھذہ اباطیل کذا فی لسان
المیزان [جلد۲، صفحہ۱۳۱] اور اس کے معارض ابوداؤد کی حدیث ہے عن الشفاء
بنت عبد الله قالت دخل علیَّ النبی ﷺ عند حفصة فقال لی الا
تعلمین هذه رقیة النملة کما علمتیها الکتابة.....آه و رجال اسناده
رجال الصحیح الا شیخ ابی داؤد و هو ثقة و اخرجه احمد فی
مسند [جلد۴، صفحہ۱۴ مع العون] و الحاکم و صححه هو و الذهبی علی
شرط الشیخین [جلد۴، صفحہ۵۷]

پس صاحب رسالہ فصل الخطاب کا حدیث لا تعلموهن الکتابة کے متعلق
و المعتمد صحته کہنا صحیح نہیں جب کہ قدماء محققین حفاظ اس کو واہی اور موضوع
کہہ چکے ہیں اور حدیث شفاء سے ابن تیمیہ و خطابی و ابن القیم نے جواز کتابت للنساء
پر استدلال کیا ہے۔ [عون صفحہ مذکور] و الله اعلم

تتمہ: ہاں کسی جگہ عورتوں کو خط و کتابت سکھلانے سے مفاسد کا خطرہ ہو تو وہاں
دوسرے دلائل فقہیہ کی وجہ سے منع کیا جائے گا کیوں کہ مفضی الی الشر ہو جائے تو مباح
ممنوع ہو جائے گا اور اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس کا محمل یہی ہوتا۔

سوال نمبر۴: لڑکیوں کو اسکول میں پڑھانا جائز ہے یا نہیں، اگر چہ پڑھانے والی
عورت ہی ہو۔ یہ مسئلہ ناجائز کر کے کسی کتاب میں مجھے ملا تھا، مگر اس وقت وہ جگہ میں
بھول گیا ہوں۔ لہٰذا کتاب کا نام و صفحہ بھی لکھ دیجیے۔

الجواب: لڑکیوں کو سکول میں پڑھانا چند وجوہ سے ناجائز ہے:

۱ عموماً اسکولوں میں دینیات کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ بعض کتابیں ایسی پڑھائی
جاتی ہیں جن سے لڑکیوں میں دین سے آزادی پیدا ہو جاتی ہے۔

۲ پڑھانے والی عورت دین دار نہیں ہوتی اور استاد کا اثر شاگرد پر ضرور ہوتا

ہے، اس لیے صحبت بد سے لڑکیاں خراب ہو جاتی ہیں اور شریعت میں صحبت سے بچنے کی سخت تاکید ہے۔

۳ اس صورت میں پردہ کی احتیاط نہیں ہو سکتی جیسا کہ مشاہدہ ہے اور اس بے احتیاطی سے بعض دفعہ ناگوار صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں"۔۔۔۔

[امداد الاحکام، جلد ۱، صفحہ ۲۱۵-۲۱۴]

آپ نے مفتی عبدالکریم صاحب کے دونوں فتوے ملاحظہ فرمائے، پہلے فتویٰ میں ارشاد ہوا کہ عورتوں کو خط و کتابت سکھلانا جائز ہے اور اب دوسرے فتویٰ میں سکول میں پڑھانے سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ راقم ایک مبتدی طالب علم کی حیثیت سے ان دونوں فتووں پر غور و فکر کر کے جس نتیجہ پر پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ مفتی صاحب موصوف خود اس مسئلہ میں تذبذب کا شکار ہیں۔ ورنہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ مستند عالم ایک ہی مسئلہ میں جواب لکھ رہا ہو تو کہیں کچھ کہے اور کہیں کچھ۔ سکول میں لڑکیوں کی تعلیم کو ناجائز قرار دینا بعید از عقل نظر آتا ہے۔ اس لیے کہ مفتی صاحب نے جن مفاسد پر اس عدم جواز کی بنیاد رکھی ہے، وہ بالکل بے وزن نظر آتے ہیں۔ مثلاً:

۱ سکولوں میں عموماً دینیات کی تعلیم نہیں دی جاتی۔

۲ بعض کتابوں کی تدریس سے دین سے آزادی پیدا ہوتی ہے۔

۳ پڑھانے والی عورتیں دین دار نہیں ہوتیں۔

۴ سکول جانے میں پردہ کی احتیاط نہیں ہوتی۔

ہماری طالب علمانہ رائے میں یہ مفتی صاحب موصوف کا محض قیاس مع الفارق ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بیان کردہ چاروں مفاسد میں سے عقل کسی ایک کو بھی حقیقی طور پر مفسد نہیں سمجھتی اور نہ ہی قرار دیتی ہے۔ اس لیے کہ ۱۳۴۳ھ، ۱۳۴۵ھ کے جس دور میں یہ فتوے جاری کیے گئے یہ تو وہ دور تھا کہ سکولوں میں پڑھائے جانے والے نصاب میں بوستان، گلستان اور اخلاقی دروس پر مشتمل کتب باقاعدہ شامل تھیں، جن کے مطالعہ سے دین سے بیزاری نہیں بلکہ دین داری پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح مفاسد کے نام پر بیان کردہ دیگر وجوہات کا بھی حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ نعیمی کی تحقیق

عورتوں کو تعلیم دینے اور انہیں کتابت یعنی لکھنا سکھانے سے متعلق آپ مولانا عبد الحی فرنگی محلی، مولانا مفتی کفایت علی دہلوی، مولانا عبد الکریم صاحبان وغیرہ کی آراء کو ملاحظہ کر چکے، اب اسی مسئلہ سے حضرت فقیہ اعظم مولانا مفتی محمد نور اللہ نعیمی علیہ الرحمہ کی عالمانہ تحقیق اور حکیمانہ رائے بھی پڑھیے اور پھر خود ہی کرسی انصاف پر بیٹھ کر فیصلہ دیجیے کہ دین کی حکمتوں سے آگاہی رکھنے والا کون ہے؟ اور کون ہے جو حکمت دین سے نا آشنا ہے۔ عورتوں کو تعلیم الکتابۃ سے متعلق ممدوح سے سوال کیا گیا:

''کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ عورتوں کو تعلیم کتابت جائز ہے یا نہیں؟ کہا جاتا ہے کہ حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔ بینوا ماجورین من رب العالمین''۔۔۔۔[فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۵۳۷]

حضرت فقیہ اعظم نے اس سوال کا جواب لکھا تو خود علم و تحقیق بھی جھوم اٹھے اور آپ نے قرآن و سنت کے دلائل، تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں اپنی علمی و روحانی بصیرت سے عورتوں کو تعلیم دلانے اور کتابت سکھانے سے متعلق شکوک و شبہات کے تمام تر غبار کو صاف کر دیا۔ آپ قرآن مجید کی مختلف آیات اور پھر آئمہ تفسیر کے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنی محققانہ اور بصیرت افروز رائے کا اظہار یوں کیا:

''بہر حال علم کتابت اللہ رب العالمین کا بہت بڑا انعام و احسان ہے، جس کی عظمت ان آیات سے واضح ہے اور افراد انسان کا نصف بلکہ نصف سے بھی زائد عورتیں ہیں تو قرآن کریم سے عورتوں کے لیے بھی علم کتابت کا انعام ہونا ثابت ہو گیا۔ و للہ تعالی الحمد و المنۃ

پھر صحیح حدیث سے بھی یہ مسئلہ ''تعلیم الکتابۃ للنساء'' ثابت ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد ۶، صفحہ ۳۷۲/ سنن ابی داؤد، جلد ۲، صفحہ ۱۸۶/ مستدرک حاکم، جلد ۴، صفحہ ۵۷/ سنن بیہقی، جلد ۹، صفحہ ۳۴۹ میں حضرت شفا بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہا سے بکلمات مبارکہ متقاربہ ثابت ہے کہ حضور پر نور ﷺ حضرت ام المومنین حفصہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور میں بھی حاضر تھی تو مجھے فرمایا:

الا تعلمین ھذہ رقیۃ النملۃ کما علمتیھا الکتابۃ---

یعنی کہا تو اس کو رقیۃ النملہ کی تعلیم نہیں دیتی، جیسے اس کو کتابت کی تعلیم تم نے دی ہے۔ حاکم نے کہا:

ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین---

کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

امام ذہبی نے صراحۃً اس کی تقریر و تائید فرمائی ہے اور ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت فرمایا، جو حسب القاعدہ تحسین ہے۔ تو اس جلیل القدر حدیث سے ثابت ہوا کہ تعلیم الکتابۃ للنساء بلا کراہت جائز ہے، بلکہ مطلوب ہے"---

[ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۳-۵۴۲]

اسے کہتے ہیں تحقیق اور رسوخ فی العلم، فتوے کے ایک ایک لفظ سے یقین کا نور جھلکتا نظر آتا ہے اور تشکیک و تردد کا دور دور تک بھی نام و نشان تو کیا تصور بھی ذہن میں پیدا نہیں ہوتا۔

ہمارے بعض اکابر اور اسلاف نے عورتوں کو بالخصوص تعلیم کتابت سے متعلق مختلف احتمالات کا اظہار کیا تھا، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت فقیہ اعظم فرماتے ہیں:

''اس حدیث سے رقیۃ النملۃ کی تعلیم کا پسندیدہ اور مطلوب ہونا تو منصوص ہے اور اس کو تعلیم الکتابت کے ساتھ حضور ﷺ نے تشبیہ دی، تو معلوم ہوا کہ وہ بھی پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ ورنہ تشبیہ نہ دی جاتی کہ پسندیدہ، غیر پسندیدہ کا ہم مثل نہیں ہوسکتا، تو ثابت ہوا کہ صرف جائز نہیں بلکہ پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ پھر یہ حدیث، قرآن کریم کی ان آیات مبارکہ کے موافق ہے، جن سے تعلیم الکتابت کا جواز بلکہ ضرورت ثابت ہے، تو مرقات و اشعۃ اللمعات کے کمزور احتمالات کا اعتبار نہیں ہوگا۔ کما سیجی ان شاء اللہ تعالیٰ''--- [ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۵۴۴]

صاحب فتاویٰ نوریہ نے اپنے اس موقف کی بنیاد تو براہ راست قرآن و حدیث پر رکھی لیکن تائید و توثیق کے لیے جن درجنوں کتب فقہ و تاریخ اور تفسیر کے حوالہ جات پیش کیے، ان میں سے چند نام ملاحظہ ہوں:

کتب تفسیر

١..... تفسیر مدارک
٢..... الجامع لاحکام القرآن قرطبی
٣..... الدر المنثور
٤..... تفسیر المظہری
٥..... غرائب القرآن نیشاپوری
٦..... تفسیر کبیر رازی
٧..... تفسیر ابن کثیر
٨..... تفسیر ابی سعود
٩..... تفسیر لباب التاویل (خازن)

کتب حدیث و شروح حدیث

١..... مسند احمد بن حنبل
٢..... مستدرک حاکم
٣..... تلخیص المستدرک للذہبی
٤..... سنن بیہقی
٥..... مرقات شرح مشکوٰۃ
٦..... زاد المعاد
٧..... الادب المفرد
٨..... کشف الغمہ
٩..... شرح سفر السعادت
١٠..... اشعۃ اللمعات
١١..... الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعہ
١٢..... فتح الباری شرح صحیح بخاری
١٣..... موضوعات ابن جوزی
١٤..... اللآلی المصنوعہ
١٥..... تذکرۃ الموضوعات

کتب فقہ

١..... منیۃ المصلی
٢..... صغیری شرح منیہ
٣..... کبیری شرح منیہ
٤..... فتاویٰ سراجیہ
٥..... فتاویٰ ہندیہ
٦..... تنویر الابصار
٧..... در المختار
٨..... طحطاوی شریف
٩..... رد المحتار

کتب سیر و اسماء الرجال

١..... العبر
٢..... مرآۃ الجنان
٣..... الاصابہ
٤..... کشف الظنون

۵......میزان الاعتدال ۶......تہذیب التہذیب

۷......لسان المیزان ۸......الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ

۹......مفتاح السعادۃ

یہی نہیں بلکہ آپ نے تاریخ اسلام کی ان نامور خواتین کا تذکرہ بھی کیا ہے جنہوں نے اپنے زمانے میں نہایت اہم علمی کارنامے سرانجام دیے۔ مثلاً

۱ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۲ حضرت عائشہ بنت طلحہ تابعیہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھانجی

۳ حضرت خدیجہ بنت محمد بن احمد ابورجاء فقیہہ محدثہ

۴ حضرت خدیجہ بنت محمد بن علی عالمہ فاضلہ واعظہ بغداد

۵ حضرت شہدہ بنت ابی نصر احمد عابدہ صالحہ محدثہ الشہیرہ مسندۃ العراق

۶ حضرت فاطمہ بنت امام محمد بن احمد ابو منصور سمرقندی مولف تحفۃ الفقہاء، زوجہ صاحب بدائع صنائع علامہ کاسانی

۷ حضرت خدیجہ بنت مفتی محمد بن محمود عالمہ فاضلہ محدثہ

۸ حضرت خدیجہ بنت یوسف عالمہ فاضلہ

۹ حضرت فاطمہ بنت احمد بن علی صاحب مجمع البحرین

۱۰ حضرت شہدہ بنت الصاحب کمال الدین عمر عابدہ زاہدہ فاضلہ محدثہ

۱۱ حضرت ست الوزراء بنت امام مفتی محمد بن عبدالکریم، عالمہ قاریہ فقیہہ

مانعین کی پیش کردہ حدیث پر جرح

عام طور پر عورتوں کی تعلیم اور بالخصوص تعلیم کتابت کے عدم جواز پر مانعین حدیث حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث "لا تسکنوھن الغرف و لا تعلموھن الکتابۃ و علموھن الغزل و سورۃ النور" سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت فقیہ اعظم اس پر محدثانہ طریق سے جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ حدیث جس کا حوالہ مانعین حضرات دیا کرتے ہیں صحیح اور قابل استدلال نہیں بلکہ ائمہ ومشائخ کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ وہ حدیث صحیح نہیں۔ اس کے راویوں

میں کذاب اور واضع راوی ہیں، لہٰذا وہ حدیث موضوع ہے اور قابل عمل نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وہ حدیث حضرت ابن عباس اور ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سند کا مدار جعفر بن نصر راوی پر ہے، جو جھوٹی اور موضوع حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔

موضوعات ابن جوزی، جلد۲، صفحہ ۲۶۸ اور اللآلی المصنوعہ، جلد۲، صفحہ ۱۶۸ میں ہے، و النظم لابن الجوزی: هذا حدیث لا یصح قال ابن حبان جعفر بن نصر کان یحدث عن الثقات بما لم یحد ثوا به و قال ابن عدی یحدث عن الثقات بالبواطیل و له احادیث موضوعة علیهم---

اور الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ، صفحہ ۱۲۷ میں قاضی شوکانی نے لکھا:

فی اسناده جعفر ابن نصر یحدث عن الثقات بالبواطیل---

میزان الاعتدال، جلد۱، صفحہ ۱۹۴ میں امام ذہبی نے فرمایا:

متهم بالکذب---

پھر صاحب الکامل سے نقل فرمایا:

حدث عن الثقات بالبواطیل---

بعد ازاں اس حدیث کتابت کے ساتھ دو اور احادیث ذکر کرنے کے بعد صفحہ ۱۹۵ میں فرمایا:

و هذه اباطیل---

اور لسان المیزان، جلد۲، صفحہ ۱۳۱ میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی یہی تصریحات فرمائیں۔

اور حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث کی دو سندیں ہیں، ایک میں محمد بن ابراہیم شامی ہے، جس کے متعلق علماء نے فرمایا کہ وہ منکر الحدیث ہے، کذاب ہے، من گھڑت حدیثیں بنا لیا کرتا تھا اور متروک ہے۔

موضوعات ابن جوزی، جلد۲، صفحہ ۲۶۹/ اللآلی المصنوعہ، جلد۲، صفحہ ۱۶۸/ میزان الاعتدال، جلد۳، صفحہ ۱۱/ تہذیب التہذیب، جلد۹، صفحہ ۱۴ میں ہے:

و النظم منه قال ابن حبان یضع الحدیث---

نیز تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال میں ہے:

قال ابن عدی منکر الحدیث و عامة احادیثه غیر محفوظة---

نیز تہذیب میں ہے:

و قال الحاکم و النقاش روی احادیث موضوعة---

اور میزان الاعتدال میں ہے:

و قال الدار قطنی کذاب---

پھر اس کی باطل حدیثوں میں اس حدیث کو بھی ذکر کیا، لہٰذا یہ حدیث قابل اعتبار نہیں۔ ابن جوزی اور سیوطی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کے متعلق فرمایا:

و هذا بهذا الاسناد منکر کما ذکره السیوطی فی اللآلی---

[فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۶-۵۵۳]

پھر حدیث مذکور کی دوسری سند پر بحث کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں عبدالوہاب ہے جو کذاب، منکر الحدیث اور متروک ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''الحاصل حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث کی دو سندیں ہیں اور دونوں میں ایک ایک راوی غیر معتبر ہے۔ لہٰذا یہ حدیث موضوع اور متروک و غیر معتبر ہے''---[ایضاً، صفحہ ۷-۵۵۶]

عدم جواز کے قائلین کے احتمالات کا رد

عورتوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کو ناجائز قرار دینے والے علماء نے حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث پر بنیاد رکھتے ہوئے مختلف احتمالات کے پیش نظر عورتوں کے لیے لکھنا پڑھنا ممنوع قرار دیا ہے۔ مثلاً یہ کہ:

۱ تعلیم کتابت صرف امہات المومنین کا خاصہ ہے، لہٰذا انہیں جائز ہے، باقی خواتین کے لیے جائز نہیں۔

۲ اس میں ستر وحجاب نہیں رہتا۔

۳ لڑکیاں لکھ پڑھ کر ناجائز اور غلط خط و کتابت کرتی ہیں یا کریں گی۔

ہمارے دور کے ایک مشہور دیوبندی عالم نے تو اپنے وصیت نامے میں یہاں تک لکھ دیا:

''اپنی اولاد کو سکول اور کالج کی تعلیم سے اس طرح بچائیں جس طرح شیر، بھیڑیے سے بچایا جاتا ہے۔ اس ماحول میں بچوں کو بھیجنا، ان کو اپنے ہاتھوں سے جہنم میں جھونکنا ہے۔ وہاں جاکر لاکھوں میں سے کسی ایک کا دین محفوظ رہ جائے تو یہ بطریق خرق عادت ہوگا، جو محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے''۔۔۔

[احسن الفتاوی، مولفہ مفتی رشید احمد، جلد۱، صفحہ۲۲-۲۱]

یہ وصیت بیسویں صدی کے اس دور میں کی جارہی ہے، جس کو علمی ترقی کے عروج کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔ اب ذرا کوئی ان حضرت صاحب سے پوچھے کہ اس دور میں، تنگ نظری کے خول میں بند رہ کر اگر قرآن وسنت کو پس پشت ہی ڈالنا ہے تو پھر اسلام کے ابدی دین ہونے کا معنی کیا ہے؟

بہرکیف علماء کے احتمالات کا رد کرتے ہوئے ہمارے ممدوح حضرت مفتی محمد نوراللہ نعیمی فرماتے ہیں:

''پھر فساد نسواں سے صرف تعلیم کتابت ہی کیوں ناجائز ہے، بلکہ لباس اور زیورات وغیرہ بھی علی الاطلاق ناجائز ہونے چاہئیں کیوں کہ ان کو بھی بسا اوقات ناجائز کا ذریعہ بنایا جاتا ہے بلکہ برقع بھی عورتوں کے لیے ناجائز ہوتا کیوں کہ اس کو بھی ناجائز آمدورفت اور ناجائز ملاقاتوں کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور یونہی بکثرت ایسی چیزیں ہیں کہ ناجائز طور پر استعمال کی جارہی ہیں مگر جائز لباس اور زیورات کا استعمال جائز ہے اور برقع اوڑھنا بھی یقیناً جائز ہے، جب کہ اس کو ناجائز طور پر استعمال نہ کیا جائے۔ تو ثابت ہوا کہ ناجائز استعمال ہی ناجائز ہے اور اصل کتابت اور تعلیم کتابت جائز ہے۔

پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ ناجائز کتابت صرف عورتوں میں ہی نہیں بلکہ کئی مرد بھی ناجائز خط وکتابت کرتے ہیں، بلکہ مکاتبہ ہوتا ہی طرفین سے ہے، تو مردوں کے لیے بھی تعلیم کتابت ناجائز ہوتی کہ وہی علت فساد النسوان فی هذا الزمان مردوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ فساد الرجال فی هذا الزمان بڑا واضح امر ہے۔ [فتاویٰ نوریہ، جلد۳، صفحہ۵۶۰]

تنبیہ

اجازت صرف کتابت اور تعلیم کتابت کی ہے، کالج وغیرہ کا داخلہ اور بے پردگی یا

ناجائز خط و کتابت تو ناجائز ہی ہے"---[فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۵۲۰]

راقم السطور کی طالب علمانہ رائے میں حضرت فقیہ اعظم کا یہ ارشاد" کالج وغیرہ کا داخلہ" ان صورتوں میں منحصر ہے جہاں شرعی عوارض وموانع لاحق ہوں، مثلاً بے پردگی لازم آئے یا مرد اساتذہ سے بے حجابانہ سلسلہ تعلم قائم کیا جائے وغیرہ، جیسا کہ حضرت علیہ الرحمۃ کے کلام کا سیاق ظاہر کرتا ہے، موجودہ دور میں بے شمار خواتین کے کالجز ایسے ہیں جہاں خواتین ہی استاد ہیں۔ رہا پردہ وحجاب کا سوال، تو وہ آتے جاتے اور کالج حدود کے اندر اگر احتیاط سے کام لیا جائے تو اس میں چنداں مشکل نہیں۔

گزشتہ صفحات میں حضرت فقیہ اعظم کی تعلیم وکتابت نسواں کے مسئلہ میں جو تحقیق پیش کی گئی ہے، اس کی روشنی میں یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ حضرت مفتی نور اللہ صاحب نعیمی کو اس علیم وقدیر ذات قدسیہ نے جو تفقہ فی الدین عطا کیا تھا، گلشن نعیم کے اس گل سرسبد نے اس نعمت الٰہیہ سے جس طرح اسلام کی خدمت کی، وہ انہی کا حصہ تھا۔ راجا رشید محمود نے سچ کہا ہے:

ان کا تفقہ دین میں ہے انفرادیت نشاں
تحقیق اور تدقیق میں نام ان کا مشہور زماں

[ماہنامہ نور الحبیب، بصیر پور، نومبر، دسمبر ۱۹۹۳ء، صفحہ ۱۰۶]

✿✿✿✿✿

مریض کے بدن میں خون داخل کرنا

عصر رواں میں جس طرح دیگر شعبہ ہائے حیات میں سائنس و ٹیکنالوجی نے ترقی کی ہے، زراعت کے میدان میں بھی اسی شرح کے حساب سے ترقی ہوئی ہے۔ یوں جدید ٹیکنالوجی کے سبب سے کھادوں اور دوائیوں کے استعمال سے مختلف النوع بیماریاں بھی عام ہوگئی ہیں۔ کھاد کے ذریعہ تیار ہونے والی ہماری غذا کے علاوہ ماحول اور آب وہوا کی آلودگی نے بھی بہت سی بیماریوں کو جنم دیا ہے، یوں ایسی ایسی بیماریاں پیدا ہو چکی ہیں کہ جن کے علاج کے لیے بسا اوقات ادویہ کے علاوہ انسانی خون مریض کو دینے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بیماری ایک اضطراری اور مجبوری کی حالت ہوتی ہے کہ جس میں اگر مریض کی جان کسی حرام چیز کے بھی بقدر ضرورت استعمال کرنے سے بچ سکتی ہے تو قرآن وحدیث کی واضح نصوص اسے اس کے استعمال کی اجازت دیتی ہیں بشرطیکہ مریض صحت کے حاصل ہو جانے کے بعد اس حرام چیز کا عادی نہ بن جائے۔ اسلام نے

عبادت کی راہ نہ اختیار کرے۔ چونکہ اس طرح سے علاج کرنا ایک بالکل نیا اور جدید طریقہ علاج ہے۔ ظاہر ہے کہ جس زمانے میں ہماری کتب فقہ اور فتاویٰ مرتب و مدون ہوئی ہیں اس دور میں اس قسم کی نہ بیماریاں تھیں اور نہ ہی ایسے علاج ایجاد ہوئے تھے۔ اب جب کہ نئی بیماریاں اور نئے طریقہ ہائے علاج معرض وجود میں آ چکے ہیں تو انسانی جان کے تحفظ و دفاع کے لیے ان نو ایجاد طریق علاج کی شرعی حیثیات سے متعلق سوال پیدا ہونا ایک بدیہی امر تھا۔

چنانچہ جب یہ سوال اہل علم (علماء) کے سامنے پیش ہوا تو بعض علماء نے اس کے جواز اور بعض نے عدم جواز کا فتویٰ دیا۔ بہر کیف جو جس کی تحقیق تھی یا جس فقیہ نے قرآن و حدیث اور تصریحات فقہاء پر غور و فکر کی روشنی میں جو محسوس کیا اس کا اظہار کر دیا، یہ امر کوئی قابل طعن نہیں ہے۔ لیکن غور طلب نکتہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے انسانی جان کے تحفظ کی خاطر کون سی تحقیق اور تعبیر قرآن وسنت کے منشاء کے مطابق یا قریب ہے اور جدید دور کے تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے اور کون سی تحقیق اس معیار پر پورا نہیں اترتی۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی کی رائے

کراچی کے معروف عالم مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی جاں بلب مریض کو خون دینے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں اپنی رائے کا اظہار بایں الفاظ کرتے ہیں:

''اصل حکم تو یہ ہے کہ خون نجاست غلیظہ ہے اور نجاست غلیظہ کا استعمال خارج بدن میں بھی حرام ہے، داخل بدن میں بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔ کما صرح به فی الدر المختار ورد المحتار من فصل الانجاس رسول کریم ﷺ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ناپاک چربی کشتیوں اور چمڑوں وغیرہ میں استعمال کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا حرام ہے [صحیح بخاری] اس کے علاوہ خون انسان کا جزء ہے اور اجزائے انسانی کا استعمال کرنا مطلقاً حرام ہے۔..........

آگے فتاویٰ عالمگیری کی درج ذیل عبارت لکھ کر فرماتے ہیں:

مضطر لم یجد میتة و خاف الهلاک فقال له رجل اقطع یدی و کلها او قال اقطع منی قطعة و کلها لا یسعه ان یفعل ذلک و لا یصح

امرہ بہ --- [عالم گیر، باب ۱۱، صفحہ ۳۷۴، جلد ۵، طبع مصر]

یہ جزئیہ فقہیہ بالکل مسئلہ زیر بحث کی نظیر ہے کہ ایک انسان کی جان بچانے کے لیے کوئی انسان اپنے بدن کا خون اپنی مرضی سے دینا چاہتا ہے مگر اس مذکورہ تصریح کی انسانی جز ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں .... یہ حکم تو اصل مسئلہ کا ہے لیکن علاج و دوا کے لیے بعض فقہاء نے خاص اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ درمختار شامی وغیرہ میں اسی پر فتوی دیا گیا ہے، شرط یہ ہے کہ کسی مسلمان ڈاکٹر یا طبیب کی تجویز سے یہ معلوم ہو کہ اس حرام چیز کے سوا کوئی دوسرا علاج ممکن نہیں اور اس کے استعمال سے بغالب ظن تندرستی کی امید ہے۔

آخر میں بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس فتوے پر بھی عالم گیری کی مذکورہ تصریح سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ انسانی خون کو دوسری حرام چیزوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن عالم گیری کی مذکورہ تصریح میں ایک ایسے عضو انسانی کا ذکر ہے جس کے قطع کرنے سے اس انسان کو نہایت سخت تکلیف پہنچے گی، جس سے بعض اس کی جان کا بھی خطرہ ہو سکتا ہے اور خون لینے کا جو طریقہ رائج ہے اس سے انسان کو کوئی ایسی تکلیف لاحق نہیں ہوتی، معمولی کمزوری ہوتی ہے، جو چند روز کے علاج سے دفع ہو جاتی ہے۔ اس فرق کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ بطور علاج و دوا ایسے حالات میں جب کہ کسی مسلمان ڈاکٹر یا طبیب کے کہنے کے مطابق اور کوئی دوا کارگر نہ ہو اور خون دینے سے جان بچنے کی قوی امید ہو تو صرف ایسے حالات میں خون دے کر علاج کیا جا سکتا ہے"---

[ملخصاً التبیان لحکم التداوی بدم الانسان، مشمولہ آلات جدیدہ، صفحہ ۱۷۹ تا ۱۸۱]

مفتی کفایت اللہ دھلوی کا موقف

ممتاز دیوبندی عالم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی (متوفی ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء) خون دینے کے مسئلہ میں اپنی تحقیق کی روشنی میں لکھتے ہیں:

"کسی انسان کا خون علاج کی غرض سے دوسرے انسان کے جسم میں داخل کرنا

جب کہ اس کی شفایابی اس پر بقول طبیب حاذق مسلم منحصر ہوگئی ہو، مباح ہے۔ یہ شبہ کہ انسان کے اجزا کا استعمال ناجائز ہے، اس پر وارد نہ ہونا چاہیے کہ استعمال کی جو صورت کہ مستلزم اہانت ہو وہ ناجائز ہے اور جس میں اہانت نہ ہو تو بضرورت وہ استعمال ناجائز نہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک کو پانی میں دھو کر وہ پانی مریض پر چھڑکا یا پلایا جاتا تھا۔ حرمۃ الانتفاع باجزاء الآدمی لکرامتہ [ہدایہ]
[کفایت المفتی، جلد ۹، صفحہ ۱۴۲-۱۴۳]

نصوص فقہیہ نقل کرنے کے بعد فتویٰ کے آخر میں لکھتے ہیں:

"یہ واضح رہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ کسی انسان کے بدن سے نکلا ہوا خون دستیاب ہو جائے اور وہ اس کام میں لایا جا سکتا ہو لیکن کسی مریض کے لیے کسی انسان کے بدن سے خون نکالنا بغیر اس کے کہ خود اس کے بدن کی اصلاح کے لیے نکالا جائے، درست نہیں ہے"۔۔۔ [کفایت المفتی، جلد ۹، صفحہ ۱۴۲-۱۴۳]

ان دونوں عبارات کے مطالعہ سے یہ صاف جھلکتا ہے کہ مفتی صاحب خود اپنے فتویٰ میں اضطراب کا شکار ہیں، جس کی بنیادی وجہ دلائل کی کمی ہے جیسا کہ فتویٰ سے بخوبی ظاہر ہے۔ جس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اتنے اہم مسئلہ میں فتویٰ دیتے وقت ماخذ کے طور پر فقہ کی صرف ایک کتاب "ردالمحتار" پر ہی انحصار کیا ہے، جب کہ اس کے علاوہ کسی اور کتاب کا حوالہ نہیں ہے نیز یہ چیز ذخیرہ کتب فقہ کے مطالعہ کے عدم وسعت پر بھی دلالت کرتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ کا موقف

اسی طرح ابھی حال ہی میں ایک اور دیوبندی عالم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد دکن کے فتاویٰ کا مجموعہ "جدید فقہی مسائل" کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوا ہے (یہ یاد رہے کہ پہلا حصہ ۳۱۵ صفحات پر جب کہ دوسرا ۲۶۱ صفحات پر مشتمل ہے) اس مجموعہ کے حصہ اول کے صفحہ ۲۰۳ سے لے کر ۲۰۵ تک خون چڑھانے سے متعلق ایک فتویٰ ہے، اس میں انہوں حدیث عرینہ (ترمذی وابوداؤد) اور ترمذی، نسائی، ابوداؤد میں حضرت عبدالرحمٰن بن طرفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک روایت پر قیاس کرتے ہوئے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے

اور علاوہ ازیں عالم گیری سے بھی دو حوالہ جات نقل کیے ہیں۔ موصوف ان نصوص کو نقل کرنے کے بعد فتاوی عالم گیری کی ایک عبارت ''ولا باس بان یسعط الرجل بلبن المراۃ و یشربہ للدواء'' [جلد ۴، صفحہ ۱۱۲] سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دودھ خون کے لیے بڑی حد تک واضح نظیر ہے لہٰذا از راہ علاج ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں ڈالا جا سکتا ہے، البتہ اس کے لیے درج ذیل شرطیں ہوں گی:

۱ خون کے علاوہ کوئی دوسری متبادل دوا نہ ہو، جس سے مریض کی جان بچ سکے یا صحت یاب ہو سکے۔

۲ کوئی ماہر طبیب خون کے استعمال کو ناگزیر قرار دے دے۔

۳ محض قوت یا جسمانی حسن میں اضافہ مقصود نہ ہو کہ یہ ضرورت کے درجہ کی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ایسی دوا موجود ہے جس کے استعمال سے صحت کا امکان نہ ہو مگر اس میں تاخیر کا اندیشہ ہو، اس صورت میں بھی بہتر ہے کہ خون کے استعمال سے بچا جائے کیوں کہ ایسی صورت میں حرام چیزوں سے علاج کے جائز ہونے اور نہ ہونے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے'' --- [جدید فقہی مسائل، جلد ۱، صفحہ ۲۰۵]

بالخصوص آخری جملوں سے یہ صاف جھلک رہا ہے کہ خود راقم مسئلہ مذکور کو بھی اپنے فتوے کی صداقت پر یقین نہیں بلکہ اپنے ''اکابرین'' کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہ بھی تذبذب کا شکار ہیں۔

مولانا مودودی کی رائے

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی بانی جماعت اسلامی اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آدمی کی جان بچانے کے لیے اس کے جسم میں خون داخل کرنا میرے نزدیک تو جائز ہے، میں نہیں سمجھ سکا اس کو حرام کہنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، غالباً اسے خون پینے اور کھانے پر قیاس کر کے کسی نے حرام کہا ہوگا، لیکن میرے نزدیک ان دونوں چیزوں میں فرق ہے، غذا کے طور پر خون پینا اور کھانا بلاشبہ حرام ہے مگر جان بچانے کے لیے مریض یا زخمی آدمی کے جسم میں خون داخل کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح حالت اضطرار میں مردار یا خنزیر کھانا --- [رسائل و مسائل، جلد ۲، صفحہ ۲۵۴]

حضرت فقیہ اعظم کی تحقیق اور رائے

انتقال خون کے متعلق مذکورہ تحقیقات و آراء ملاحظہ کرنے کے بعد آیئے اب ذرا اسی مختلف فیہ مسئلہ میں مرجع العلماء حضرت علامہ بصیر پوری کی تحقیق بھی دیکھیے کہ آپ کس قدر بصیرت سے کام لیتے ہوئے ایک ایسے الجھے ہوئے مسئلے سے درماندہ راہ علماء و عوام کو اپنی نورانی کرنوں سے کیسے منور کرتے اور انہیں جادہ حق دکھاتے ہیں۔ علامہ محمد نوراللہ، صاحب فتاویٰ نوریہ کی خدمت میں حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب کے ایماء وفرمائش پر مولانا علی محمد نوری صاحب نے انتقال خون سے متعلق ایک استفتاء مورخہ ۱۹-اکتوبر ۱۹۶۵ء کو آپ کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے اس کے جواب میں اپنے تفقہ فی الدین کے جو دریا بہائے اور لولوئے آبدار لوٹائے، وہ پڑھنے اور دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلے سائل کا سوال ملاحظہ کریں، پھر آپ کا جواب:

استفتاء: الرام آں کہ پاکستان و ہندوستان کی موجودہ جنگ اور ہنگامی حالات کے باعث دوران جنگ زخمی ہونے والے مجاہدین کے لیے آج کل خون کے عطیے پیش کیے جارہے ہیں اور بظاہر اس کی ضرورت بھی بہت ہے، تو حضور سے التماس ہے کہ آیا شرعاً یہ عطیات جائز ہیں اور اسی ضرورت کے پیش نظر انتفاع بالدم جائز ہوگا یا ممنوع و حرام، مدلل و مبرہن فتویٰ مطلوب ہے۔

اس سوال کے جواب میں اپنے دلائل کی بنیاد جن کتب فقہ و تفسیر و حدیث پر رکھی، پہلے ایک نظر ان پر ڈالیں اور پھر آپ کا فیصلہ کن فتویٰ پڑھیے۔

۱.....قرآن مجید	۲.....تفسیر مظہری، جلد ا، صفحہ ۱۷۱
۳.....ہدایہ، جلد ۳، صفحہ ۳۳۲	۴.....نورالانوار، صفحہ ۱۷۲
۵.....تنقیح توضیح تلویح، صفحہ ۲۱۵	۶.....ہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۳۲۱
۷.....فتح القدیر، جلد ۳، صفحہ ۳۱۰	۸.....فتاویٰ عالمگیر، جلد ۴، صفحہ ۱۱۲
۹.....شامی، جلد ۵، صفحہ ۳۳۲	۱۰.....حموی علی الاشباہ، صفحہ ۱۰۸
۱۱.....عینی شرح بخاری، جلد ا، صفحہ ۷۷۸	۱۲.....بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۶۷

مذکورہ بالا ان معتبر فقہ و فتاویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے آپ نے انتقال خون سے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا:

''ایسی ضرورت شدیدہ کے وقت کہ زخمی مجاہد کی زندگی خطرہ میں ہو اور کوئی نافع دوا خون کے بغیر نہ ملے تو استعمال خون بقدر ضرورت شرعاً جائز ہوگا۔ قرآن کریم میں

حرمت خون کا بیان چار آیتوں میں ہے، پارہ ۲، رکوع ۵/ پارہ ۶، رکوع ۵/ پارہ ۸، رکوع ۵/ پارہ ۱۴، رکوع ۲۱ اور ہر ایک آیت میں ضرورت شدیدہ کے وقت صاف صاف اجازت ہے۔ [فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۵۶۲-۵۶۴]

مذہب مہذب حنفیہ میں بھی اس کی تصریح ہے، ہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۳۳۲/ نور الانوار، صفحہ ۲۱۷، تنقیح توضیح تلویح، صفحہ ۶۱۵ میں ہے: و اللفظ من الهداية تناول هذه المحرمات انما يباح عند الضرورة۔ نیز فقہائے کرام نے ضرورت شدیدہ کے وقت بالخصوص انسانی اجزاء سے انتفاع کی تصریح بھی کی ہے۔ ہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۳۳۱، فتح القدیر جلد ۳، صفحہ ۲۱۰ میں ہے: و اللفظ له انه جزء الآدمی فلا يباح الانتفاع به الا بضرورة اور اسی بناء پر چھوٹے بچے کو انسانی دودھ (جو انسانی جز ہے) پلایا جاتا ہے اور یوں ہی دوا کے طور پر بھی استعمال کی اجازت دی گئی ہے" ---[فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۵۶۴-۵۶۵]

آگے چلتے ہوئے انتقال خون پر کیے جانے والے اعتراض کہ اس میں انسانیت کی اہانت پائی جاتی ہے، کو رفع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رہا یہ شبہ کہ انسانی خون کے استعمال میں انسانیت کی اہانت (بے ادبی) ہے تو یہ شبہ قرآن کریم کی چار آیتوں کی اجازت اور فقہائے کرام کی تصریحات کے سامنے محض بے جا ہے۔ پھر سرکار دو عالم ﷺ جو انسانیت کی بھی جان ہیں، ان کا خون مبارک جو پچھنے والی سینگی لگوانے کے وقت خارج ہوا، صحابہ کرام کی ایک جماعت (جن میں حضرت مولیٰ علی اور حضرت عبد اللہ بن زبیر اور ابو طیبہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں) نے بطور تبرک نوش کیا اور آپ نے منع نہ فرمایا" ---

اس سے آگے عینی شرح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۷۷۸ اور بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۶۷ سے امام عینی اور امام بیہقی کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب سرکار کا خون مبارک بطور تبرک نوش کرنا جائز ہوا اور بے ادبی نہ بنا حالانکہ ان کی عزت سے بڑھ کر کسی کی عزت نہیں تو مومن کی جان بچانے کے لیے عام انسان کا خون استعمال کرنا کیوں کر بے ادبی بن سکتا ہے۔ بلکہ اس میں انسانیت کی عزت ہے کہ غازی کی زندگی کی حفاظت ہے" ---

دلائل نقلیہ سے استنباط و استدلال کرنے کے بعد اپنے موقف پر عقلی دلائل قائم کرتے

...فرماتے ہیں:

''بہر حال روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ ایسے مریض کے لیے ایسی ضرورت کے وقت انسانی خون کا استعمال جائز ہے اور جب استعمال خون جائز ہے تو خون کے عطیات پیش کرنے بھی جائز ہوں گے کیوں کہ پاک و ہند کی یہ جنگ یقیناً اسلام و کفر کی جنگ ہے اور شرعی جہاد اور بہت بڑی نیکی ہے اور خونی عطیات اس جہاد میں خصوصی تعاون ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے و تعاونوا علی البر و التقوی [پارہ ۶، رکوع ۵] یعنی نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ نیز حضور پرنور ﷺ کی متفق علیہ حدیث ہے:

المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا ثم شبک بین اصابعہ---[مشکوٰۃ، صفحہ ۴۲۲]

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے مکان کی طرح ہے کہ مکان کا بعض حصہ بعض کو مضبوط کرتا ہے پھر انگشتان مبارک ایک دوسری میں داخل فرمادیں''---

اور جب کہ خون دینا بھی اپنے مومن بھائی کو مضبوط کرنا ہے تو اس حدیث پاک کے لحاظ سے بھی جائز ہوگا۔ پھر جب آدمی اپنی جسمانی مرض وغیرہ ضرورت کے لیے فصد وغیرہ کے ذریعہ خون نکال سکتا ہے تو روحانی و ایمانی، ملی اور ملکی ضرورت کے پیش نظر کیوں نہیں نکال سکتا۔ تو واضح ہوا کہ عطیات خون کا پیش کرنا بھی جائز ہے اور تعاون علی الجہاد ہے''---[ایضاً ملخصاً، جلد ۳، صفحہ ۸-۵۶۶]

فتویٰ کا ایک ایک لفظ زبان حال سے بول کر گواہی دے رہا ہے کہ مجیب مصیب ہے اور اسے لکھتے ہوئے ایک ایک حرف کی صداقت و حقانیت پر یقین کامل ہے اور کسی قسم کا کوئی شک و ارتیاب نہیں۔ لیکن قربان جائیں دین متین کے اس خادم و مخلص پر کہ قرآن و سنت اور دیگر جزئیات فقہا کی روشنی میں مسکت و مدلل جواب دینے کے بعد بھی کسی قسم کے غرور و تکبر کا شکار ہونے بغیر کمال عاجزی و انکساری سے کام لیتے ہوئے آخر میں بطور تنبیہ یہ بھی لکھ دیا:

''یہ فتویٰ بطور رائے ہے اور کوئی حتمی فیصلہ یا قطعی فتویٰ نہیں''---

[ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۵۶۸]

باب-۴

اعتقادی مسائل

یہ امت مسلمہ کی بدقسمتی وحرماں نصیبی ہے کہ اس کو کچھ غیروں کی چالاکی اور کچھ اپنوں کی کم عقل
نے اعتقاد وعمل کے اختلاف سے لخت لخت کر دیا ہے مقام تاسف تو یہ ہے کہ بالخصوص اعتقادی
حوالے سے نزاع واختلاف کا مرکز بھی ذات رسالت مآب ﷺ کو بنایا گیا ہے تا کہ مسلمان
ایک مرکز عقیدت اور دائرہ محبت پر جمع نہ ہو سکیں۔ چنانچہ اغیار کی یہ سازشیں رنگ لائیں اور مسلمان
چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ کر رہ گئے ہیں اور ان کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔

برصغیر پاک وہند میں ۱۹ویں صدی کے نصف آخر سے تادم تحریر اعتقادی میدان میں
ہونے والے اختلافات کی خلیج دن بدن گہری ہوتی جا رہی ہے اور اس کے پاٹنے کی کوئی صورت
دور تک نظر نہیں آتی۔ جس کا اصل سبب ہماری نظر میں صرف یہ ہے کہ فریقین میں سے ایک فر
اپنے مخترعہ خیالات ونظریات کو شریعت قرار دینے پر بضد نظر آتا ہے جب کہ دوسرا گروہ قرآن
سنت اور اجماع امت سے تمسک کرتے ہوئے ان کی ہدایات وتعلیمات کا معتقد و پابند
رکھنے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔ چنانچہ یہ علمی وفکری بُعد روز بروز جسد ملت کو کمزور تر کرتا چلا جا رہا ہے۔

اعتقادی حوالے سے بطور خاص جو عقائد اختلاف کا باعث بنے یا جن کی تعبیر وتشریح میں علما
میں اختلاف پایا جاتا ہے ان میں نور وبشر، علم غیب، حاضر وناظر، استمداد وغیرہ ایسے عقائد شا

ہیں۔ صاحب فتاویٰ نوریہ حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس باب میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خان بریلوی کی تحقیقات کے موید و مصدق ہیں، چنانچہ ان کے پاس اس سلسلہ میں جو بھی سوال آیا تو انہوں نے اپنی رائے اور عقیدہ کو دلائل شرعیہ سے ثابت کرتے ہوئے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ ایسا اس لیے نہیں کیا کہ وہ فاضل بریلوی سے عقیدت رکھتے ہیں، بلکہ ان کے پیش نظر صرف تقدیس الوہیت، عظمت رسالت اور مقام ولایت تھا، جس کا تحفظ و دفاع کرنا ان کے ایمان کا تقاضا اور علم کا مدار و معیار تھا۔

چنانچہ ہم آئندہ صفحات میں ان اختلافی مسائل میں دیگر علماء اور صاحب فتاویٰ نوریہ کی علمی تحقیقات کا ایک جائزہ پیش کریں گے، جس سے قارئین کو خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ حق کس جانب ہے اور قرآن و سنت کی واضح تعلیمات سے انحراف کرنے والے کون ہیں؟

✿✿✿✿✿

مسئلہ نور و بشر

اہل سنت و جماعت اور دیگر علماء (دیو بند، اہل حدیث) کے درمیان نزاعی مسائل میں سے ایک اہم ترین مسئلہ حضور سید عالم ﷺ کی شان نورانیت و بشریت سے متعلق ہے۔ اہل سنت آپ ﷺ کی ذات اقدس میں ان دونوں شانوں کو مجتمع مانتے اور اس کا عقیدہ رکھتے ہیں جب کہ دوسرے علماء اس سے اختلاف کرتے ہیں اور وہ بشریت محمدی ﷺ کے اقرار کے ساتھ نورانیت محمدی کا عموماً انکار کرتے ہیں۔ حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایسے مسلّم عالم اور مرکز دائرۂ تحقیق سے ایسے نزاعی مسائل میں علماء و عوام کا رجوع کرنا ایک بدیہی حقیقت ہے، چنانچہ آپ سے اس مسئلہ کے بارے میں جب استفسار کیا گیا تو آپ نے اس کا انتہائی علمی و تحقیقی اور مدلل جواب تحریر فرمایا اور اپنے عقیدہ و موقف کی صداقت و حقانیت کو واضح کیا۔ صاحب فتاویٰ نوریہ کی نور افزا تحقیقات کی نورانی کرنوں سے مستنیر ہونے سے پہلے علمائے دیو بند اور اہل حدیث کی آراء و تحقیقات کو نقل کرنا ضروری ہے، تاکہ تقابل کرنے میں آسانی رہے۔

نور نبوی ﷺ سے متعلق مولانا گنگوہی کی رائے

شاہ اسماعیل دہلوی (۱۱۹۳ھ-۱۲۴۶ھ) نے اپنی کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں ''سجدہ صرف اللہ کا حق ہے اور پیغمبر کی تعظیم کی جائے'' کے عنوان کے تحت مسند احمد بن حنبل میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے، جس میں یہ الفاظ آتے ہیں: فقال

اعبدوا ربکم و اکرموا اخاکم "بندگی کرو اپنے رب کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی" اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے، سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے اور مالک سب کا اللہ ہے، بندگی اسی کی چاہیے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء وانبیاء، امام وامام زادے، پیر و مرشد یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی۔

مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم کیا ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں، سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے"----

[تقویۃ الایمان، صفحہ ۸۵]

مولانا دہلوی کے رسالت پناہ سے متعلق ان خود ساختہ تصورات نے ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے، کچھ دہلوی صاحب کے پیروکار بن گئے اور اکثریت نے اس قسم کے خیالات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، بہر کیف اس فکر غیر مستقیم سے مسلم معاشرہ کے اندر بحث ومناظرہ کا ایک نیا باب کھل گیا۔ دہلوی صاحب کے متبعین اپنے پیش رو کے عقیدہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دلائل گھڑنے لگے، جب کہ ان کے مخالفین شان ومقام رسالت کے حوالے سے دلائل علمیہ کی تلاش میں شروع ہو گئے۔ اس بحث ومباحثہ میں اتنی بات ضرور سامنے آئی کہ مولانا دہلوی تو ایسی متنازعہ عبارات لکھ کر عالم فانی سے اگلے جہان سدھار گئے، مگر ان کے پیروکار اس مسئلہ میں دلائل دیتے ہوئے متردد و متحیر ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے امام الطائفہ کا دفاع نہ کر سکے اور اہل حق علماء نے اور ان کی پیروی کرتے ہوئے مسلمانوں کی بھاری اکثریت نے دہلوی افکار کو رد کر دیا اور اس قسم کے خیالات کو شان رسالت کے منافی قرار دیا۔

مولانا اسماعیل دہلوی کے ہم خیال علماء کے فتویٰ جات میں سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

بشریت رسول کا مطلب

مولانا رشید احمد گنگوہی سے جب اسماعیل دہلوی فکر سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے عظمت رسالت کے مقابلہ میں مولانا دہلوی کی فکر کا دفاع کرتے ہوئے جو کہا وہ سوال مع جواب ملاحظہ ہو:

سوال: سرور عالم ﷺ ہمارے کس بات میں مثل ہیں؟ کیا یہ بات کہ

جملہ بشریت میں حضور ہمارے مثل ہیں، صرف نبوت کا فرق ہے یا یہ کہ حضور ﷺ کی بشریت ہماری بشریت سے کچھ افضل ہے اور اگر بالفرض افضل ہے تو کس قدر، جیسے بڑے بھائی کا مرتبہ یا اس سے بھی کم وبیش، اور جو شخص یہ کہے کہ سرور عالم ﷺ کی بشریت ہماری بشریت سے اس قدر افضل ہے کہ جیسے بڑے بھائی کا مرتبہ، تو یہ قول اس کا قابل تسلیم ہے یا نہیں؟

جواب: نفس بشر ہونے میں مساوات ہے اگر چہ آپ کی بشریت ازکی واطیب ہے اور بڑا بھائی کہنا بھی اس نفس بشریت کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ بشریت کی افضلیت ایسی ہے، چوں کہ حدیث میں آپ نے خود اشارہ فرمایا تھا کہ مجھ کو بھائی کہو، بایں رعایت تقویۃ الایمان میں اس لفظ کو لکھا ہے نہ بایں وجہ کہ آپ کی بشریت کا فضل بڑے بھائی کے فضل کی قدر ہے، اس پر نافہموں نے غل مچا دیا ورنہ بعد میں حق تعالیٰ کے فخر عالم کو افضل واکمل وہ خود لکھتے ہیں'' --- [فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۱۰۱]

دیکھا جناب اس کو کہتے ہیں ''شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار'' لیکن خدا عقل دے کہ اپنے پیر مرشد کی بات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کس طرح فرمان رسول ﷺ کو بدل ڈالا ہے، حالاں کہ حدیث مبارکہ کے الفاظ تو یہ ہیں:

اکرموا اخاکم ---

''تم اپنے بھائی کی تعظیم کرو'' ---

لیکن مولانا گنگوہی صاحب نے صرف دہلوی صاحب کی محبت میں فرمان رسول ﷺ کو بدلتے ہوئے اپنی طرف سے الفاظ وضع کیے اور کہہ دیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

قولوا اخاکم ---

''تم اپنا بھائی کہو'' ---

اس کو کہتے ہیں تحریف لفظی ومعنوی۔ مولانا گنگوہی نے نفس بشریت میں مساوات کا دعویٰ کیا ہے، حالاں کہ یہ بھی امر واقع کے خلاف ہے، اس لیے کہ بشریت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم بھی عالم بشریت سے افضل واعلیٰ اور ازکی واطیب ہے۔ صرف ایک مثال عرض خدمت ہے:

حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم اقدس کو دنیاوی آلائشوں اور کثافتوں سے کوئی تعلق اور سروکار

تھا اسی لیے آپ ﷺ کے جسم اقدس پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور ﷺ کو رضاعت کے لیے اپنے گھر کی طرف لے کر چلیں تو راستے خوش بوؤں سے معطر ہو گئے، وادی بنو سعد کا کوچہ کوچہ حضور نبی اکرم ﷺ کے بدن اقدس کی خوش بو سے مہک اٹھا۔ وہ خود بیان کرتی ہیں:

ولما دخلت به الى منزلي لم يبق منزل من منازل بني سعد الا شممنا منه ريح المسك --- [سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۱، صفحہ ۳۸۷]

شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ کی مبارک صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بغیر خوش بو کے استعمال کے حضور ﷺ کے جسم اطہر سے ایسی خوش بو آتی، جس کا مقابلہ کوئی خوش بو نہیں کر سکتی'' --- [مدارج النبوت، جلد ۱، صفحہ ۲۹]

اور آپ ﷺ کے پسینۂ مبارک کا عالم یہ تھا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں:

''یارسول اللہ! یہ آپ کا مبارک پسینہ ہے، جسے ہم اپنی خوش بوؤں میں ملاتے ہیں اور یہ سب خوش بوؤں سے بڑھ کر خوش بودار ہے'' --- [مسلم، کتاب الفضائل، رقم ۲۳۳۱]

کیا نفس بشریت میں مساوات کے مدعی رشید احمد گنگوہی یا اس کے سید الطائفہ کے جسم و پسینہ میں سے بھی خوش بو آتی ہے؟ وہاں تو ایسا تعفن کہ سگی اولاد بھی نفرت کرتی ہے۔

حضرت فقیہ اعظم کی تحقیق

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے مقام اور آپ کی شانِ نورانیت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بلاشک و شبہ آنحضور پُر نور، نور علیٰ نور ﷺ ہیں، اس دعویٰ پر شاہد عدل ایمانِ مومن ہی کافی و وافی ہے۔ جمہور ائمہ کرام و علماء عظام قرناً فقرناً تصریحات فرماتے چلے آ رہے ہیں کہ آنحضور ﷺ نور ہیں اور ''نور'' آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی میں سے ہے اور احادیث مبارکہ سے اس نورانیت کی شعاعیں اپنی چمک دمک سے ابصار و بصائر کو منور فرما رہی ہیں اور سب بڑھ کر وہ شہادت ہے جو خود اس نور کے پیدا فرمانے والے نے صراحۃً بیان فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قد جاء کم من الله نور و کتٰب مبین﴾---

''تحقیق آیا تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک نور اور کتاب روشن''---

ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ اس نور سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور واو عاطفہ اسی طرف اشارہ کرتی ہے''---[فتاویٰ نوریہ، جلد۵، صفحہ۷۲-۷۳]

اپنے اس موقف پر ائمہ تفسیر حدیث کے اقوال سے استشہاد کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں

''بہر حال ثابت ہوا کہ محبوب اکرم ﷺ کے تمام اعضاء مبارکہ میں نور ہی نور تھا، تو اس کیفیت مبارکہ کا تصور ہی صریح طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ آپ کے لیے سایہ کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ الغرض جو صحیح معنی میں انسان ہے اگر دل سے مضمون حدیث ہذا کی تصدیق کرتے ہوئے نظر کرے تو آفتاب سے بھی زیادہ روشن پائے گا کہ اس آفتاب ربانی کے لیے سایہ ہو ہی نہیں سکتا۔

میں حیران ہوں کہ نفی سایہ میں کون سا استحالہ ہے کہ تسلیم نہ کیا جائے، حالانکہ بہت سے اجسام لطیفہ کے لیے مشاہدہ ثابت و مسلم کہ سایہ نہیں، جیسے سات آسمان اور ہوا، نار وغیرہ۔ تو اس جان لطافت ﷺ کے لیے سایہ کا نہ ہونا کیوں کر محال و مستبعد ہو سکتا ہے حالانکہ دلائل صریحہ کثیرہ ظاہرہ قاہرہ باہرہ سے نفی سایہ ثابت ہے اور سایہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں''---[ایضاً، صفحہ۸۲]

بشریت میں مساوات کے درمیان کیا یہ بتا سکتے ہیں کہ کسی عام بشر کے جسم کے بھی یہی خواص ہوتے ہیں جو جسم محمدی کے تھے، یقیناً اس کا جواب نفی میں ہوگا۔

یہ ہے حضرت نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نگاہ نور کہ اسے بشریت محمدی اور عام بشر میں کوئی مماثلت نظر نہیں آئی۔

✿✿✿✿✿

مسئلہ استعانت واستمداد

استعانت کا لغوی معنی کسی سے مدد طلب کرنا ہے، علماء وفقہاء میں زمانہ قدیم سے ہی اس مسئلہ میں اختلاف چلا آرہا ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اپنی حاجت برآری کے لیے مدد طلب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک فریق کا موقف یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی بھی ہستی اور ذات سے استعانت جائز نہیں ہے، جب کہ قائلین علماء اہل سنت اور ائمہ وفقہاء متکلمین کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی ذات سے اگر اس اعتقاد اور خیال کے ساتھ مدد طلب کی جائے کہ حقیقی حاجت روا اور مددگار اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ انبیاء، اولیاء چوں کہ اس کی ذات وصفات کے مظہر ہیں کہ جنہیں اللہ رب العزت اپنے انتہائی قرب اور تعلق خاص کی وجہ سے یہ طاقت عطا کر دیتا ہے کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کی مدد کر سکتے ہیں لہٰذا ان سے طلب امداد کرنا بھی دراصل اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کرنا ہے، اس لیے کہ یہ نیک اور پاک طینت لوگ ایک وسیلہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا حضرات انبیاء واولیاء کو متصرف بالذات نہ مانتے ہوئے ان سے استعانت کرنا ایسا ہی ہے جیسے اعمال صالحہ سے استعانت کرنا ہے اور یہ جائز اور اسلام کے متفقہ عقائد کے عین مطابق ہے۔

یہاں یہ بات بھی خاص طور پر ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ یہ مسئلہ ان چند اہم مسائل میں سے ہے جو اہل سنت اور علماء دیو بند واہل حدیث علماء کے مابین نزاعی ہیں۔ چوں کہ اس کا تعلق براہ راست عقائد کے ساتھ ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس بات کو پورے شرح صدر کے ساتھ جان لیا جائے کہ عقائد کی بنیاد قیاس واجتہاد پر نہیں رکھی جاسکتی بلکہ عقائد کی بنیاد قرآن مجید اور احادیث مبارکہ پر ہی ہوسکتی ہے۔ عقائد کے باب میں یہ وہ متفقہ اصول ہے کہ جس پر فریقین

میں سے کسی کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لہٰذا اسی متفقہ اصول کی روشنی میں مسئلہ استعانت سے متعلق علمائے اہل سنت کے سرخیل حضرت فقیہ اعظم اور علماء دیو بند وعلمائے اہل حدیث کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لیتے ہیں تا کہ اصل حقیقت تک رسائی حاصل کرنا ممکن ہو۔

مولانا گنگوہی کی رائے

آیئے! ہم اس بحث کا آغاز مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کے مرقومہ فتاوٰی" فتاوٰی رشیدیہ" سے کرتے ہیں، ازاں بعد دیگر علماء کے فتاوٰی کی طرف رجوع کریں گے۔

فتاوٰی رشیدیہ (کامل) مطبوعہ "خواجہ سنز تاجران کتب کراچی" کے صفحات ۱۲۱، ۱۴۷، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۷۳، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۸۱، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۲۳ پر اہل قبور سے استعانت، یارسول اللہ پکارنا، یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ پڑھنا، نبی کو پکارنا وغیرہ عنوانات کے تحت اس مسئلہ پر اپنی تحقیق کے "موتی" بکھیرے گئے ہیں۔ ہم ذیل میں مذکورہ صفحات میں سے صرف تین اقتباسات کسی قسم کے تصرف کے بغیر یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ مولانا گنگوہی جو بقول مولانا انور شاہ کشمیری "فقیہ النفس" ہیں، کے علم کا اندازہ لگایا جاسکے۔ مولانا موصوف ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"استعانت کے تین معانی ہیں، ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ بحرمت فلاں میرا کام کر دے، یہ باتفاق جائز ہے۔ خواہ عند القبر ہو، خواہ دوسری جگہ، اس میں کسی کو کلام نہیں۔ دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے یہ کہے کہ تم میرا کام کردو، یہ شرک ہے۔ خواہ قبر کے پاس کہے، خواہ قبر سے دور کہے اور بعض روایات میں جو آیا ہے "اعینونی یا عباد اللّٰہ" تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں ہے۔ بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں، ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے لیے وہاں مقرر کیا ہے، تو وہ اس باب سے نہیں ہے۔ اس پر حجت جواز پر لانا جہل ہے، معنی حدیث سے۔ تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر۔ کہے کہ اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا فلاں کام کر دیوے اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع

کرتے ہیں، سواس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں، اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے۔ دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر، شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے اور جس کو قاضی صاحب نے ممنوع لکھا ہے وہ دوسری نوع کی استعانت ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ مسئلہ مخلوط ہو رہا ہے اور سماع موتی اور یہ مسئلہ بھی صحابہ کے وقت سے مختلف فیہ ہے'' ---[فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۱۲۳]

ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''قبور اولیاء اللہ سے دعا چاہنا بھی مسئلہ مختلف فیہا ہے، جس کے نزدیک سماع موتی ثابت ہے وہ جائز کہتے ہیں اور جو انکار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ سنت سے اس طرح دعا کرنا ثابت نہیں لہٰذا بدعت ہے۔ بندہ کے نزدیک مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں ہو سکتا، البتہ احوط کو پسند کرتا ہوں'' ---[ایضاً، صفحہ ۱۲۸]

اسی طرح ''یا رسول اللہ انظر حالنا یا حبیب اللہ اسمع قالنا'' سے متعلق ایک سوال کے جواب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''ندا غیر اللہ تعالیٰ کو کرنا دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں۔ مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دے گا یا باذنہ تعالیٰ ان کو انکشاف ہو جائے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا کہ درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو، محبت میں یا عرض حال محل تحسر وحرمان میں، کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ، پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات واشعار بزرگان دین کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک نہ معصیت، مگر ہاں بوجہ موہم ہونے کے ان کلمات کا مجامع میں کہنا مکروہ ہے'' ---[ایضاً، ص ۱۵۵]

قارئین کرام کو یقیناً اس پر خوشگوار حیرت ہوگی کہ اتنی کثرت کے ساتھ دیے گئے ان فتاویٰ میں مولانا موصوف رشید احمد گنگوہی صاحب نے کتاب وسنت یا ائمہ متکلمین میں سے کسی ایک کی صریح نص تو در کنار حوالہ تک نہیں دیا۔ یہ ہے ''فقیہ النفس'' کی علم الکلام سے وابستگی کا عالم، پھر

دوسری بات یہ کہ گنگوہی صاحب کے ان جملہ جوابات کو پڑھ کر بھی قاری کو کوئی ذہنی اطمینان حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کا ذہن شکوک وشبہات میں پڑ جاتا ہے۔ عبارات کا ایک ایک لفظ بتا رہا ہے کہ خود موصوف کو بھی اپنے فتوے کے صحیح ہونے کا یقین نہیں ہے۔

مفتی کفایت اللہ کا فتویٰ

اب ذرا مفتی کفایت اللہ صاحب کی اسی مسئلہ میں تحقیقات بھی ملاحظہ فرمالیں:

۲۹ ستمبر ۱۹۲۵ء کو سہ روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی کی طرف سے ۷ صفحات پر مشتمل ایک طویل استفتاء جس میں خود سائل نے قرآن وحدیث کے علاوہ فتاوی عزیزی اور تفسیر فتح القدیر سے بالخصوص اور دیگر کتب سے بالعموم دلائل سے استدلال کرتے ہوئے پوری مفصل اور تحقیقی گفتگو کی ہے، کفایت المفتی، جلد ۱، صفحہ ۱۸۳ سے ۱۸۹ پر موجود ہے، سائل کے اس قدر مدلل اور مفصل سوال کے جواب میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی ضخامت صرف پونے دو صفحے ہیں، ملاحظہ ہو کفایت المفتی جلد ۱، صفحہ ۱۸۹ و ۱۹۰ اور پھر یہ امر انتہائی حسرت کا باعث ہے کہ اس میں بھی صرف دو احادیث سے استشہاد کیا گیا ہے۔ اس مختصر جواب کی علمیت سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ذیل کے اقتباس کا مطالعہ بڑا مفید ہوگا، استعانت کے مسئلہ پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خدا تعالیٰ نے اس عالم میں اسباب وعلل کا ایک سلسلہ قائم کر دیا ہے اگرچہ وہ اسباب صرف ظاہر کے اعتبار سے اسباب ہیں ورنہ موثر حقیقی خدا تعالیٰ ہی ہے لیکن اس ظاہری نظام کے لحاظ سے ایک شے کو دوسرے کا سبب کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً آگ کو جلانے اور پکانے کا سبب بنا دیا ہے .... آگ سے کھانا پکانے کا کام لینا، پانی سے پیاس بجھانا بھی استعانت ہے، لیکن اس استعانت کا معنیٰ وہی ظاہری سبب ہونا اور نظام عالم میں اسی سببیت کو داخل ہونا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی استعانت کو کوئی اعانت واستعانت سے تعبیر نہیں کرتا .... رہے اسباب اختیاریہ جیسے بادشاہ سے دفع ظلم میں اعانت طلب کرنا، اس پر اگرچہ استعانت کا اطلاق معروف ہے اور ان سے سوال کرتے وقت استعانت کا خیال بھی ہوتا ہے لیکن اس کا معنیٰ وہی سبب ہے۔ بادشاہ بوجہ اپنی قوت وشوکت کے اپنے حشم وخدم، اعوان وانصار کی وجہ سے انتقام لینے پر اور ظلم دفع کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور اس کے اسباب اسے میسر ہوتے ہیں، اس

لیے اس سے مدد مانگی جاتی ہے، اگرچہ اس کی یہ قدرت ظاہری ہے ورنہ ان تمام امور کی حقیقی باگ خدائے جبار کے ہاتھ میں ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ جو امور مختصہ بالباری تعالیٰ ہیں اور اس عالم اسباب میں ان کا کوئی سبب نہیں یا وہ امور کہ اگرچہ وہ باری تعالیٰ کے ساتھ مختص نہیں مگر ان کے اسباب خاصہ کے سوا کسی دوسرے سے ان کے وجود میں استعانت کرنا یقیناً حرام اور کفر ہیں''۔۔۔[کفایت المفتی، جلد ۱، صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰]

مفتی محمود حسن گنگوھی کی رائے

مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب استمداد اولیاء سے متعلق ایک سوال کا جواب یوں دیتے ہیں:

''مراد صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے، کسی مرحوم ولی کو مدد کے لیے پکارنا منع ہے، اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہم جہاں سے پکاریں ولی مرحوم ہماری پکار کو سنتے اور ہماری مدد کے لیے آتے ہیں تو یہ عقیدہ قطعی غلط اور تعلیمات اسلام کے خلاف ہے، سخت خطرناک ہے:

ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالٰی فاعتقادہ ذٰلک کفر [درمختار، فقط]''۔۔۔[فتاویٰ محمودیہ، جلد ۱، صفحہ ۱۱۱]

اب ذرا اہل حدیث فتاویٰ بھی ملاحظہ ہوں:

سید نذیر حسین دھلوی کی رائے

سید نذیر حسین محدث دہلوی اہل حدیث (۱۸۰۵ء/۱۹۰۲ء) سے انبیاء و اولیاء سے مدد کرنے کے متعلق فتویٰ طلب کیا گیا تو اس کے جواب میں حسب عادت علمائے اہل حدیث بتوں کی تردید میں نازل شدہ آیات سے استدلال کرتے ہوئے دو آیات کریمہ، ایک حدیث اور دو حوالہ جات کتب فقہ سے نقل کیے ہیں، ذیل میں ان کا جواب من وعن نقل کیا جاتا ہے:

سوال: کسی نبی یا ولی یا اور کسی کو خدا تعالیٰ کے سوا اپنی مشکل کشائی اور حاجت براری کے لیے پکارنا اور اس سے مدد یں چاہنا اور مرادیں مانگنا کیسا ہے؟

الجواب: سوائے خدا کے اور کسی کو خواہ نبی ہو یا ولی، مشکل کے وقت پکارنا اور ان سے مدد یں چاہنا اور ان سے امید نفع اور ضرر کی رکھنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اللذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا و ہم یخلقون اموات

غیر احیاء و ما یشعرون ایان یبعثون---

''اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ نہیں کرتے اور خود آپ پیدا کیے گئے ہیں مردے ہیں زندہ نہیں ان کو خبر نہیں کہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے''---

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿یا ایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا له ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا و لو اجتمعوا له و ان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منه ضعف الطالب و المطلوب ٥ ما قدروا اللہ حق قدرہ ان اللہ لقوی عزیز ٥﴾---

''اے لوگو! ایک مثل کہی جاتی ہے اس کو سنو جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں اور اگر چھین لیں ان سے مکھی تو چھڑا نہ سکیں اسے، دونوں کمزور ہیں، مانگنے والا اور جس سے مانگا جائے۔ لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسی اس کی قدر ہے، بے شک اللہ زورآور ہے زبردست ہے''---

اور روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے:

قال کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوما فقال یا غلام احفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجدہ تجاھک و اذا سالت تسئل اللہ و اذا استعنت فاستعن باللہ---[رواہ الترمذی]

''میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے فرمایا، بیٹا! اللہ کی اطاعت کو ملحوظ رکھنا خدا تجھے ملحوظ رکھے گا۔ اللہ کو اگر ملحوظ رکھے گا تو اسے ہمیشہ اپنے پاس پائے گا جب تو سوال کرے تو اللہ سے مانگ اور جب مدد لینا چاہے تو اللہ سے لے''---

اور استعانت ایک قسم کی عبادت ہے، پس سوائے خدا کے کسی سے نہ چاہیے۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے: الاستعانة نوع تعبد...... انتھی----''مدد مانگنا عبادت کی ایک قسم ہے''---

اور مجمع البحار میں ہے: فان العبادة و طلب الحوائج و الاستعانة

حق اللہ وحدہ.....انتہی---[فتاویٰ نذیریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰]

مولانا عبد الحی کا فتویٰ

مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی کے علمی پائے اور فقہی بصیرت سے بھلا کس کو انکار ہو سکتا ہے، بڑے بڑے اکابر علماء ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کو فخر سمجھتے تھے اور جنہوں نے فقہ حنفی کی مشہور زمانہ کتاب "ہدایہ" پر عالمانہ حاشیہ لکھا، بلکہ اس کے علاوہ متعدد کتب فقہ وحدیث پر بھی حواشی لکھے ہیں۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ اس پائے کا حامل شخص بھی جب اس مسئلہ استمداد پر قلم کو حرکت دیتا ہے تو محض سطحی اور معمولی گفتگو کر کے آگے گزر جاتا ہے اور ان کے فتاویٰ کا مطالعہ کرنے والا دلائل کی کمی کو واضح محسوس کرتا ہے، مثلاً حضرت موصوف کے مجموعہ فتاویٰ کی جلد اول میں صفحہ ۳۶، ۳۷، ۴۷ پر استمداد سے متعلق فتاویٰ موجود ہیں، ان تمام میں صرف حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح فقہ اکبر کی فقط ایک عبارت پر ہی اکتفا کیا گیا ہے، انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ عقائد سے تعلق رکھنے والے اس قدر اہم مسئلہ میں کہیں بھی قرآن حکیم کی آیت یا کسی حدیث نبوی سے استدلال نہیں کیا گیا بلکہ بغیر کسی قسم کی روایت کے جو کچھ لکھا گیا وہ یہ ہے:

> "یہ صورت حرام بلکہ صریح شرک ہے کیوں کہ اس میں غیر خدا کا غیب دان ہونا پایا جاتا ہے اور ایسا اعتقاد صریح شرک ہے کیوں کہ شرع میں شرک اس کا نام ہے کہ غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات مختصہ میں شریک سمجھے اور علم غیب صفت مختصہ ہے اللہ تعالیٰ کی، جیسا کہ کتب عقائد میں اس کی تصریح موجود ہے"---[مجموعہ فتاویٰ عبدالحی، جلد ۱، صفحہ ۳۶، ۳۵]

اسی طرح دوسرے مقام پر "یا غوث اعظم" سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

> "یہ عقیدہ خلاف عقائد اہل اسلام بلکہ منجر الی الشرک ہے، ہر شخص کی ندا کو ہر جگہ سے سننا پروردگار عالم کے ساتھ خاص ہے، کسی مخلوق کی یہ صفت نہیں ہے"---[ایضاً، صفحہ ۴۷]

مذکورہ بالا فتاویٰ کو پڑھ کر دین کی ادنیٰ سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی ایک دفعہ ضرور ورطۂ حیرت میں گم ہو جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا یہ مفتی صاحب عبدالحی کے ہی فتاویٰ ہیں؟ دلائل کی کمی جیسے الفاظ سے نعوذ باللہ ہمارا مقصد ہرگز ہرگز یہ نہیں کہ ہم انہیں کوئی نیچا دکھانا چاہتے ہیں، بلکہ اس

تحریر سے مقصود صرف یہ ہے کہ بہ نحوائے "فوق کل ذی علم علیم" ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم بصیر پوری جب بھی کسی اس قسم کے اعتقادی موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ دلائل ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اور وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ اپنے مدعیٰ پر انہیں قائم کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر آپ کو یہ بھی کمال حاصل ہے کہ ایسے مسائل میں آپ براہ راست قرآن وسنت پر اپنے دلائل کی بنیاد رکھتے ہیں۔

حضرت فقیہ اعظم کی رائے

فتاویٰ نوریہ جلد اول صفحہ ۶۴۶ سے ۶۵۲ تک استعانت واستمداد وغیرہ مسائل پر ایک طویل فتویٰ موجود ہے، سات صفحات پر مشتمل اس فتویٰ میں پیش کیے گئے حوالہ جات میں سے پہلے چند ماخذ نوریہ کے صرف نام ہی لکھے جاتے ہیں اور بعد ازاں ان میں سے چند دلائل لکھ کر مفتیان دیوبند اور حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے دلائل کا تجزیہ بھی کیا جائے گا۔ مسئلہ استمداد میں صاحب فتاویٰ نوریہ نے جن ماخذ سے استفادہ کیا ہے ان میں چند ایک کے نام یہ ہیں:

۱...... قرآن حکیم

2 تفسیر

۱...... تفسیر جلالین ۲...... تفسیر صاوی علی الجلالین ۳...... تفسیر کبیر
۴...... تفسیر ارشاد العقل ۵...... تفسیر خازن ۶...... تفسیر معالم التنزیل
۷...... تفسیر بیضاوی ۸...... تفسیر روح البیان ۹...... تفسیر عزیزی

3 حدیث و شروح حدیث

۱...... صحیح بخاری ۲...... مشکوٰۃ المصابیح ۳...... اشعۃ اللمعات ۴...... فتح الباری

4 دیگر کتب

۱...... صراط مستقیم، مصنفہ شاہ اسماعیل دہلوی ۲...... جذب القلوب، مصنفہ شیخ محقق
۳...... مدارج النبوۃ، شیخ محقق ۴...... اتقان للسیوطی

غرض یہ کہ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے اس اہم اعتقادی مسئلہ سے صرف نظر نہیں کیا۔ جیسا کہ گزشتہ فتاویٰ میں واضح نظر آرہا ہے کہ مفتیان کرام نے زیر بحث مسئلہ میں نصوص شرعیہ اور تصریحات ائمہ میں غور وفکر کیے بغیر محض اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے، جن کو اگر اصول فتویٰ پر پرکھ

کر دیکھا جائے تو اصلاً یہ فتویٰ قرار ہی نہیں پاتے، اس کے برعکس صاحب فتاویٰ نوریہ نے صحیح بخاری کی مشہور عالم حدیث قدسی:

''میں جب اپنے بندے کو دوست بناؤں تو بن جاتا ہوں اس کا کان جس سے سنتا ہے اور اس کی آنکھ جس سے دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ جو پکڑتا ہے اس سے اور اس کا پاؤں جو چلتا ہے اس سے''۔۔۔

اور آیت کریمہ ﴿فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا﴾ پر ائمہ مفسرین کی تصریحات سے استدلال کرتے ہوئے استمداد و استعانت بالغیر کو بڑی خوب صورتی سے واضح کیا ہے کہ جن کو پڑھنے کے بعد قلب و ذہن میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی شکوک و شبہات باقی نہیں رہتے۔

حضرت فقیہ اعظم کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اختلافی مسائل میں خصم کو خاموش کرانے کے لیے اس کے ہم خیال اہل علم میں سے کسی ایسے شخص کا قول پیش کرتے ہیں کہ مخالف ساکت و مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے، مثلاً اسی مسئلہ استمداد و استعانت میں شاہ اسماعیل دہلوی جو منکرین و مخالفین کے فکری راہ نما ہی نہیں بلکہ اس گروہ کے بانی ہیں، کے مختلف حوالہ جات پیش کرتے ہوئے ایک اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مخالفین پر سب سے بھاری شہادت کہ اس کا اصلاً انکار نہیں کر سکتے، ان کے امام میاں اسماعیل دہلوی کا قول ہے:

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے شہادت تیری

صراط مستقیم صفحہ ۱۶۶ میں کہتا ہے کہ جناب غوث الثقلین رضی اللہ عنہ اور جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کے ارواح مقدسہ میرے پیر پر جلوہ گر ہوئے اور ایک پہر تک توجہ قوی اور تاثیر زور آور فرماتے رہے، اس حد تک کہ دونوں طریقوں کی نسبت اسی ایک پہر میں پوری ہوئی۔

''..........روزے ہر دو روح مقدس بر حضرت ایشاں جلوہ گر شدند و تا قریب یک پاس ہر دو امام بر نفس نفیس حضرت ایشاں توجہ قوی و تاثیر زور آور سے فرمودند تا ایں کہ در ہماں یک پاس حصول نسبت ہر دو طریقہ نصیبہ حضرت ایشاں گردید''۔۔۔

اسی ایک قول سے افاضہ ارواح اور تاثیر ارواح ثابت ہوئی اور دور سے جاننا اور

توجہ قوی فرمانا بھی ثابت ہو گیا کہ اول تو پیر جی دونوں حضرات کرام کے مزارات طیبہ پر حاضر نہ تھے اور اگر ہوں تو ایک مزار پر حاضر ہو سکتے ہیں نہ کہ دونوں کے پاس اور توجہ دونوں حضرات نے بیک وقت فرمائی۔ مالانا رہا ہے کہ ''ہر دو امام'' اور ''در ہماں یک پاس'' کر رہا ہے تو اب انکاری کیوں ہیں؟'' ---

اس کے بعد یہاں اسماعیل کے حضرت خواجہ بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے مزار انور پر حاضری سے متعلق ایک اور اقتباس نقل کرنے کے بعد عقیدہ حقہ کو بے غبار کرتے ہوئے اور عوام الناس کی اعتقادی اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسی قول سے مزاروں پر حاضر ہونا، مراقبہ میں مزاروں کے پاس بیٹھنا، ملاقات ارواح، علم ارواح و تصرف ارواح، روحوں کا پر فتوح ہونا وغیرہ ثابت ہو رہا ہے، ہاں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ کوئی جاہل مخلوق کو مستقل بالذات سمجھ کر مدد مانگے یعنی یوں سمجھے کہ وہ خدا تعالیٰ کے محتاج نہیں، اس کی دی ہوئی طاقت کے سوا مدد کر سکتے ہیں تو ضرور وبال شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے مگر اس میں یہ تفرقہ ہر گز ہر گز نہیں ہو سکتا کہ زید و عمرو عوام کو یوں سمجھے تو کوئی حرج نہیں اور اولیائے کرام کو یوں سمجھے تو شرک ہو جاتا ہے یا بالعکس یا تفرق موت و حیات ہو کہ شرک میں تفرقہ محض خبط ہے اور خواہ مخواہ ظن بد بھی مسلمان پر حرام ہے اور سخت حرام ہے۔ مسلم کا اسلام اعلیٰ قرینہ ہے کہ وہ بندگان خدا کو وسیلہ و واسطہ و مظہر قدرت سمجھ کر ہی مدد طلب کر رہا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ مخالف تو یوں بھی مشرک ہی کہتے ہیں کہ تقویۃ الایمان کے صفحہ ۶ پر ان کا امام صاف صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ ''سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے سو ابو جہل اور وہ شرک میں برابر ہے'' مگر عاقل خوب سمجھتا ہے کہ یہ شرک نہیں ہو سکتا، جس کا ثبوت بین گزر چکا ہے۔ خود مخالفین حکام و حکام سے امداد مانگا کرتے ہیں، چندے وغیرہ طلب کرتے ہیں'' --- [ملخصاً فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، صفحہ ۶۵۲،۶۵۱]

✿✿✿✿✿

سماعِ موتیٰ[1]

اہل سنت اور معتزلہ میں سماع موتیٰ کے متعلق اختلاف شروع ہی سے پایا جاتا ہے اہل سنت کے نزدیک اہل قبور کا اپنے ذاکرین کی آواز کو سننا ممکن اور یہ اعتقاد رکھنا درست اور قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہے جب کہ معتزلہ اس کے منکر ہیں۔

ہندوستان میں مسلکی واعتقادی کشمکش سے پہلے تاریخ اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ اہل سنت سے تعلق رکھنے والے مختلف مکاتب فکر میں یہ مسئلہ کبھی باعث نزاع واختلاف رہا ہو بلکہ اہل سنت کا متفقہ عقیدہ تھا کہ حضرات انبیاء کرام اور ان کی وساطت سے صلحاء امت اپنے ذاکرین کو پہچانتے اور ان کی آواز کو سنتے ہیں لیکن تعصب وعناد کا ظہور اہو کہ جب برصغیر میں برطانوی دور حکومت میں اعتقادی کی لہر اٹھی تو دیوبندی اور بریلوی کے نام سے یہاں کے علماء دو واضح گروہوں میں تقسیم ہو گئے تو اس اختلاف کے نتیجہ میں دیوبندی اور ان کے مویدین اہل حدیث غیر مقلدین علماء نے اہل علمائے بریلی کے ساتھ مخالفت کی بنا پر بعض ان عقائد کا نہ صرف انکار کر دیا بلکہ ان پر یقین

رکھنے والوں کو مشرک، بدعتی اور کافر تک قرار دے دیا جو قرن اول سے اہل اسلام کے متفقہ عقائد مانے جاتے تھے اور ان میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اہل سنت کے ایسے ہی متفق علیہ عقائد میں سے ایک سماع موتی کا عقیدہ بھی شامل ہے۔

آیئے اس مسئلہ میں بھی مختلف فتاویٰ جات کا تجزیہ و تقابل کرتے ہیں اور ان کے دلائل پر غور کرتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ کون ہے جو قرآن و سنت کے بیان فرمودہ احکامات پر عمل پیرا ہے اور کون ہے جو جادۂ حق سے بھٹکا ہوا ہے۔

مولانا عبد الحی لکھنوی

سماع موتی کے حوالے سے مولانا عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) کے مجموعۃ الفتاویٰ میں ص ۳۵، ۳۶، ۳۷ پر تین سوالات جن کا مشترکہ مضمون انبیاء و اولیاء کا دور سے سننے اور مدد کرنے سے متعلق فتاویٰ شامل ہیں، ذیل میں ان سب کے اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

سوال — اس شہر کے عام لوگوں کی عادت ہے کہ مصیبت کے وقت دور سے انبیاء و اولیاء کو مدد کے لیے پکارتے ہیں اور اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ہر حال میں حاضر و ناظر ہیں اور جب ہم ان کو پکارتے ہیں یہ سنتے ہیں اور ہماری مقصد براری کے لیے دعا کرتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب — یہ صورت حرام بلکہ صریح شرک ہے کیوں کہ اس میں غیر خدا کا غیب دان ہونا پایا جاتا ہے اور ایسا اعتقاد صریح شرک ہے کیوں کہ شرع میں شرک اس کا نام ہے کہ غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات مختصہ میں شریک سمجھے اور علم غیب صفت مختصہ ہے اللہ تعالیٰ کی، جیسا کہ کتب عقائد میں اس کی تصریح موجود ہے، ہم اختصار کے لیے فقط ایک عبارت شرح فقہ اکبر ملا علی قاری کی لکھے دیتے ہیں:

بالجملة العلم بالغيب امر تفرد به سبحانه و تعالى و لا سبيل اليه للعباد الا باعلام منه و الهام بطريق المعجزة و الكرامة.......... الخ---

واقعی انبیاء و اولیاء کو ہر وقت حاضر ناظر جاننا اور اعتقاد رکھنا کہ ہر حال میں وہ ہماری ہر ندا سنتے ہیں اگر چہ ندا دور سے بھی ہو شرک ہے، کیوں کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے کوئی اس میں اس کا شریک نہیں......الخ---[مجموعۃ الفتاویٰ، جلد ۱، صفحہ ۳۵، ۳۶]

سوال نمبر ۲ اس شخص سے متعلق کیا حکم ہے جو خیال کرتا ہے کہ اولیاء جانتے ہیں اور دور و نزدیک سے پکارنے والے کی آواز کو سنتے ہیں اور ان سے ایسے الفاظ سے مدد مانگتا ہے جن سے حاضر کو خطاب کرتا ہے اور ان کے لیے نذریں مانتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ان کے لیے نذر مانی۔

جواب ایسے شخص کا عقیدہ فاسد ہے بلکہ اس کے کفر کا خوف ہے کیوں کہ اولیاء کا ندائے بعید کو سننا ثابت نہیں ہے۔۔۔۔ الخ"۔۔۔۔[مجموعۃ الفتاویٰ، جلد ۱، صفحہ ۴۶، ۴۷]

سوال نمبر ۳ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت غوث اعظم کو یہ قوت حاصل ہے کہ جس مقام سے کوئی ان کو پکارے اس کی ندا کو سنتے ہیں اور اس کے حال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو موافق قواعد شرعیہ کے یہ عقیدہ کیسا ہے؟

جواب یہ عقیدہ خلاف عقائد اسلام بلکہ منجر الی الشرک ہے، ہر شخص کی ندا کو ہر جگہ سے ہر وقت سننا پروردگار عالم کے ساتھ خاص ہے کسی مخلوق میں یہ صفت نہیں"۔۔۔۔[مجموعۃ الفتاویٰ، جلد ۱، صفحہ ۴۳]

حضرت فقیہ اعظم کی سماع موتیٰ سے متعلق رائے

مولانا عبدالکریم حجرہ شاہ مقیم کی طرف سے آمدہ ارواح سے متعلق ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے حجۃ الاسلام فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد نوراللہ قدس سرہ العزیز سماع موتیٰ کے بارے میں ماہرانہ رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

"اور اہل کمال کے ارواح اتنے طاقت ور ہوتے ہیں کہ جہاں چاہیں فوراً آتے جاتے ہیں، نہ ان کے لیے بعد مسافت مانع ہے اور نہ کسی مکان کی رفعت اور پھر جہاں بھی ہوں جسم کے ساتھ تعلق ضرور رہتا ہے، حتیٰ کہ زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور باقاعدہ گفتگو سنتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے وہ زم زم شریف بھی پہنچ سکتے ہیں اور دوسرے مقامات متبرکہ پر بھی"۔۔۔

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے اپنے موقف کی تائید میں جن اکابرین ملت کے عبارات سے استشہاد کیا ہے، ان میں:

امام جلال الدین سیوطی	شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ و القبور
شیخ محقق عبدالحق دہلوی	اشعة اللمعات
ایضاً	بشریٰ الکئیب بلقاء الحبیب
ایضاً	تفسیر در منثور
الشیخ الاکبر محی الدین ابن عربی	فتوحات مکیہ
ایضاً	الیواقیت و الجواھر
علامہ ابن قیم	کتاب الروح
قاضی ثناء اللہ پانی پتی	تذکرۃ الموتیٰ و القبور

ایسی مسلمہ علمی شخصیتیں شامل ہیں۔

ارواح سے متعلق مسائل کے بارے میں حضرت مفتی محمد نور اللہ قدس سرہ العزیز کا مفصل فتویٰ جو فتاویٰ نوریہ کی پانچویں جلد کے صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۰ پر پھیلا ہوا ہے، ایک خاصے کی چیز ہے، جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

❁❁❁❁❁

باب۔۵

مسلکی امتیازات

مذہبی و اعتقادی حوالے سے مختلف مسالک و فرق میں جہاں کچھ اختلاف پائے جاتے ہیں وہاں ان میں سے ہر ایک مسلک کے پیروکاروں کے کچھ امتیازات بھی پائے جاتے ہیں، جن سے فوری طور پر اس بات کی نشان دہی ہو جاتی ہے کہ فلاں عالم یا فلاں شخص کس مسلک کو ماننے والا ہے، مثلاً ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں جشن میلاد النبی پر خوشی و مسرت اور فرحت و انبساط کا اظہار کرتے ہوئے چراغاں کرنا، جلوس نکالنا، محافل میلاد و نعت کا اہتمام کرنا، عموماً اہل سنت کا معمول و امتیاز ہے، جب کہ دیوبندی و وہابی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء و عوام ان امور کو ناجائز اور بدعت قرار دیتے ہیں اگرچہ سیاسی حکمت عملی کے طور پر اب انہوں نے بھی عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے ایسی محافل کا انعقاد شروع کر دیا ہے جیسا کہ دیوبندی فکر کی حامل جماعت اسلامی نے گزشتہ چند سالوں سے شب میلاد و محفل نعت منعقد کرنا شروع کر دی ہے۔

اسی طرح بزرگان دین کے عرس اور میت کے ایصال ثواب کے لیے سوئم و چہلم وغیرہ کو اہل سنت کا شعار سمجھا جاتا ہے، جب کہ دیوبندی و وہابی حضرات کے نزدیک یہ امر غیر مشروع اور بدعت ہے، بلکہ ان میں شرکت کرنا اور تبرک کھانا حرام ہے۔ مگر یہاں بھی اپنے بڑوں کے ایام "برسی" کے نام سے منانا، اخبارات میں اشتہارات و تصاویر چھپوانا اور بڑی بڑی کانفرنسیں کرنا نہ صرف

جائز بلکہ عین شریعت قرار پاتی ہیں۔ بدعت وحرام ہیں تو فقط اولیاء وصالحین کے عرس مبارک اور میت کے ثواب کے لیے کی گئی محفل رہ جاتی ہے۔ غرض یہ کہ ہر مسلک اور ہر مکتب فکر کے کچھ مخصوص عنوانات، خاص علامات اور امتیازات ہیں جو اسے دوسرے گروہ اور مسلک سے ممتاز کرتے ہیں۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اس وقت کرۂ ارضی پر جتنے بھی مذاہب اور ان کو ماننے والے پائے جاتے ہیں، قطع نظر حق یا باطل ہونے کے، ان میں سے ہر ایک کے پاس کوئی نہ کوئی دلیل ضرور پائی جاتی ہے، اگرچہ وہ دلیل قوت کے اعتبار سے انتہائی درجے کی کمزور دلیل ہو۔ اس لیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دیوبندی یا وہابی حضرات کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ کوئی دوسرا اس حقیقت کو مانے یا نہ مانے، بہر طور راقم اس بات کو مانتا ہے کہ اپنے مسلک وموقف کی تائید میں ان حضرات کے پاس بھی ضرور دلائل ہیں۔ اب عقل ودانش اور فہم وفراست رکھنے والے شخص کا یہ کام ہے کہ وہ کوئی بھی موقف اختیار کرنے یا کسی بھی مسلک پر چلنے سے پہلے اپنی فہم وفراست سے کام لیتے ہوئے پیش کیے گئے دلائل کا جائزہ لے کہ کس کی اور کون سی دلیل قوی اور قرآن وسنت اور سلف صالحین کی تعلیمات کے مطابق ہے اور کون سی دلیل شریعت اسلامیہ کے ان اصول مسلمہ سے ہٹی ہوئی ہے۔ جس دلیل کو وہ قرآن وسنت کے زیادہ قریب اور سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق پائے تو اس کو اختیار کرے۔ اس سلسلہ میں اگر وہ خود ذاتی علمی استعداد نہیں رکھتا تو پھر قرآن وحدیث اور علوم اسلامیہ میں مہارت رکھنے والے کسی راست فکر اور خوش عقیدہ عالم دین سے راہنمائی لے۔ اس لیے کہ ایمان وہ متاع گراں مایہ ہے کہ دنیا میں ایک حق بین شخص کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی دولت نہیں۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ قیامت کے روز انسان کی مغفرت وبخشش کا دارومدار ایمان کی سلامتی پر ہی ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ جب ایک عام آدمی کے لیے کسی عالم سے راہ نمائی لینا ضروری ہے تو اس عالم دین کے لیے جس سے راہ نمائی طلب کی گئی ہے اس پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ سائل کے سوال کے جواب میں اپنی رائے دینے کی بجائے قرآن وسنت کی روشنی میں سلف صالحین کے طریقے کے مطابق اس کی صحیح صحیح راہ نمائی کرے، اس لیے کہ اگر وہ عام آدمی اس عالم کے فتویٰ سے گمراہ ہو گیا تو قیامت کے روز اس گمراہ ہو جانے والے شخص کے ساتھ یہ عالم بھی مجرم قرار پائے گا، جس نے اس کی صحیح راہ نمائی نہیں کی ہوگی۔

جواب طلبی کا یہی وہ تصور ہے جس نے افتاء نویسی کو انتہائی نازک منصب بنا دیا ہے۔ ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ منصب افتاء کی ان نزاکتوں سے خوب آگاہ تھے، یہی وجہ ہے کہ جب ہم ان کے فتاویٰ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ پوچھے گئے کسی بھی سوال کا جواب اپنی ذاتی رائے سے دینے کی بجائے قرآن وسنت اور فقہائے امت کی تصریحات سے سائل کے سوال کا جواب دیا ہے، جب کہ ان کے معاصر دیگر مفتیان اور ان کے فتویٰ میں اس کا زیادہ اہتمام نظر نہیں آتا۔ آئندہ سطور میں ہم اپنے اس دعویٰ کی دلیل کے طور پر کچھ نمونے پیش کریں گے تا کہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے۔

آیئے! ہم ذیل میں اہل سنت کے چند امتیازات کے حوالے سے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ سے پوچھے گئے سوالات اور آپ کے جوابات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ دیگر فتاویٰ کے ساتھ ان کا تقابل بھی کریں گے تا کہ ہر مسئلہ خوب اچھی طرح واضح ہو جائے۔

❁❁❁❁❁

میلاد النبی ﷺ کا انعقاد

صدیوں سے اہل اسلام ماہ ربیع الاول شریف کی مبارک ساعتوں میں اپنے پیارے رسول
اکرم ﷺ کی ولادت مقدسہ کی نسبت سے محافل میلاد و نعت خوانی منعقد کرتے ہیں اور اس
پر خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مکانوں، گلی، کوچوں، مساجد اور دیگر مقامات
چراغاں کرتے، جھنڈے لگاتے اور انواع و اقسام کے کھانے پکا کر تقسیم کرتے ہیں۔ ان تمام
کے پس پردہ ایک ہی جذبہ محرک ہوتا ہے اور وہ ہے عشق و محبت رسول ﷺ۔

اہل محبت علمائے اسلام سلف تا خلف، ان جملہ امور کو مستحسن و مستحب اور نبی اکرم رؤف
رحیم ﷺ سے از دیاد محبت کا ذریعہ سمجھتے رہے ہیں۔ اکابر اہل اللہ، صوفیہ نہ صرف خود ان
محافل کے عامل رہے بلکہ اپنے اپنے حلقے میں اہل عقیدت کو ان کے بجالانے کی ترغیب
دلاتے رہے، کبھی کسی نے ایسی محافل پر اعتراض کیا اور نہ ان میں شرکت سے کسی کو منع کیا
افسوس کہ مسلمانوں کے قومی و ملی اور سیاسی زوال کے سائے جب گہرے ہونا شروع ہوئے
کے علم و فکر پر زوال اپنے اثرات مرتب کرنے لگا۔ چنانچہ برطانوی عہد میں جب مسلمانوں کے
نئے نئے مذہبی فرقوں نے جنم لیا تو انہوں نے میلاد النبی ﷺ جیسے صدیوں سے جاری مسلمہ معمول
کو بھی اپنے ذوقی فتووں کا نشانہ بنایا اور ایسی پاکیزہ محافل کو شرک و بدعت بلکہ ہندوؤں کی
سے تشبیہ دی جانے لگی۔ بدعقیدگی کی اس مسموم فضا اور لہر میں اہل محبت علماء۔۔ نے دلائل شرعیہ کی

ان امور کے امر مستحسن ہونے کو علمی طور پر ثابت کیا اور اپنے عمل سے اس کی تائید و توثیق بھی کی۔
آئندہ سطور میں مسلکی امتیازات بالخصوص محافل میلاد و نعت خوانی کے حوالے سے آپ بعض
اہل علم کی آراء ملاحظہ کریں گے، بعد میں اسی مسئلہ سے متعلق حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی
زورِ قلت میں دھلی ہوئی فتاویٰ نوریہ کی تحقیقات نوریہ بھی پڑھیں گے تو آپ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں
گے کہ قرآن وسنت کا منشاء کیا ہے؟ اور بالخصوص میلاد شریف کے سلسلہ میں حق کس طرف ہے؟

میلاد النبی اور مولانا رشید احمد گنگوہی

فتاویٰ رشیدیہ مشمولہ تالیفات رشیدیہ، مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور، تصحیح شدہ جدید ایڈیشن،
بار دوم ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء میں "کتاب البدعات" کے عنوان کے تحت صفحہ ۱۱۲ سے صفحہ ۱۲۷ تک مسلسل
اور اس کے بعد اسی کتاب میں اِکا دُکا مقامات پر میلاد شریف سے متعلق مولانا گنگوہی کے چند
فتاویٰ موجود ہیں، یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷ پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ
کا ایک فتویٰ بھی درج کیا گیا ہے۔ گنگوہی صاحب کے فتاویٰ میلاد کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱ محفل میلاد بدعت ضالہ ہے۔

۲ محفل میلاد در زمانہ فخر عالم ﷺ اور صحابہ ؓ و زمانہ تابعین اور تبع تابعین و
مجتہدین میں نہیں تھی۔

۳ امور مکروہہ اور مکروہ تحریمہ کے با عث ایسی محفل مکروہ تحریمی ہے۔

۴ یہ محفل فعل ہنود کے مشابہ ہے اور غیر قوم کے ساتھ تشبہ منع ہے۔

۵ مجلس میلاد کرنے والا شخص فاسق ہے۔

۶ مجلس میلاد میں اگرچہ روایات صحیحہ پڑھی جائیں تو بھی ناجائز ہے۔

اب ذرا مولانا موصوف کی چند تحریرات غیر رشیدہ ملاحظہ ہوں تا کہ آپ میلاد شریف سے متعلق
شریعت دیوبند کے "قطب الارشاد" کے مبلغ علم اور اسلوب فتویٰ نویسی سے بھی آگاہ ہوسکیں۔

۱ مولانا صاحب گنگوہی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مجلس مولود مروجہ بدعت ہے اور بسبب خلط امور مکروہ تحریمہ ہے اور قیام بھی بوجہ
خصوصیت کے بدعت اور امرد لڑکوں کا پڑھنا راگ میں بہ سبب اندیشہ ہیجان فتنہ کے
مکروہ ہے اور فاتحہ مروجہ بھی بدعت ہے۔ مع ہذا مشابہ بفعل ہنود ہے اور تشبہ بغیر قوم

کے ساتھ منع ہے"۔۔۔[فتاویٰ رشیدیہ، مشمولہ تالیفات رشیدیہ، صفحہ ۱۱۳]

قارئین کرام! ذرا دل تھام کر خط کشیدہ الفاظ کو دوبارہ پڑھیں اور پھر دیکھیں کہ گنگوہی صاحب کس بے باکی سے محفل میلاد اور فاتحہ خوانی کو ہندوؤں کے افعال سے تشبیہ دے رہے ہیں، مزید ملاحظہ ہو:

روایات صحیحہ کے ساتھ بھی محفل میلاد ناجائز

مولانا گنگوہی سے سوال کیا گیا کہ "انعقاد مجلس میلاد بدوں قیام بروایت صحیح درست ہے یا نہیں؟" تو جواب دیا گیا:

"انعقاد مجلس مولود ہر حال میں ناجائز ہے، تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم"۔۔۔[فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۱۲۵]

ایک اور سوال مع جواب گنگوہی پڑھیے:

"سوال — مولود شریف اور عرس کہ جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو جیسے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا کرتے تھے، آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ اور شاہ صاحب واقعی مولود اور عرس کرتے تھے یا نہیں؟

جواب — عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر شرع نہ ہو مگر اہتمام و تداعی اس میں بھی موجود ہے لہٰذا اس زمانے میں درست نہیں وعلیٰ ھذا عرس کا جواب ہے۔ بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت میں منع ہو گئیں، مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے"۔۔۔[ایضاً، صفحہ ۱۱۳]

مجلس میلاد میں شرکت کرنے والا فاسق

خانہ ساز شریعت دیوبند کے امام ربانی، مجلس میلاد میں شریک ہونے والے سے متعلق یوں فتویٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"ایسا شخص فاسق ہے۔ کافر کہنے سے زبان بند رکھنا چاہیے اور فعل مسلم کی تاویل کر کے اسلام سے خارج نہ کرے، جہاں تک ہو سکے لانکفر احدا من اھل القبلۃ ائمہ مجتہدین فرما گئے ہیں"۔۔۔[ایضاً، صفحہ ۱۱۵]

آپ نے دیکھا کہ مولانا گنگوہی نے محفل میلاد کو ناجائز اور اس میں شریک ہونے والے کو

فاسق قرار دیا لیکن اپنے عقیدہ وموقف کی تائید میں نصوص شرعیہ، اقوال ائمہ مجتہدین سے کوئی کمزور سے کمزور دلیل بھی ذکر نہیں کی۔ اس کا سبب کیا تھا، وہ تو مولانا موصوف یا ان کے پیروکار ہی جانتے ہوں گے، لیکن اتنی بات بالکل واضح ہے کہ اگر عشق ومحبت رسول ﷺ قال کی زبان سے حال کی زبان تک اترا ہوتا تو پھر نسبت رسول ﷺ کی بنا پر ایسی محافل کو ہندوؤں کے مشابہ اور شرکت کرنے والے کو فاسق قرار نہ دیتے۔

مولانا محترم نے مختلف امور مستحسنہ سے متعلق فتویٰ ارشاد فرماتے ہوئے اپنے فتاویٰ میں میلاد النبی ﷺ ایسے بہت سے امور خیر کو بعض معمولی یا غیر معمولی خرابیوں کی بنا پر ناجائز وحرام قرار دیا ہے، حالاں کہ شریعت اسلامیہ فقہ وکلام کا کوئی اصول ایسا نہیں ہے کہ کسی خرابی کا بہانہ بنا کر امر خیر سے منع کیا جائے۔ آج مساجد میں چوریاں ہوتی ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بعض افعال قبیحہ وگناہ کبیرہ ہوتے ہیں، تو کیا یہ کہا جائے گا کہ مساجد کو شہید کر دیا جائے اور وہاں پر نماز وغیرہ بند کر دی جائے چونکہ غیر شرعی امور کا صدور شروع ہو گیا ہے۔ اسی طرح حج کے موقع پر بھی جیب تراشی، چوری اور لڑائی جھگڑے اور وہاں تک غیر قانونی طور پر پہنچنا اور سمگلنگ ایسے واقعات کثرت سے ہوتے ہیں تو پھر شریعت دیوبند کے اصول کی روشنی میں تو اب حج پر بھی پابندی لگا دینی چاہیے، چوں کہ بہت سے امور جو پہلے نہ تھے اور غیر شرعی بھی ہیں وہ حج ایسے مقدس فریضہ اور حرم کعبہ ایسے بابرکت مقام پر ہونا شروع ہو چکے ہیں لہٰذا اب حج کو ساقط کر دیا جائے۔ ہم جانتے ہیں اور عقل بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایسے امور قبیحہ اور منکرات کے باعث مساجد میں نماز اور حرم کعبہ میں حج ایسے فرائض کو ختم نہیں کیا جائے گا بلکہ ان مفاسد ومنکرات کو ختم کر کے امور خیر کو باقی رکھا جائے گا اور لوگوں کو بھی ان کے بجالانے کی دعوت دی جائے گی۔

یہ امر عقل وشرع سے کس قدر بعید ہے کہ مولانا گنگوہی روایات صحیحہ کے ساتھ بھی محفل میلاد کو محض اس لیے جائز قرار نہیں دیتے کہ اس میں امر مستحسن میں تداعی پائی جاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ مولانا دارالعلوم دیوبند کی تعمیر وترقی کے لیے اہل ثروت کو چندے کی اپیل، مروجہ دیوبندی طریق تبلیغ، بیاہ شادی کے موقع پر اعزہ واقارب کو شرکت کی دعوت وغیرہ معاملات وامور کو خیر اور دعوت کے عمل کو تداعی سمجھتے ہیں یا نہیں؟ یہاں معاملہ دو امور سے خالی نہیں:

1 یا تو وہ دارالعلوم کے قیام، توسیع وتعمیر، بیاہ شادی وغیرہ کو امور مستحسنہ واعمال خیر سمجھتے

ہیں، اگر اس کا جواب ہاں میں ہے کہ یہ امور خیر ہیں تو پھر بوجہ تداعی یہ امور بھی غیر شرعی اور بدعت قرار پائے، لہٰذا ان مولانا کے انتقال کے بعد ان کے متبعین کو فی الفور ان جملہ امور کو ترک کر دینا چاہیے۔

۲ اگر یہ بوجہ تداعی یا کسی اور سبب سے امور خیر نہیں تو تب بھی اسراف و تبذیر کی وجہ سے مذکورہ تمام امور ناجائز قرار پائیں گے۔

مولانا موصوف گنگوہی کے ہم مسلک و پیروکاروں سے ہمیں امید ہے کہ وہ ایسے تمام امور کو اعمال خیر اور مستحسن جانتے ہیں تو پھر ایسے مواقع پر تداعی کے لیے جو دلیل ان کی ہے، وہی دلیل میلاد وغیرہ کے لیے ہماری ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ معاملہ اپنا ہو یا کسی دوسرے کا، پیمانہ ایک ہی رکھنا چاہیے۔ مذہبی معتقدات تو کہیں بڑھ کر اس امر کا تقاضا کرتے ہیں۔

یہاں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے کہ مولانا گنگوہی اور ان کے مؤیدین بہت سے علماء نے اسی فتاویٰ رشیدیہ میں ذکر میلاد کو امر مستحسن اور موجب خیر و برکت بھی قرار دیا ہے۔ ایں چہ بوالعجبی است!

میلاد النبی ﷺ اور مولانا تھانوی

مولانا اشرف علی تھانوی کے نام سے کون واقف نہیں، اپنے حلقہ دیوبند میں "حکیم الامت اور مجدد الامت" ایسے القابات سے یاد کیے جاتے ہیں۔ مولانا تھانوی کے مجموعہ فتاویٰ بنام "امداد الاحکام" کی جلد پنجم کی "کتاب البدعات" میں صفحہ ۲۴۹ تا صفحہ ۲۵۹ ہر چند فتاویٰ جات محفل میلاد، قیام وغیرہ سے متعلق موجود ہیں، ان سب فتاویٰ کے مندرجہ کا اگر جائزہ لیا جائے تو درج ذیل خلاصہ کی صورت میں سامنے آتا ہے:

> ذکر ولادت شریف نبوی ﷺ مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو، اس سے بہتر کیا ہے؟--- [امداد الفتاویٰ، جلد ۵، صفحہ ۲۴۹]

اصولاً میلاد شریف کے ذکر خیر اور افضل ہونا تسلیم کرنے کے بعد تھانوی صاحب نے اپنے ہی بیان کردہ ذکر خیر کو غیر مشروع اور غیر مستحسن ثابت کرنے کے لیے جو دلائل ذکر کیے ہیں، ان کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

۱ اکثر مولود خواں جاہل ہوتا ہے جو غلط اور موضوع روایات بیان کرتا ہے۔
۲ میلاد کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا ہے جیسے ضروریات دین کے لیے کیا جاتا ہے۔
۳ تعیین تاریخ و تقیید وقت کی بنا پر بدعت ہے۔

۴ اکثر اہل محفل بدعتی وفاسق وفجار ہوتے ہیں۔

۵ اکثر نعتیہ اشعار جاہلوں کے لکھے ہوتے ہیں۔

۶ ذکر ولادت کے وقت قیام کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی تشریف آوری کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

۷ میلاد کے موقع پر بعض امور سے منع کرنے والوں سے جھگڑتے ہیں۔

محفل میلاد کو مولانا تھانوی جن شبہات اور قیاسات کی بنا پر ناجائز قرار دے رہے ہیں، ان میں سے بعض پر تبصرہ تو مولانا گنگوہی کے شبہات کے جوابات میں گزر چکا ہے، جب کہ بعض پر عرض ہے کہ مولانا موصوف تھانوی صاحب کے بقول اکثر مولود خوان جاہل اور جاہلوں کا کلام پڑھتے ہیں، اس پر صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ ایسی سوچ بدظنی اور حسن اخلاق سے عاری ہی قرار دی جاسکتی ہے اور اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

رہا سوال تعیین دن، تقیید وقت اور اہتمام کا، تو کیا مولانا تھانوی یا ان کے پیروکار جملہ علماء دیوبند اپنی ذاتی، جماعتی اور خاندانی زندگی کے کسی ایک معاملہ کی بھی نشان دہی کر سکتے ہیں کہ جس میں تعیین دن، تقیید وقت اور اہتمام خاص نہ پایا جاتا ہو۔ ہمیں امید بلکہ یقین ہے کہ وہ اس قسم کی کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے۔ جب یہ بات درست اور مسلمہ ہے تو پھر امور خیر میں لوگوں کو خیرو بھلائی سے روکنے کے لیے تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور قیاسات پر بنیاد رکھنا کیوں کر لائق تحسین اور قابل قبول ہوسکتا ہے۔

میلاد شریف سے متعلق مولانا ظفر احمد عثمانی کی رائے

مولانا تھانوی کے مجموعہ فتاویٰ ''امداد الفتاویٰ'' کا ضمیمہ مولانا کے بھانجے مولانا ظفر احمد عثمانی (۱۳۱۰ھ/۱۳۹۴ھ) نے لکھا اور خود تھانوی صاحب نے اسے ''امداد الاحکام'' کا نام دیا۔ اس کے مقدمہ نگار کے بقول ''اس کتاب کو متعدد وجوہ سے حضرت حکیم الامت ہی کی تالیف کا درجہ حاصل ہے''۔ مولانا رفیع عثمانی کے اس قول کی روشنی میں حلقۂ دیوبند میں اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ بہرکیف مولانا ظفر احمد صاحب اپنی اس کتاب میں مسجد میں میلاد شریف کرنے سے متعلق یوں فتویٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اول تو مولود شریف کے لیے خاص مجلس منعقد کرنا ہی بدعت ہے، پھر مسجد میں

گیس کی روشنی کرنا اور جھنڈیاں لگانا یہ دوسرا گناہ ہے کیوں کہ گیس میں بدبو بخت ہوتی ہے، جس سے مسجد کا پاک رکھنا لازم ہے اور جھنڈیاں لگانا لہو ولعب میں شامل ہے، اس سے بھی مسجد کو بچانا لازم ہے۔'' --- [امداد الاحکام، جلد ۱، صفحہ ۱۸۷]

مفتی کفایت اللہ صاحب اور میلاد النبی ﷺ

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی کے مجموعہ فتاویٰ ''کفایت المفتی'' کی جلد اول، کتاب العقائد کا آٹھواں باب اختلافی مسائل سے متعلق ہے۔ مذکورہ باب کی فصل اول عید میلاد سے متعلق خاص ہے، جس میں میلاد شریف کے بارے میں مختلف سوالات کے جوابات درج کیے گئے ہیں جب کہ اس کے علاوہ فصل دوم جلسہ سیرت، فصل سوم مسئلہ قیام، فصل چہارم مسئلہ علم غیب و مدد و استعانت بالغیر کے حوالہ سے ہیں۔ ان فصول میں بھی بہت سے سوالات جو میلاد شریف کے بارے میں پوچھے گئے ان کے جوابات دیے گئے ہیں، غرض یہ کہ صفحہ ۱۴۸ سے ۱۵۵ تک متعدد سوال و جواب اس مسئلہ سے متعلق ہیں۔ مفتی کفایت اللہ صاحب بھی میلاد شریف سے متعلق وہی رائے اور نظر رکھتے ہیں جو ان کے دیگر ہم مسلک علمائے دیوبند کا ہے، مثلاً ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

''میلاد شریف حضور ﷺ کے زمانہ مبارک کے صدیوں بعد ایجاد ہوئی ہے، حضور ﷺ کے عہد مسعود اور صحابہ و تابعین وائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے زمانہ مبارک میں اس کا وجود نہ تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آں حضرت ﷺ کے حالات و واقعات اور فضائل و معجزات کا بیان کرنا مسلمانوں کے لیے بصیرت افروز، موجب سعادت دارین ہے۔ مگر اول تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ واقعات و روایات صحیح صحیح بیان کیے جائیں، غلط اور موضوع قصے نہ بیان کیے جائیں۔ دوسرے یہ کہ مجلس خاص اہتمام سے اور میلاد کے نام سے منعقد کرنے کا کوئی ثبوت نہیں، اس لیے بہتر ہے کہ مجلس وعظ سے ہی یہ کام لیا جائے۔ تیسرے منکرات شرعیہ مثلاً اسراف، تفاخر، ریا سے اجتناب کیا جائے۔ چوتھے کسی خاص وقت، تاریخ کو اس کے لیے شرعاً مخصوص یا مقید، زیادت ثواب نہ سمجھا جائے تو نفس ذکر اوصاف و فضائل آں حضرت ﷺ افضل مستحبات میں سے ہے۔'' --- [کفایت المفتی، جلد ۱، صفحہ ۱۴۳]

مفتی صاحب کے محولہ بالا فتویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱ میلاد شریف صدیوں بعد ایجاد ہوا ہے اس لیے غیر شرعی ہے۔

۲ اہتمام سے میلاد کرنے کا کوئی ثبوت نہیں۔

۳ اس میں منکرات شرعیہ، تفاخر وغیرہ پائے جاتے ہیں ---اور یہ کہ

۴ اس میں تعیین وقت وتاریخ کی جاتی ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر مفتی کفایت اللہ صاحب نے محفل میلاد کو غیر مشروع اور ناجائز قرار دیا ہے۔

اب ذرا مفتی صاحب کی شریعت سازی کی شان بھی ملاحظہ ہو:

''عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے کوئی جلسہ کرنا صحیح نہیں۔ ہاں سیرت مقدسہ کی تبلیغ وبیان کے لیے جلسہ کرنے میں مضائقہ نہیں اور اس کے لیے کسی خاص تاریخ کی تخصیص نہیں اور فضولیات وبدعات سے احتراز رکھنا لازم ہے'' --- [ایضاً صفحہ ۱۴۴]

اسی پر تبصرہ کرتے ہوئے شاعر نے کہا تھا:

تمہاری زلف میں آئی تو حسن کہلائی

وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی

میلاد کے نام سے الرجک مفتی کفایت اللہ صاحب جو سیرت مقدسہ کے جلسہ کا فتویٰ ارشاد فرما رہے ہیں، اب ذرا ان کی دلیل بھی ملاحظہ ہو:

''یہ صحیح ہے کہ عید میلاد کے نام سے اور عید منانے کے خیال سے بارہ ربیع الاول کو جلسہ کرنا بے اصل ہے اور اسے بدعت کہہ دینے میں مضائقہ نہیں اور تمام علماء نے اس نام اور اس خیال سے جلسہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ علماء نے جلسہ سیرۃ کے نام سے جلسہ کرنے کی اجازت دی ہے، جس کا مطلب کوئی عید منانا نہیں اور نہ اس کو میلاد کے مروجہ اعمال ورسوم سے تعلق ہے۔ اس کی غرض تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر جو ایک غلط طریقہ اور مبتدع رسم مجلس مولود منعقد کرنے کی رواج پا گئی ہے اور اس میں اسراف، نمود اور بدعات وخرافات پھیل گئی ہیں اور مولود خواں جھوٹی اور موضوع روایتیں بیان کرتے ہیں، ان کی اس طرح اصلاح ہو جائے کہ سیرۃ نبی کریم ﷺ کے بیان اور حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اشاعت وتبلیغ کی غرض سے جلسہ منعقد کیا جائے، جو تمام فضولیات اور بدعات وخرافات سے پاک ہو اور اس میں سیرۃ مبارکہ ومقدسہ کے صحیح

صحیح حالات بیان کیے جائیں اور مسلمانوں کو اتباع سنت کی ترغیب دی جائے، کوشش کر کے غیر مسلموں کو بھی جلسے میں شریک کیا جائے تاکہ وہ بھی پیغمبر اسلام ﷺ کے حقیقی اور صحیح اور سچے حالات و کمالات سے واقف ہوں اور تبلیغ کی صحیح صورت پر عمل کر سکیں۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے بجائے جلسہ سیرۃ کے اس کو وہی مجلس مولود بلکہ ترقی کر کے عید میلاد بنالیا اور اس کے ساتھ جلوس اور نمائش کے بہت سے کاموں کا اضافہ کر دیا۔ الحاصل اشاعت سیرۃ مقدسہ کی غرض سے انعقاد جلسہ جائز بلکہ مندوب ہے اور عید میلاد کے نام یا اعتقاد سے جلسہ منعقد کرنا بے اصل ہے"---[ایضاً، صفحہ ۱۳۶،۱۳۵]

عید میلاد النبی ﷺ کے عدم جواز اور جلسہ سیرت کے جواز سے متعلق مفتی کفایت اللہ صاحب کے مذکورہ دلائل پر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے:

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی اور میلاد النبی

دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن دیوبندی محفل میلاد سے متعلق یوں لکھتے ہیں:

"یہ صحیح ہے کہ آج کل مجلس میلاد شریف چوں کہ ناجائز امور کو شامل ہے، اس لیے شرکت اس میں جائز نہیں مثلاً روایات موضوعہ ضعیفہ کا ہونا اور تخصیص قیام بوقت ذکر ولادت آں حضرت ﷺ جو کہ ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح بہت سے امور میں ناجائز ہیں جو کہ حضرت مولانا گنگوہی و حضرت مولانا احمد علی سہارن پوری کے فتویٰ سے مطبوع ہو کر شائع ہو چکا ہے ظاہر ہیں، اس کو ضرور دیکھ لیں اور فاتحہ کھانے پر بھی اصل ہے اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے، ان وجوہ سے امام مسجد نے یا اس کے باپ نے فاتحہ خوانی و شرکت مجلس میلاد سے احتراز کیا ہوگا، پس یہ امر موجب طعن نہیں"---[فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلد۳، صفحہ ۲۸۸]

اسی طرح ایک اور جگہ میلاد شریف اور عرس میں شامل ہونے والے امام کی امامت کا حکم بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"نماز ہو جاتی ہے لیکن اگر اس کے علیحدہ کرنے میں فتنہ نہ ہو تو اس کو امامت سے علیحدہ کر دیا جائے اور اگر فتنہ ہو تو اسی کے پیچھے نماز پڑھے کہ تنہا نماز پڑھنے سے اس

کے پیچھے نماز پڑھنا جماعت کے ساتھ بہتر ہے''---[ایضاً صفحہ ۳۱۴]

مفتی رشید احمد لدھیانوی اور میلاد النبی ﷺ

دیوبندی مسلک کے معتدل عالم مفتی رشید احمد لدھیانوی میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے تقریباً وہی رائے رکھتے ہیں جو علماء اہل سنت کی ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کی سیرت و حالات پر مسلمانوں کو مطلع کرنا اسلام کا اہم ترین فرض ہے اور ساری تعلیمات اسلامیہ کا خلاصہ یہی ہے اور اسی میں مسلمانوں کی بہبود اور اصلاح منحصر ہے۔ آں حضور ﷺ کی ولادت بڑے سرور اور فرحت کا باعث ہے اور یہ سرور کسی وقت اور محل کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر مسلمان کے رگ و پے میں سمایا ہوا ہے''---[احسن الفتاویٰ، جلد ا، صفحہ ۳۴۷]

مفتی صاحب موصوف میلاد شریف سے متعلق اپنی مذکورہ رائے کا اظہار کرنے کے بعد بطور استشہاد ابولہب کا اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کرنے کی پاداش میں ہر دوشنبہ (سوموار) کو تخفیف عذاب کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب ابولہب جیسے بد بخت کافر کے لیے میلاد نبی ﷺ کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہوگئی تو جو کوئی امتی آپ کی ولادت کی خوشی کرے اور حسب وسعت آپ کی محبت میں خرچ کرے تو کیوں کر اعلیٰ مراتب حاصل نہ کرے گا۔ پس اگر ولادت یا معجزات یا غزوات وغیرہ کا ذکر بطرز وعظ و درس بغیر پابندی رسوم کے کرے تو ہزاروں برکتوں کا باعث ہوگا''---[ایضاً صفحہ ۳۴۸]

مفتی رشید صاحب نے میلاد کے جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے آخر میں تین شبہات کا تذکرہ کر کے ان پر بنیاد رکھتے ہوئے محافل میلاد کے عدم جواز کا قول کیا ہے:

۱ میلاد شریف منانے والے عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ اس محفل میں تشریف لاتے ہیں۔

۲ محفل میلاد میں شرینی تقسیم کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

۳ معین مہینہ، مقررہ تاریخ پر میلاد کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

[ملخصاً، ایضاً صفحہ ۳۴۸]

ہماری طالب علمانہ رائے میں مفتی صاحب موصوف کے مذکورۃ الصدر تینوں شبہات محض احتمالات وقیاسات ہی ہیں، ورنہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کا روحانی طور پر کائنات کی ہر شے میں فیض موجود ہے اور جمہور اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے۔ محفل میلاد میں آپ ﷺ کی شرکت و تشریف آوری کے قائلین بھی اس معنی کو مانتے ہیں اور یہی ان کا عقیدہ ہے۔ رہے باقی دو شبہات تو یہ ایسے شبہات ہیں کہ جن کی کوئی بنیاد نہیں۔ اس لیے کہ نہ تو شرینی تقسیم کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے اور نہ خاص مہینہ وتاریخ پر ہی میلاد منایا جاتا ہے، بلکہ اہل عقیدت ومحبت تو ہر روز صبح وشام میلاد سرکار ﷺ کی محفلیں سجائے رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پورے ملک میں عشاق رسول ﷺ کا معمول بطور سند ودلیل کافی ہے۔

محفل میلاد میں قیام سے متعلق حضرت فقیہ اعظم کی رائے

ماہ سعید ربیع الاول میں اہل ایمان حضور پرنور شافع یوم النشور حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت مقدسہ کی خوشی میں فرحت وسرور اور شادمانی کا اظہار کرتے ہیں، اس مناسبت سے در و بام کو سجایا جاتا ہے تو اطعام طعام کے ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق کثرت کے ساتھ کھانے کھلائے جاتے ہیں۔ محافل میں تلاوت ونعت، وعظ ونصیحت کے علاوہ بالخصوص عظمت نبوت اور شان رسالت کے حوالے سے قرآن وحدیث کی روشنی میں شان محمدی کا بیان کیا جاتا ہے، جس سے ایمان کو تازگی حلاوت اور دل کو حیات نو ملتی ہے۔ اس کے علاوہ ان پاکیزہ محافل میں بالعموم کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کیا جاتا ہے۔ منکرین میلاد، علمائے دیوبند اور غیر مقلدین اس امر خیر کو بدعت بلکہ بعض متشدد قسم کے لوگ حرام تک قرار دیتے ہیں، چنانچہ اسی سلسلہ میں محمد الیاس خاں نے کراچی سے میلاد منانے اور اس موقع پر سلام پڑھنے سے متعلق ایک سوال حضرت فقیہ اعظم کی خدمت میں بھیجا، جس کے یہ الفاظ بطور خاص توجہ طلب ہیں:

"..........میلاد میں سلام کیوں پڑھتے ہیں؟" ---

میلاد کے جواز وعدم جواز اور پھر اس موقع پر سلام پڑھنے سے متعلق متذکرہ علمائے دیوبند کے فتاویٰ میں دلائل کی کمی واضح جھلکتی نظر آتی ہے، آیئے! اب ذرا مفتی محمد نور اللہ نعیمی صاحب کی بصیرت نورانی کے نتائج بھی ملاحظہ ومشاہدہ فرمائیں کہ آپ کس طرح اس مسئلہ کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ حضرت فقیہ اعظم، میلاد النبی ﷺ کے موقع پر سلام پڑھنے کو امور مستحسنہ ومستحبہ میں

کر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اصل بات وہی ہے کہ حکم مطلق سب صورتوں کو شامل ہوتا ہے اور اس بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ میلاد شریف میں سلام پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ کم از کم مستحب و مستحسن ضرور ہے کہ حضرت رب العالمین جل وعلا نے ہمیں قرآن کریم میں اپنے محبوب اکرم ﷺ پر سلام بھیجنے کا مطلق حکم دیا ہے کہ فرمایا'' وسلموا تسلیما''---[سورۃ الاحزاب،۳۳:۵۶]

تو میلاد شریف میں سلام پڑھنا بھی اسی سے ثابت ہو گیا''---

[فتاوی نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۵۹۷-۵۹۸]

مختصر یہ کہ صاحب فتاوی نوریہ، مسئلہ کسی بھی نوعیت کا ہو، فقہی ہو یا قانونی، اخلاقی ہو یا سیاسی و مسلکی، کہیں بھی محض اپنی رائے اور خیال پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ نتائج تحقیق کو نصوص شرعیہ، اقوال و ارشادات اکابر کی کسوٹی سے پرکھ کر پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میری معلومات کی حد تک نصف صدی میں انہیں اپنے کسی فتوے سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یہ اس لیے کہ قرآن مجید نے اس حقیقت کو صدیوں پہلے واضح فرما دیا تھا:

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ---[الزمر،۳۹:۲۲]

بلاشبہ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کا سینہ مبارک اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کی محبتوں اور شفقتوں کے وسیلہ جلیلہ سے کھول دیا تھا، جس کے باعث آپ اسم بامسمی بن چکے تھے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

❁❁❁❁❁

عرس بزرگان دین

اہل اسلام میں قدیم زمانے سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ وہ صلحاء و پاکان امت کے یوم ہائے وصال پر ان کی یاد مناتے، ان کی دینی وملی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے اور ان کی سیرت و کردار کے تذکرے کرتے چلے آتے ہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے اعزا و اقارب، مریدین و متوسلین اور اہل عقیدت و محبت کی سہولت و آسانی کے لیے ایک دن اور وقت مقرر کر لیتے ہیں پھر اس مقررہ دن میں سب مل کر اپنے ان وصال یافتہ بزرگوں کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے قرآن خوانی، محفل نعت و ذکر منعقد کرتے ہیں اور اس موقع پر آنے والے مہمانوں اور غرباء و مساکین میں بطور تبرک کھانا و شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، اس سارے عمل کو عرس کا نام دیا جاتا ہے۔ اب اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس میں کوئی عمل نہ تو عقل و درایت کے خلاف نظر آتا ہے اور نہ قرآن وسنت کی تعلیمات سے متصادم دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن وسنت نے انسانوں کو جو عمل بھی کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے، اس کے لیے ایک وقت مقرر ہے، مثلاً نماز، روزہ، حج، قربانی ایسے فرائض وواجبات میں ہر ایک کے لیے ایک خاص وقت مقرر ہے، اگر وہ وقت گزر جائے تو مذکورہ عبادات میں سے نماز،

روزہ تو ادا کی بجائے قضا قرار پائیں گے کہ حج و قربانی مقررہ دن گزر جانے کے بعد سرے سے ادا ہی نہیں ہوں گے کیوں کہ ان کی قضا ہے ہی نہیں، پھر یہ آئندہ سال ہی ادا کیے جاسکیں گے۔

ان مذکورہ امور میں جہاں بندوں کی آزمائش و امتحان مطلوب ہے وہاں ان کے لیے ایک سہولت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے تاکہ وہ روزمرہ کے اپنے معمولات میں سے ان اوقات میں اجتماعی طور پر اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہو کر اس کا حکم بجا لائیں۔ لہٰذا ان امور شریعۃ کی اصل غرض و غایت اور حکمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور ان سے اصول حیات اخذ کرتے ہوئے اگر اپنی روزمرہ کی زندگی میں دیگر امور کی طرح ذکر و اذکار کی ان محافل کے لیے بھی کوئی خاص دن یا وقت مقرر کر لیا جائے تو یہ عین تقاضائے شریعت کے مطابق ہوگا۔ ہاں یہ بات ضروری ہے کہ ان امور کو اسی مقررہ دن کے ساتھ خاص نہ سمجھا جائے کہ صرف انہی دنوں میں ارواح صالحین کو ثواب پہنچایا جا سکتا ہے اور کسی دن نہیں، بلکہ نیت و اعتقاد یہ ہونا چاہیے کہ ثواب تو کبھی بھی پہنچایا جا سکتا ہے، البتہ میں نے اپنی سہولت کے لیے اور دوسرے لوگوں کی سہولت کے لیے یہ دن مقرر کیا ہے تاکہ کسی کا کوئی حرج اور تکلیف نہ ہو۔

علاوہ ازیں بدنی عبادت کے ثواب کا بزرگان دین اور فوت شدگان کی ارواح کو بخشنا، تو یہ قرآن و سنت کی نصوص قطعیہ اور امت کے تواتر سے ثابت ہے اور شریعت کا حکم و منشا بھی یہی ہے کہ اپنے سے پہلے گزر جانے والے اپنے مومن بھائیوں کی مغفرت کے لیے دعا کی جائے، بلکہ اس کو قرآن مجید نے مومنین کی صفات کا ذکر کیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ ---- [الحشر ۵۹: ۱۰]

"وہ جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لیے اے ہمارے رب! بے شک تو رؤف و رحیم ہے"----

آیت کریمہ نے اس بات کو واضح کر دیا کہ اپنے سے پہلے ایمان لانے والوں کے لیے دعائے مغفرت نہ کرنا اصلاً بغض کا کام ہے۔ غرض یہ کہ مذکورہ آیت کریمہ اور اس قسم کی دیگر

بہت سی آیات واحادیث نے صراحت کے ساتھ ایصال ثواب کا حکم دیا ہے، اب اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص نہ مانے تو یہ سوائے اس کی کوتاہ نظری اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے نابلد ہونے کے اور کچھ نہیں۔

یہ ہے اہل سنت کے نزدیک عرس بزرگان دین کی حقیقت واصلیت۔ لیکن افسوس کہ منکرین تعلیمات اسلامیہ نے اپنی منشاء کے مطابق ان امور کو بدعت، شرک اور نہ جانے کیا کچھ قرار دیا ہے۔ چند نمونے منکرین ومخالفین کے مفتیان کرام کے فتاویٰ کے ملاحظہ فرمائیں اور پھر دیکھیں کہ انہوں نے کس طرح سے اپنی نفسانی خواہشات وآراء سے اصول شریعہ کو پامال کیا ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی جو حلقہ دیوبند کے مقتدر عالم بلکہ ''فقیہ عصر، قطب الارشاد اور امام ربانی'' ہیں، عرس بزرگان دین سے متعلق ان کے ''ارشادات'' ملاحظہ ہوں:

عرس میں شرکت

سوال: جس عرس میں صرف قرآن پڑھا جائے اور تقسیم شیرینی ہو، شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کسی عرس اور مولود میں شریک ہونا درست نہیں اور کوئی سا عرس اور مولود درست نہیں۔ [فتاویٰ رشیدیہ، مشمولہ تالیفات رشیدیہ، صفحہ ۱۴۸]

مزید ملاحظہ ہو:

''اور عرس کے باب میں بھی جواب یہ ہے کہ منع ہے اربعین میں مولانا ممدوح (مولوی محمد اسحاق دہلوی) لکھتے ہیں:

مقرر ساختن روز عرس جائز نیست ودر تفسیر مظہری مینویسند: لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولياء و الشهداء من السجود و الطواف حولها و اتخاذ السرج و المساجد اليها و من الاجتماع بعد الحول كالاعياد و یسمونه عرسا'' —— [ایضاً، صفحہ ۱۴۹]

آپ نے دیوبند کے قطب الارشاد اور فقیہ العصر کے عرس بزرگان دین سے متعلق جو ارشادات بصورت فتویٰ ملاحظہ فرمائے ہیں، ان میں ذرا غور فرمائیں کہ وہ عرس کو تو غیر شرعی قرار دے رہے ہیں لیکن حیرت ہے کہ منع کا یہ حکم لگاتے ہوئے اصول اربعہ (قرآن، حدیث، اجماع

اور قیاس) میں سے کسی ایک سے بھی کوئی دلیل اس منع کی تائید میں نہیں لائے۔

دوسرے فتویٰ میں اگر بھول کر حوالہ درج کر ہی دیا ہے تو وہ بھی اپنے ہم مسلک مولوی محمد اسحاق دہلوی کی اربعین کا حوالہ نقل کیا ہے، جیسا کہ وہ قرآن وحدیث ہو۔ ان فتاویٰ سے مولانا گنگوہی کی قوت استدلال واستخراج کا پتہ چلتا ہے کہ قرآن وحدیث کی نصوص پر غور وفکر کرتے ہوئے ان سے استنباط واستدلال کرنے کا ملکہ ان میں کس قدر تھا۔ راقم الحروف بلا تعصب اس بات کا اظہار کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ مولانا گنگوہی یقیناً خود کو یہ سمجھتے تھے گویا ان کی زبان وقلم سے نکلنے والا ہر کلمہ ولفظ قرآن وحدیث ہے، اس لیے انہیں مسائل شرعیہ بیان کرتے ہوئے کسی آیت یا حدیث کو پیش کرنا اور اس سے استدلال کرنا ضروری خیال نہیں کرتے تھے۔ ہمارے اس خیال کی تائید ان کے فتویٰ کے اکثر مقامات کرتے ہیں۔ پھر مزید حیرت ان مدعیان علم پر بھی ہوتی ہے کہ جو ان حضرت کے فتویٰ کی تائید وتصدیق تو کرتے ہیں مگر ان سے اس خانہ ساز شریعت پر کوئی دلیل طلب نہیں کرتے بلکہ اسے عین شریعت سمجھ کر آنکھیں بند کر کے مہر تصدیق ثبت کرتے چلے جاتے ہیں۔ اب ذرا ایک اور ''مفتی اعظم'' کی بھی سنیے۔ وہ عرس بزرگان دین سے متعلق کیا فرماتے ہیں:

> ''عرس کی حقیقت شرعی نقطۂ نظر سے صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مقابر اولیاء کی زیارت کی جائے تو اگرچہ سفر طویل کر کے زیارت کے لیے جانا جائز ہے لیکن ایام عرس میں وہاں جانے کے علاوہ اس کے کسی خاص تاریخ کو عرس کرنے کے لیے متعین کر لینا بدعت ہے۔ بڑی قیامت یہ ہے کہ آج کل اعراس مروجہ میں اتنے غیر مشروع اور ناجائز کام ہوتے ہیں کہ ان سب کا مجموعہ شرکت عرس کو حرام بنا دیتا ہے مثلاً عورتوں کا جانا، مزامیر کے ساتھ قوالی ہونا، طوائف کا ناچ گانا وغیرہ وغیرہ۔ پس جو شخص اس کو جائز اور باعث ثواب بتائے وہ سخت گناہ گار ہوگا'' ---[کفایت المفتی، جلد ۱، صفحہ ۱۹۹]

مفتی کفایت اللہ دہلوی کے ہاں بھی وہی تعلّی نظر آتی ہے جو مولانا گنگوہی کے ہاں تھی، یعنی ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' نہ قرآن وحدیث کا کوئی حوالہ اور نہ اسلاف امت سے کوئی استشہاد، نہ دعوے کی دلیل کے طور پر اصول مسلمہ پیش کیا گیا اور نہ ہی کسی دلیل عقلی کو راہنما بنایا گیا۔ اگر موصوف کے بیان کردہ موانع کو تسلیم کرتے ہوئے عرس بزرگان دین اور ان میں شریک ہونا

بدعت وحرام ہے تو کیا موصوف یہ فتویٰ دیں گے کہ چوں کہ آج کل مساجد میں چوریاں ہوتی ہیں کئی بدبخت معاذ اللہ وہاں انسانیت سوز حرکات بھی کر جاتے ہیں لہٰذا مساجد کا بنانا بدعت اور وہاں جانا حرام ہے۔ اسی طرح ایک وقت مقرر کر کے رائے ونڈ میں ہر سال تبلیغی اجتماع کرنا اور پھر دور دراز سے اس اجتماع اور آخری دعا میں شرکت کی خالص نیت کر کے جانا حالانکہ وہاں چوری بھی ہوتی ہے، جیبیں بھی کٹتی ہیں، سمگلنگ کا سامان غیر قانونی طور پر کثرت سے فروخت کیا جاتا ہے، اس سے بڑھ کر منشیات، ہیروئن اور چرس وغیرہ کی خرید وفروخت بھی اب کوئی معمہ نہیں رہی۔ ان سب امور کو سامنے رکھتے ہوئے مفتی کفایت اللہ صاحب یا ان کے ہم مسلک دیوبندی مفتیان یہ فتویٰ دیں گے کہ ان موانع ومفاسد کی بنا پر رائے ونڈ کا اجتماع اور اس میں شریک ہونا حرام ہے۔

عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اگر بزرگان دین کے اعراس بعض غیر مشروع امور کی وجہ سے بدعت اور ان میں شرکت حرام ہے تو پھر مساجد کا بنانا اور ان میں حاضری، رائے ونڈ کا اجتماع اور اس میں دعا کی نیت سے شمولیت بھی بدعت وحرام قرار پائے۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ کوئی دیوبندی مفتی مساجد کی تعمیر اور رائے ونڈ کے اجتماع کو حرام قرار دینے پر تیار نہیں ہوگا، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عرس، گیارہویں سے متعلق علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث غیر مقلدین کے ایسے فتاویٰ جات شریعت کا تحفظ نہیں بلکہ اپنے اندر چھپے ہوئے تعصب اور اہل اللہ سے عداوت کا اظہار ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر ایسے مسائل سے متعلق ان حضرات کا موقف بھی وہی ہوتا جو جمہور علمائے اسلام کا شروع سے اب تک ہے۔

عرس سے متعلق حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی رائے اور آپ کی تحقیق پر تبصرہ کرنے سے پہلے اہل حدیث حضرات کا بھی ایک فتویٰ اسی مسئلہ سے متعلق ملاحظہ ہو:

سوال — کیا تیجے، ساتویں، دسویں، چالیسویں اور عرس یا میلہ کا کوئی ثبوت ہے، اگر کوئی ان سے انکار کرے تو بریلوی اسے برا کیوں کہتے ہیں؟

جواب — "ثبوت اگر قرآن وحدیث سے پوچھو تو کوئی نہیں۔ بلکہ فقہ کی کتابوں میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ ہاں یار لوگوں نے کھانے پینے کا ڈھب بنا رکھا ہے اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی یہ رسمیں ایجاد کر لی ہیں۔ جیسا کہ منوسمرتی میں تیجے، ساتویں، چالیسویں کا ذکر مذکور ہے" --- (فتاویٰ علمائے اہل حدیث، جلد ۵، ص [illegible])

اس فتویٰ پر بجز "انا للہ و انا الیہ راجعون" کچھ اور تبصرہ کرنا ہی تضیع اوقات میں شامل ہے۔

عرس بزرگان دین سے متعلق حضرت فقیہ اعظم کی رائے

ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم مفتی محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز کے پاس تحصیل دیپالپور کے معروف قصبہ پکا ڈولہ سے ایک سائل حافظ عبدالوہاب نے ایک استفتاء بغرض جواب ارسال کیا۔ جس میں کل ۱۲ سوالات تھے، جن میں سے ایک سوال عرس بزرگان دین سے متعلق بھی تھا۔

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے ان جملہ سوالات کے جوابات ایک رسالہ کی صورت میں لکھ کر اس کا نام "انوار المتقن الدولہ فی اجوبۃ اسئلۃ فکادولہ" رکھا۔ رسالہ کیا ہے، دلائل و براہین کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، جس میں قرآن و حدیث کے لؤلوئے آبدار اور کتب فقہ و کلام کے حوالے لعل بدخشاں متموج لہروں کی طرح اچھلتے نظر آتے ہیں کہ ہر غیر جانبدار و غیر متعصب قاری خواہ عالم ہے یا نہیں، اس علمی شہ پارے کو پڑھتے ہوئے بے ساختہ طور پر پکار اٹھتا ہے کہ "کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است" عرس سے متعلق سوال کے جواب کا آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جب تک دلیل حرمت و کراہت نہ آئے کوئی چیز حرام و مکروہ نہیں ہو سکتی۔ اس مدعا پر دلائل واضحہ آیات و احادیث سے صرف چند پر اختصار اقتصار کیا جاتا ہے" --- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، صفحہ ۶۲۷]

حضرت مفتی صاحب ممدوح نے اصول مسلمہ بیان کرنے کے بعد اب اس کی تائید میں متعدد آیات اور احادیث کے علاوہ ائمہ مفسرین و شارحین حدیث کے اقوال کو نقل کیا ہے اور آیت کریمہ "لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم ...... الخ" سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "خداوند قدوس کا فرمان تو سن چکے کہ وہ معاف فرما چکا ہے گرفت نہیں فرماتا، گمراہی کا حکم نہیں لگاتا، جب تک نہی نہ آئے، مگر عجب کہ وہابیہ اتنے دلیر ہیں کہ بات بات پر مسلمانوں کو گمراہ بلکہ مشرک و کافر کہہ دیتے ہیں اور ہر ہر چیز میں یہی مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا جواز دکھاؤ، حالانکہ جس سے منع کرتے ہیں ان چیز کے منع ہونے کا اثبات ان پر لازم ہے کہ جب تک نہی ثابت نہ ہو منع نہیں ہو سکتی کہ شرعاً میں غیر منہی عنہ جائز ہے۔ ایسے کے حق میں قرآن کریم کا یہ فتویٰ ہے:

﴿وَ لا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلالٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لا يُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ---[النحل، ۱۶:۱۱۶]

نیز جس طرح جواز بدون اجازت شرع نہیں، اسی طرح منع بھی بدون منع شرع نہیں تو یہ ان کی بے انصافی کہ اپنی دلیل بیان نہیں کرتے۔ الٹا ہم سے مطالبہ کرتے ہیں، شرع مطہر سے اباحت اصلیہ کا ثبوت نہایت خوش اسلوبی سے ہم نے پیش کر دیا، مانع پر لازم کہ دلیل منع بیان کرے۔ جب یہ قاعدہ ممہد ہو چکا تو اب اشیائے مسئولہ میں سے ہر ایک کا تفصیلی جواب سنیے۔ ایسا عرس اہل اللہ جو منہیات شرعیہ سے مبرا ہو، اس میں عموماً یہ امور ہوتے ہیں:

۱...... زیارت قبر ولی اللہ و دیگر قبور کہ اس جگہ عموماً ہوتے ہیں۔

۲...... استفاضہ از صاحب عرس۔

۳...... اجتماع عامۂ مسلمین و صلحاء و علماء۔

۴...... ملاقات برادران اسلام و سلام و مصافحہ۔

۵...... زیارت اصفیاء و صلحاء و علماء۔

۶...... وعظ و ہدایت عوام۔

۷...... اطعام طعام۔

اور ان چیزوں سے شریعت مطہرہ میں ممانعت نہیں تو جائز ہوئیں۔ بحکم قاعدہ ممہدہ، ہاں ہاں صرف یہی نہیں کہ شرع نے منع فرمایا بلکہ جائز فرمایا۔ صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب و مندوب و مامور بہا بنایا ہے"۔ ---[ایضاً، صفحہ ۳۰-۶۲۹]

اس کو کہتے ہیں تفقہ فی الدین، حضرت فقیہ اعظم بھی اگر علمائے دیو بند کی طرح اپنے علم کے حصار اور خاص فکر کے تعصب میں بند ہوتے تو وہ بھی یہ لکھ دیتے کہ "عرس جائز ہے" لیکن ایسا نہیں بلکہ انہوں نے پوری دیانت داری کے ساتھ قرآن و سنت کی نصوص اور ان کی حکمت و فلسفہ پر غور و فکر کیا ہے اور پھر ایک ماہر غواص کی طرح اس قلزم حکمت و دانش کی تہہ میں جا کر شریعت اسلامیہ کے فلسفہ و حکمت اور مقاصد اصلیہ کے ایسے ایسے جواہرات تلاش کیے ہیں کہ عقل انسانی

الفت بدنداں رہ جاتی ہے اور اسے تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ کوئی بھی منصف مزاج شخص
اس کو حضور ایزدی سے عقل سلیم اور فکر صحیح عطا ہوئی ہے، جب وہ عرس وغیرہ کے جواز یا عدم جواز
کے متعلق علمائے دیوبند اور حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ بصیر پوری یا دیگر علمائے اہل سنت کے دلائل
کو قبول حق کی نگاہ سے دیکھے گا تو وہ اس کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ
کا موقف درست اور دلائل مضبوط ہیں اور معمولات اہل سنت، تعلیمات اسلامیہ کے تقاضوں کے
عین مطابق ہیں، اس لیے کہ انہوں نے عقلی گھوڑے دوڑانے کی بجائے براہ راست قرآن وسنت
پر اپنے موقف کی بنیاد رکھی ہے۔ اس لیے یہاں دلائل کا تقابل کرنا ہی بے معنی ہے کہ ایک طرف
قرآن وسنت ہے اور دوسری طرف محض ذاتی رائے ہے۔

❁❁❁❁❁

سوم، ساتواں، دسواں اور چہلم وغیرہ

مسلم معاشرے میں زمانہ قدیم سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ اہل ایمان اپنے فوت شدگان کی ارواح کے ایصال ثواب کے لیے تیسرے، ساتویں، دسویں دن ختم دلواتے ہیں اور پھر چہلم کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ایصال ثواب کرنا اور اس کی مشروعیت براہ راست قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہے مگر پھر بھی کچھ لوگوں کو اس کی مختلف صورتوں جیسے سوم، ساتواں، دسواں، برسی وغیرہ پر اعتراض ہے، جس کی وجہ سے وہ ان پر بدعت بلکہ ان میں سے بعض حدود شرعیہ سے تجاوز کرتے ہوئے حرام بھی قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور شریعت مطہرہ نے انہیں اس قسم کا کوئی اختیار نہیں دیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ خود کو شارع کے مقام پر فائز کرتے ہوئے ایصال ثواب کی ان صورتوں کے مسلمانوں پر کفر وشرک اور بدعت وحرام کے فتوے لگاتے نہیں تھکتے، العیاذ باللہ۔ ذیل میں منکرین کے چند فتاوٰی میں سے کچھ حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں، تا کہ آپ کو یقین آجائے کہ انہوں نے کس طرح اسلام کے دائرے کو محدود وتنگ کرتے ہوئے مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے اور دائرہ اسلام سے نکالنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

مفتی کفایت اللہ دھلوی کا فتوی

زیر بحث مسئلہ تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ سے متعلق مفتی کفایت اللہ صاحب کا فتوٰی سوال مع جواب

ومن نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:

سوال زید نے عمر سے پوچھا کہ آیا تم گیارہویں، بارہویں کرتے ہو، عمر نے طنزاً کہا کہ ہم سب کچھ کرتے ہیں، تم کیا کہتے ہو؟ یہ سن کر زید نے کہا کہ تم حرام کھاتے ہو۔ اس پر عمر نے کہا کہ زبان سنبھالو۔ پہلے تم عمل کرو بعد ازاں دوسروں کو نصیحت کرو۔ خود تمہارا گوشت وخون انہیں کھانوں یعنی گیارہویں، بارہویں، تیجہ، دسواں، بیسواں، چہلم، برسی وغیرہ کے ناجائز کھانوں سے پلا اور پل رہا ہے، تم ان ناجائز کھانوں سے پرہیز کرنے والوں پر لعن طعن کرتے ہو، چہ خوش؟ جواب دیا کہ ہم توبہ کر چکے ہیں، اب نہیں کھاتے۔ باوجود اتنا کہنے کے دو چار ہی دن میں خود زید مذکور نے ایک ہی روز میں دو جگہ ظہر اور عصر کے درمیان، چہلم کی دعوت میں بڑے طاں بن کر خود فاتحہ خوانی کر کے اس چہلم کے بدعتی کھانے سے پیٹ بھرا اور ڈکارتا ہوا نکلا، پھر دوسرے اہل سنت پر بے جا اعتراض کرتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۹۳۲، حاجی غلام محمد صاحب شوکت، مطبع شوکت الاسلام (بنگلور)

جواب تیجہ، دسواں، چالیسواں بطور رسم کے کرنا بدعت ہے کیوں کہ شریعت نے ایصال ثواب اور صدقہ وخیرات کے لیے کسی تاریخ، کسی دن اور کسی زمانے اور کسی کھانے اور کسی چیز کی تخصیص نہیں کی ہے۔ لیکن کھانا جو بغرض صدقہ وبہ نیت ایصال ثواب پکایا اور کھلایا جائے، وہ کھانا ناجائز وحرام نہیں ہے البتہ پیشواؤں کو ایسے اجتماعات سے احتراز کرنا چاہیے تاکہ ان کی شرکت کو ان اجتماعات کے جواز کے لیے بطور دلیل کے پیش نہ کیا جاسکے اور چوں کہ یہ کھانا صدقہ کا حکم رکھتا ہے، اس لیے صاحب نصاب کے لیے اس کا اپنے استعمال میں لانا اصل مقصد کو باطل کر دیتا ہے اور جو شخص کہ دوسروں کو منع کرے اور خود شریک ہو اور فاتحہ خوانی کرے وہ اتأمرون النـاس..... الخ کے ماتحت امر بالمعروف و نهی عن المنکر کے باوجود بے عملی کا مجرم ہے۔" ---[کفایت المفتی، جلد ۱، صفحہ ۲۱۷]

آپ نے مفتی کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ بصورت جواب ملاحظہ کیا۔ ذرا مفتی صاحب کے ان کلمات کو پھر پڑھیے "اور جو شخص کہ دوسروں کو منع کرے اور خود شریک ہو اور فاتحہ خوانی کرے وہ

الآمرون الناس...... الخ کے ماتحت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے باوجود بدعت کا مجرم ہے" ان الفاظ کو بار بار پڑھیے اور غور کیجیے کہ مفتی صاحب کے ہاں شریعت کا کیا تصور ہے کہ ایک چیز چند سطر پہلے جائز تھی لیکن یکا یک وہی چیز ناجائز ہوگئی تو عقل حیران ہے کہ آخر کون سی ایسی خاص علت اور وجہ آگئی ہے کہ جس سے یہ امور غیر شرعی قرار پائے اور ان میں شرکت کرنے والا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا مجرم قرار پائے، یہ بات فہم سے بالاتر ہے۔ اب ذرا ان ہی مفتی صاحب کا اسی سے متعلق ایک اور مختصر فتویٰ بھی ملاحظہ ہو، ارشاد ہوتا ہے:

"چہلم اور مروجہ دوددھ پر یا کھانے پر فاتحہ دلانا بے اصل، بدعت ہے" --- [ایضاً، صفحہ ۲۲۲]

اس ارشاد پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

مولانا مفتی ظفر احمد عثمانی کی چہلم سے متعلق رائے

آگے چلنے سے پہلے ذرا مفتی ظفر احمد صاحب کے متعلق یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ موصوف کو علماء دیوبند بالخصوص مولانا تھانوی اور ان کے حلقہ میں جو مقام و مرتبہ حاصل ہے، اس سے آگاہی ضروری ہے اور پھر ان کا مرتب کردہ "امداد الاحکام" کے نام سے مجموعہ فتاویٰ کی حیثیت کیا ہے، کا جاننا اشد ضروری ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے مفتی رفیع عثمانی صاحب نے جو ان کا تعارف لکھا ہے، اسی پر اکتفا کرتا ہوں:

"امداد الاحکام، یہ ان فتاویٰ کا نادر روزگار مجموعہ ہے جو حکیم الامت حضرت تھانوی کی خصوصی راہ نمائی میں اکثر تو آپ کے جلیل القدر بھانجے اور شاگرد رشید حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے تحریر فرمائے اور کچھ مولانا مفتی عبد الکریم صاحب گمتھلوی کے تحریر فرمودہ ہیں اور بعض فتاویٰ اس میں خود حضرت حکیم الامت نے بھی تحریر فرمائے ہیں۔

یہ مجموعہ تقریباً انیس سال (محرم ۱۳۴۰ھ سے شوال ۱۳۵۸ھ) کے فتاویٰ پر مشتمل ہے، جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بہت سے فتاویٰ پر حضرت حکیم الامت کے تصدیقی دستخط ہیں اور جن پر تصدیقی دستخط نہیں وہ بھی اکثر آپ کے زبانی مشورے سے لکھے گئے ہیں اور جن فتاویٰ میں مشورے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ان کی صحت پر بھی آپ کو تقریباً ایسا ہی اعتماد تھا جیسے اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ پر۔ یہ سب

تفصیل حکیم الامت حضرت تھانوی ہی نے ''امداد الاحکام'' کی تمہید میں بیان فرمائی ہے، جو کتاب کے آغاز میں آئے گی۔ اس تمہید کے یہ آخری جملے خاص طور پر قابل لحاظ ہیں کہ:

''برخوردار سلمہ (مولانا ظفر احمد صاحب) کے فتاویٰ پر مجھے تقریباً ایسا ہی اطمینان ہے جیسا خود اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ پر، اسی لیے اس کا نام ''امداد الاحکام ضمیمہ امداد الفتاویٰ'' تجویز کرتا ہوں'' --- [مقدمہ امداد الاحکام، جلد ۱، صفحہ ۹۵]

گویا کہ اب جو کچھ بھی امداد الاحکام میں سے لیا جائے گا اس کو مولانا تھانوی کا مصدقہ سمجھا جائے گا جیسا کہ محولہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے۔ اب تھانوی صاحب کے اسی مصدقہ و مؤیدہ فتاویٰ سے چہلم سے متعلق ایک فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ پہلے سوال پڑھیے:

ملک باگڑ میں جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو عام مسلمان اس میت کا ۲۰ یا ۳۰ یا ۳۵ دن کے بعد چہلم کرتے ہیں اور چہلم کی تاریخ برادری کے پنچوں کو جمع کر کے پہلے سے مقرر کر دی جاتی ہے اور اپنے رشتہ داروں اور خویش و اقرباء کو جو دور دور جگہوں میں رہتے ہیں، شریک چہلم ہونے کے لیے طلب کرتے ہیں........ کیا ایسے کھانے کا مردے کو کچھ ثواب پہنچتا ہے اور کیا ایسا کھانا کھلانے والوں کو کچھ ثواب ملتا ہے یا بقول بعض علمائے دین چہلم کا کھانا کھانے والے اور کھلانے والے دونوں فریق گنہگار ہیں اور میت کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ مع حوالہ النص جواب باصواب سے مطلع فرمایئے۔

الجواب رسوم مندرج سوال، بدعت ہیں۔ جو لوگ ایسی رسمیں کرتے ہیں وہ گنہگار ہوتے ہیں اور کھانے والا اگر مقتدا ہے یعنی ایسا ہے کہ اس کی شرکت سے ان رسوم کی تائید ہوتی ہے تو اس کو کھانا جائز نہیں اور جو شخص ایسا نہیں اور حاجت مند ہے اس کو کھانے کی گنجائش ہے، ہاں جو شخص محتاج اور فقیر نہ ہو اس کو کھانا مکروہ ہے........ اور اگر مال بھی حلال ہو اور نیت بھی خالص ہو لیکن کھلایا جائے ایام مقررہ میں تو قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھلانے کا ثواب ملے اور اس بدعت یعنی دن مقرر کرنے کا گناہ ہوگا'' --- [امداد الاحکام، جلد ۱، ص ۲۰۲، ۲۰۳]

موصوف نے اپنے تقریباً ایک صفحہ پر مشتمل اس فتویٰ میں صرف علامہ شامی کی ایک عبارت

نقل کی ہے۔ حوالہ بھی اس قدر مبہم لکھا گیا ہے کہ جلد اور باب وغیرہ کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ بہر کیف یہ کوئی مشکل کام نہیں، تھوڑا سا تامل کرنے سے عبارت تو مل ہی جائے گی لیکن سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفتی صاحب موصوف رسم کو بدعت، گناہ، مکروہ بھی قرار دے رہے ہیں اور اس پر کھلانے کا ثواب بھی بتا رہے ہیں۔ عقل سمجھنے سے عاری ہے کہ آخر اس کھانا کھلانے کے ثواب کی کون سی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ یہ عقدہ حل ہونے سے تو رہا، البتہ ایک بات ضرور سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ امداد الاحکام کے مرتب بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی مرض میں مبتلا ہیں کہ شریعت کو موم کی ناک سمجھو اور جدھر چاہو موڑ لو۔

سائل کے سوال کے آخر میں یہ تھا ''مع حوالہ النص جواب باصواب سے مطلع فرمایئے'' اس پر مفتی دیوبند براستہ تھانہ بھون کا جواب پڑھیے اور سر دھنیے، لکھتے ہیں:

> ''نوٹ سب سوالوں میں نص کا حوالہ طلب کیا ہے، اس مطالبہ کو جب پورا کیا جا سکتا ہے جب کہ نص کے معنی لکھے جاویں اور دلیل سے یہ ثابت کیا جاوے کہ ہر مسئلہ کے لیے نص ضرورت ہے'' ---[ایضاً، صفحہ ۲۰۶]

مفتی صاحب کے اس ارشاد پر بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ جب حوالہ یا نص کی ضرورت نہیں تو پھر

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

گویا نعوذ باللہ، شریعت اللہ و رسول کی تو نہ ہوئی بلکہ علمائے دیوبند کے گھر کی لونڈی ہوئی کہ فتویٰ کے نام پر جو جس کے جی میں آئے کہہ دے اور وہ شریعت قرار پائے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ

> ''تیسرے دن کا مجمع میت کے واسطے اولاً مشابہت ہنود کی ہے کہ ان کے یہاں تیجہ ضروری رسم جاری ہے، حرام ہوگا بسبب مشابہت کے قال علیہ السلام من تشبہ بقوم فھو منہ'' ---[فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۱۵۱]

یہ ہیں دیوبند کے قطب الاقطاب اور فقیہ النفس کہ ایک خاص اسلامی شعار کو کس طرح ایک خالص ہندوانہ رسم سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ اگر مولانا گنگوہی کے مقرر کردہ معیار فتویٰ اور طرز فتویٰ کو برقرار رکھا جائے تو کوئی کہنے والا مولانا صاحب سے یہ کہہ سکتا ہے کہ جناب والا! ہندوؤں کے ہاں اپنی مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لیے مندر بنانا بھی ایک رسم جاری ہے، تو پھر آپ تعمیر مسجد کو کس

ہندوانہ رسم کے ساتھ مشابہ قرار دے کر سب مسلمانوں کو تو نہ سہی کم از کم اپنے پیروکار دیوبندی حضرات کو تو مساجد بنانے سے منع کر دیں۔ علی ھذا القیاس باقی تمام امور حیات میں بھی یہ فتویٰ صادر فرمائیں۔ ہاں مولانا موصوف تو اپنا زمانہ گزار گئے، اب ان کے متبعین پر یہ لازم ہے کہ مولانا کی اس فکر کو عام کریں، تو پھر دیکھیں کیا منظر ہوتا ہے۔ اس پر ہم گنگوہی صاحب کے مذکورۃ الصدر فتویٰ پر بس یہی کہیں گے:

خدا جب دین لیتا ہے، حماقت آ ہی جاتی ہے

سوم، دسواں اور چہلم سے متعلق غیر مقلدین کی رائے

سوم و چہلم سے متعلق دیوبندی علماء کی نادر تحقیقات کے بعد اب غیر مقلدین کی شریعت طرازیاں بھی ملاحظہ ہوں:

سوال	کیا تیجے، ساتویں، دسویں، چالیسویں اور عرس یا میلہ کا کوئی ثبوت ہے، اگر کوئی ان سے انکار کرے تو بریلوی اسے برا کیوں کہتے ہیں؟

جواب	ثبوت اگر قرآن وحدیث سے پوچھو تو کوئی نہیں بلکہ فقہ کی کتابوں میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا، ہاں یار لوگوں نے کھانے پینے کا ڈھب بنا رکھا ہے اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی یہ رسمیں ایجاد کر لی ہیں۔ جیسا کہ منوسمرتی میں تیجے، ساتویں، چالیسویں کا ذکر مذکور ہے''۔۔۔[فتاویٰ علمائے اہل حدیث، جلد ۵، صفحہ ۲۵۰]

اہل حدیث سوہدرہ (جلد ۵، شمارہ ۲۷) کے اس فتویٰ سے معلومات ہوتا ہے کہ دیوبندی اور غیر مقلد کے فتویٰ کا ماخذ ایک ہی ہے، اس لیے دونوں کو ایک اسلامی رسم اور ہندوانہ رسم میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

ختم غوثیہ اور گیارھویں شریف

سلسلہ عالیہ قادریہ میں بالخصوص اور دیگر سلاسل تصوف میں بالعموم یہ طریقہ صدیوں سے رائج چلا آ رہا ہے کہ ہر ماہ چاند کی گیارہ تاریخ یا کسی بھی دن اپنے سلسلہ کے اکابر واصاغر مشائخ کی ارواح کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی، محفل ذکر وغیرہ کرتے ہیں، جن میں اکثر و بیشتر لنگر و تبرک کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے، گویا کہ مالی وبدنی ہر دو قسم کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کا ثواب شیخ

سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر فتوح کو پہنچایا جاتا ہے۔ یہ نذر، نیاز، تبرک یا محفل ذکر و نعت اور قرآن خوانی ان کے نام یا ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے نہیں ہوتی، بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا و تقرب کا حصول ہی ہے اور اس سے دوسری کوئی غرض نہیں، لیکن برا ہو تعصب کا، مخالفین و منکرین خواہ مخواہ ہی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے گئے اس عمل کو حرام و شرک ٹھہرانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ حالاں کہ علمائے اہل سنت اپنے فتاویٰ و کتب میں دلائل و براہین کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ ختم غوثیہ اور گیارہویں شریف کے نام سے جو محافل منعقد کی جاتی ہیں ان کا مقصد بجز ایصال ثواب کے اور کچھ نہیں ہے اور شرعاً یہ مستحبات سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ دیانت داری کا تو یہ تقاضا تھا کہ جو علما ایسی محافل کو مستحسن جانتے ہیں، ان کے اس قول کو تسلیم کرلیا جاتا اور لوگوں کو اس امر خیر سے روکنے کی مذموم کوششوں کو بند کر دیا جاتا مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا، باوجودیکہ مانعین کے پاس کوئی ایسی دلیل بھی نہیں جو ان امور کو غیر شرعی اور غیر مستحسن قرار دیتی ہو، بلکہ اس باب میں سچی بات تو یہ ہے کہ منکرین و مانعین کے پاس ہوائے نفس کی پیروی اور اپنے منہ کی باتوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، اس لیے انہوں نے ان امور سے متعلق فتویٰ دیتے ہوئے دلیل شرعی کی بجائے قول ذاتی پر اپنے موقف کی بنیاد رکھی ہے۔ اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ہم ذیل میں مخالفین کے چند مستند علما کے حوالہ جات نقل کرتے ہیں تا کہ حقیقت حال کھل کر سامنے آجائے اور قاری کو بات سمجھنے میں آسانی ہو۔

گیارھویں سے متعلق گنگوھی صاحب کا فتویٰ

سوال ایک شخص ہر مہینہ کی گیارہ تاریخ کو گیارہویں کرتا ہے، نذر اللہ اور کھانا پکا کر غرباء اور امراء سب کو کھلاتا ہے اور اپنے دل میں یہ سمجھتا ہے کہ جو چیز نذر لغیر اللہ ہو وہ حرام ہے اور میں جو گیارہویں کرتا ہوں یا توشہ کرتا ہوں کہ جو منسوب ہے بلفعل حضرت بڑے پیر صاحب اور شاہ عبدالحق صاحب کے، ہرگز ان حضرات کی نذر نہیں کرتا بلکہ محض نذر اللہ کرتا ہوں، صرف اس غرض سے کہ یہ حضرت کیا کرتے تھے۔ ان کے عمل کے موافق عمل کرنا موجب خیر و برکت ہے اور جو شخص ان حضرات کی یا اور کسی کی نذر کرے گا سوائے اللہ جل شانہ وہ حرام ہے، کبھی حلال نہیں۔ تو اب دریافت

امر یہ ہے کہ ایسے عقیدے والے کو گیارھویں یا توشہ کرنا جائز ہے یا نہیں اور موجب برکت بھی ہے یا نہیں اور اس کھانے کو مسلمان دین دار تناول فرمائیں یا نہیں؟

جواب ایصال ثواب کی نیت سے گیارھویں کو توشہ کرنا درست ہے مگر تعین یوم وتعیین طعام کی بدعت اس کے ساتھ ہوتی ہے اگرچہ فاعل اس تعیین کو ضروری نہیں جانتا مگر دیگر عوام کو موجب ضلالت کا ہوتا ہے لہٰذا تبدیل یوم وطعام کیا کرے تو پھر کوئی خدشہ نہیں" --- [فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۱۵۱]

عجیب بات ہے کہ اسلام دین حق اپنے ماننے والوں کو ہر کام میں وقت کی پابندی کا درس دے، لیکن مولوی صاحب کو تعیین وقت بالخصوص گیارھویں وعرس کے حوالے سے بدعت کے سوا کچھ نظر ہی نہ آئے۔ خواہ خود جتنی مرضی بدعات کا ارتکاب کرتے رہیں، ان پر کوئی فتویٰ نہیں............ وہ بدعات جو علمائے دیوبند اور غیر مقلدین کے ہاں مروج ہیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ ان کو ادا کیا جاتا ہے، ان میں سے ایک "ختم بخاری" کی بدعت ہے۔ معلوم نہیں کہ ان حضرات کو شریعت میں سے اس ختم کے لیے کون سی نص مل گئی ہے کہ جس سے یہ بدعت عین سنت کا مقام پا گئی ہے، ملاحظہ ہو جناب گنگوہی کا ایک فتویٰ:

سوال کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

جواب قرون ثلاثہ میں بخاری شریف تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کا اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔ فقط رشید احمد عفی عنہ" --- [ایضاً، صفحہ ۱۵۲]

اب ذرا دیوبند کے حکیم الامت کی بھی سنیے کہ گیارھویں شریف سے متعلق کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں:

"دن مقرر کرنے یا گیارھویں نام رکھنے سے عوام کو اس لیے روکا جاتا ہے کہ ان کے عقائد فاسد ہوتے ہیں اور خواص کو اس لیے روکا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے عوام کے عقائد فاسد ہو جاتے ہیں، ورنہ مباحات اصلیہ کو غیر مباح کون کہہ سکتا ہے۔ بس

ایصال ثواب اگر اس طور سے کرے جس میں فساد عقیدہ کا احتمال نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔
اس کا طریقہ یہ ہے کہ نہ دن اور تاریخ کی تخصیص کرے، نہ کسی خاص چیز کی اور اغنیاء
اور گھر والوں کو نہ دے اور اعلان کر کے نہ دے اور کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر کچھ نہ
پڑھے اور یہ عقیدہ نہ کرے کہ حضرت ہماری مدد فرماویں گے اور یہ نیت نہ رکھے کہ اس
عمل کی برکت سے ہمارے مال اور اولاد میں برکت و ترقی ہوگی۔ محض یوں سمجھے کہ
انہوں نے ہم پر دین کا احسان کیا ہے کہ سیدھا راستہ کتابوں میں بتلا گئے، ہم ان کو نفع
پہنچاتے ہیں کہ ثواب سے ان کے درجات بلند ہوں گے۔ بس اس طرح کرنے میں
کوئی حرج نہیں"---[امداد الفتاویٰ، جلد ۵، صفحہ ۳۰]

کیوں جناب! مولانا تھانوی کا مذکورہ فتویٰ بار بار پڑھیے اور پھر سر دھنیے اور داد دیجیے ایسے مفتی
کو جو بیک حرکت قلم ایک چیز کو مفسد عقائد بھی قرار دیتا ہے اور پھر اسی چیز کو مباح اصلیہ بھی کہتا ہے
اور پھر قائلین وفاعلین ایسی ایسی شرائط مخترعہ سے اس امر مباح کے کرنے کا حکم بھی لگاتا ہے تو یوں
کہ اعمال صالحہ کی اس کے کرنے والے کے قلب ونظر میں کوئی وقعت باقی نہ رہے۔ تکلف برطرف
علم و دانش اس کو فتویٰ نہیں بلکہ ہوائے نفس قرار دیتی ہے۔ اگر یہ شریعت اسلامیہ کی کسی نص سے
مستفاد ہوتا تو پھر اس میں کوئی تردد نظر نہ آتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی
شریعت میں کوئی تردد نہیں پایا جاتا۔

مفتی کفایت اللہ دہلوی کی رائے

گیارہویں شریف اور عرس وغیرہ سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مفتی
کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

"ایصال ثواب جائز و مستحسن ہے، اس کو کوئی ناجائز اور بدعت نہیں کہتا، لیکن
ایصال ثواب کے لیے شریعت مقدسہ نے تعیین تاریخ و یوم اور تخصیص اشیاء نہیں کی ہے
اس لیے مانعین کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو خدا تعالیٰ اور رسول ﷺ اور صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم نے معین و مخصوص نہیں کیا، اسے ہم بھی معین و مخصوص نہ کریں۔ گیارہویں،
بارہویں، سوم، دہم، چہلم وغیرہ لوگوں نے مقرر کر لیے ہیں، ورنہ حضور انور ﷺ اور

صحابہ کرام ﷺ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ان ایام کی تعیین و تخصیص منقول اور مروی نہیں۔ نہ ان بابرکت زمانوں میں یہ نام تھے اور نہ ان زمانوں میں ایصال ثواب کا کوئی اہتمام کیا جاتا تھا...... پس جو شخص کہ ایام کی تخصیص کو شرعی تخصیص نہ سمجھے اور ایام معینہ میں ہی ادا کرے تو اگرچہ اس نے اعتقادی طور پر التزام و تعیین نہیں کی مگر اس کے عمل سے ان بے علم لوگوں کو جو اس تخصیص و تعیین کو شرعی حکم اور لازمی و ضروری سمجھتے ہیں التباس پیش آئے گا اور وہ جواز کی حجت پکڑیں گے، اس لیے اس کے حق میں بھی بہتر یہی ہے کہ ان ایام معینہ عرفیہ کو چھوڑ کر اور جس دن چاہے کرے...... بہر حال نفس ایصال ثواب بدعت نہیں ہے۔ بدعت ان قیود و تعینات و تخصیصات کو کہا جاتا ہے جو غیر شرعی ہیں"---[کفایت المفتی، جلد ۱، صفحہ ۲۱۶-۲۱۵]

مفتی رشید احمد لدھیانوی کی رائے

گیارہویں کے بارے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اگر قسم کا کھانا پکانے والا غیر اللہ کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتا ہے تو اس کا یہ فعل شرک ہے اور یہ کھانا حرام ہے اس کا قبول کرنا کسی صورت بھی جائز نہیں اور اگر نفع و نقصان کا مالک نہیں سمجھتا تو کھانا حرام نہیں مگر یہ فعل بدعت ہے، ایسا کھانا لینے سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی جائے تاکہ بدعت کی اشاعت اور تائید کا گناہ نہ ہو"---[احسن الفتاویٰ، جلد ۱، صفحہ ۳۸۲]

مولانا محمد اسماعیل غیر مقلد کی رائے

سوال: کیا تیجے، ساتویں، دسویں، چالیسویں اور عرس یا میلہ کا کوئی ثبوت ہے اگر کوئی ان سے انکار کرے تو بریلوی اسے برا کیوں کہتے ہیں؟

جواب: ثبوت اگر قرآن و حدیث سے پوچھو تو کوئی نہیں بلکہ فقہ کی کتابوں میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ ہاں یار لوگوں نے کھانے پینے کا ڈھب بنا رکھا ہے اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی یہ رسمیں ایجاد کر لی ہیں۔ جیسا کہ منو سمرتی میں تیجے، ساتویں، چالیسویں کا ذکر مذکور ہے"---[فتاویٰ علمائے اہل حدیث، جلد ۵، صفحہ ۳۵۰]

عرس اور ایصال ثواب سے متعلق فقیہ اعظم کی رائے

ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ عرس، ایصال ثواب اور اس قسم کے دیگر سوالات
جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سنن ابن ماجہ، صفحہ ۲۴۹ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے حدیث اول بایں لفظ ہے:

الحلال ما احل اللّٰہ فی کتابہ و الحرام ما حرم اللّٰہ فی کتابہ و ما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ و روی نحوہ الترمذی عنہ مرفوعا ایضًا---

''حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے کہ حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی اختیار کی وہ معاف ہے''---(اعظمی)

۲ مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۳۶۲ میں ابوداؤد سے بروایت ابن عباس ہے:

قال کان اھل الجاھلیۃ یاکلون اشیاء و یترکون اشیاء تقذرا فبعث اللّٰہ نبیہ و انزل کتابہ و احل حلالہ و حرم حرامہ فما احل فھو حلال و ما حرم فھو حرام و ما سکت عنہ فھو عفو---

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، دور جاہلیت میں لوگ کچھ چیزوں کو کھاتے اور کچھ کو حقارۃً چھوڑ دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتاب نازل فرمائی (جس میں) حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیا اور جس سے خاموشی اختیار کی وہ معاف ہے''---(اعظمی)

ان تمام احادیث اور عبارات تفسیر کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو قرآن کریم میں حلال فرمایا ہے وہ حلال ہے اور جسے حرام فرمایا ہے وہ حرام ہے اور جن چیزوں کا بیان نہ فرمایا وہ معاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر فرمائے، ان کو ضائع نہ کرو اور کئی چیزوں کو حرام کیا ہے تو ان کے قریب نہ جاؤ اور حدود مقرر فرمائے ہیں تو ان سے تجاوز نہ کرو اور کئی چیزوں کے بیان کو ترک کیا ہے تو ان سے بحث نہ کرو یعنی اس لیے کہ وہ معاف ہیں ان کا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ بدلالۃ ھذہ الاحادیث و ما فی معناھا خبیر اور حضرت نبی اکرم ﷺ کا بیان بیان الٰہی ہے اور تفسیر

قرآن کریم ہے...........تو بیّن طور پر ثابت ہوا کہ جس چیز کا عدم جواز شرع مطہر سے ثابت نہیں وہ ممنوع نہیں ہے جائز ہے اور کوئی یہ وہم نہ کرے کہ وہاں فلاں حادثہ، فلاں صورت، زمانہ نزول قرآن میں نہ تھی لہٰذا اس کا حکم بیان نہ فرمایا کہ "بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے" واقعات وحوادث آئندہ تمام کے تمام اسے معلوم ہیں اور سہو وبھول کو اس کی بارگاہ اقدس تک ہرگز ہرگز رسائی ونسبت نہیں ہو سکتی، تو جس چیز سے منع نہیں فرمایا اسے جائز ومباح قرار دیا........... ہاں ایک اور چیز بھی مانعین کو دھوکہ دے رہی ہے، یعنی عدم جواز تعیین کہ وہ کہتے ہیں کہ معین کر کے مستحب کام کا کرنا جائز نہیں ممنوع ہے اور عرس معین کر کے کیا جاتا ہے (اسی طرح گیارہویں اور سوم وغیرہ (اعظمی) لہٰذا منع ہے۔ مگر ان کا یہ قاعدہ وعدم جواز تعیین محض کھوکھلا ہے اور بے بنیاد ہے، جن اشیاء کی مشروعیت مطلقاً شرع مطہر سے ثابت ہے وہاں تعیین مضرت رساں نہیں ہوگی کہ مطلق معین وغیر معین دونوں کو شامل ہے۔ تو دونوں صورتوں میں مشروعیت ثابت ہوگی ورنہ لازم آئے گا کہ وہ مطلق، مطلق نہ رہے بلکہ مقید بعدم التعیین بن جائے اور یہ جائز نہیں کہ مطلق کو اپنی طرف سے مقید کیا جائے۔ اتقان، جلد ۲، صفحہ ۳۱ میں ہے: یبقی مطلق علی اطلاقه --- افسوس کہ معبود حقیقی جو اپنے فضل وکرم سے ثواب دینے والا ہے وہ تو مطلق کام پر وعدہ ثواب کرے اور یہ لوگ اپنی طرف سے حاشیہ آرائی کریں کہ ثواب تب ہوگا اگر مقرر نہ کرے اور مقرر کر کے کرنے میں ثواب نہیں بلکہ الٹا گناہ وعذاب ہے۔ ان هٰذا الا اختلاق ....

یہاں تک مدعیٰ تو ثابت ہو چکا مگر ہم قرآن وحدیث سے بالخصوص جواز تعیین کا ثبوت بھی دکھاتے ہیں کہ مخالفین کی سسکی بھی بند ہو جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خاص بندوں کی تعریف میں فرماتا ہے:

".........یعنی وہ لوگ جن کے مالوں میں حق معلوم ہے"----

تفسیر کبیر، جلد ۸، صفحہ ۲۱۲ تفسیر خازن، جلد ۷، صفحہ ۱۲۶ میں ہے:

و النظم من الخازن و قیل هی صدقة التطوع و ذلک بان یوظف الرجل علی نفسه شیئا من الصدقة یخرجه علی سبیل الندب فی اوقات معلومة----

''ایک قول یہ ہے کہ ''حق معلوم'' سے مراد صدقہ نفلی ہے اور بایں طور کہ مقرر کرے بندہ اپنے اوپر صدقہ جو استحبابی طور پر کرے مقررہ وقتوں میں''۔۔۔

صحیح بخاری، جلد ا، صفحہ ۱۲۸ میں حضرت سہل ﷺ سے مروی ہے:

''ایک صحابیہ ہر جمعہ کے روز صحابہ کرام کو بعد از نماز جمعہ مختصری دعوت کھلاتی تھیں کہ چقندر کو ہانڈی میں ڈالتیں اور مٹھی بھر جو کا آٹا اوپر سے ڈالتی تو یہ ہمیں کھلایا کرتی تھی اور ہم اس طعام کے لیے روز جمعہ کی آرزو کیا کرتے تھے''۔۔۔

یہ حدیث صحیح بخاری کے صفحہ ۳۱۶، جلد ا اور صفحہ ۸۱۳، جلد ۲ میں بھی ہے اور ان دونوں جگہوں میں ''زرناھا'' زیادہ ہے، تو اس حدیث نفیس سے دعوت پہ تعیین الیوم اور تعیین قسم طعام اور تعیین زیارت وسلام بھی ثابت ہے۔ صحابیہ دعوت کرنے والی تھی اور صحابہ کرام ﷺ کھانے والے تھے اور ان کو شبہ عدم جواز کا وہم بھی نہ ہوا.........

دلیل عام اول کی طرح ایک اور دلیل بھی سنیے کہ صدہا مسائل کا فیصلہ بوجہ واضح ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ عبادات مستحبہ کو اوقات معینہ میں بالتعیین کرنا مطلقاً جائز و مستحب مستقل ہے''۔۔۔[ملخصاً، فتاویٰ نوریہ، جلد ا، صفحہ ۲۲۸ تا ۲۳۶]

❁❁❁❁❁

باب-٦

رجال نوریہ

منصب افتاء پر متمکن کسی بھی شخصیت کا مقام ومرتبہ جاننے کے لیے یوں تو متعدد پہلو ہو سکتے ہیں لیکن ایک اہم اور نمایاں پہلو یہ ہوتا ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس سے کس سطح کے لوگ فتویٰ اور استفتاء کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ فقط عام لوگ ہی ہیں یا اس سے استفادہ کرنے والوں میں اصحاب فضل وکمال بھی شامل ہیں۔ اگر فلک علم وحکمت کے نیر تاباں بھی علمی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے اس کی طرف رجوع کریں تو یہ پہلو اس ہستی کی ثقاہت علمی، فہم دین اور مرجع عالم ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ ہمارے ممدوح ومخدوم حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے عظیم علمی وتحقیقی شاہکار ''فتاویٰ نوریہ'' کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ امور دین میں آپ کی طرف رجوع کرنے اور استفتاء کرنے والوں میں علمائے دین کی تعداد دو تہائی سے بھی زیادہ ہے۔ صرف یہی نہیں مستفتی علماء کی اس صف میں وہ بلند قامت اور علوم وحکمت کی ہمالیہ ایسی ہستیاں بھی نظر آتی ہیں کہ علم وتحقیق بھی ان پر ناز کرتے ہیں۔ اختصار اگر دامن گیر نہ ہوتا تو ہم علماء کرام

کے اسمائے گرامی ہی لکھ دیتے تو اس پر بھی کئی صفحات درکار ہوتے، لیکن خوف طوالت سے
آئندہ صفحات میں چند انتہائی نمایاں علماء و مشائخ کا تذکرہ ان کے علمی و روحانی مقام و مرتبے
سے کیا جاتا ہے تاکہ صاحب فتاویٰ نوریہ کی جلالت علمی، فقہی مقام اور علو مرتبت کا تعین کیا جا سکے۔

1 شیخ القرآن حضرت مولانا عبد الغفور ہزاروی

شیخ القرآن، مجاہد تحریک پاکستان، مجاہد تحریک ختم نبوت، قائداعظم کے رفیق خاص، حضرت شیخ
مولانا عبد الغفور ہزاروی (۱۹۱۰ء/۱۹۷۰ء) ضلع ہزارہ تحصیل ہری پور کے گاؤں چھپ میں
ہوئے، ابتدائی تعلیم سے موقوف علیہ تک اپنے والد گرامی اور دیگر اہل علم سے پڑھنے کے بعد
آپ کو دہلی لے گیا، لیکن جب جذب و شوق کی تسکین نہ ہوئی تو پھر دہلی سے بریلی کا سفر اختیار کیا
کے مرکز دائرۃ العلوم، منظر الاسلام بریلی پہنچے اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان
امام اہل سنت اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے صحاح ستہ
درساً پڑھیں۔ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد بریلی میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا
سال تک درس و تدریس کے بعد پنجاب واپس آ کر مختلف مراکز علمی میں بطور مدرس علمی
لٹاتے رہے۔ وزیر آباد میں جامعہ نظامیہ قائم کیا۔ [تذکرہ اکابر اہل سنت، صفحہ ۲۴۹]

حضرت شیخ القرآن نے اپنے استاد محترم مولانا احمد دین مرحوم کے ساتھ غوث زماں، فاتح مرزائیت
حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے دست حق پرست پر بیعت کی، شیخ کامل کی اپنے اس مرید
پر نوازشات کا عالم یہ تھا کہ حضرت کی حیات ظاہری اور بعدہٗ ہمیشہ عرس پر فقط آپ ہی کا
روحانی خطاب ہوتا تھا۔ خطابت کا عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے احراری مولوی آپ کا نام سن کر
بھاگ جاتے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں نے ایک مرتبہ حضرت ہزاروی اور عطاء اللہ شاہ بخاری کی
خطابت کا موازنہ کرتے ہوئے حضرت ہزاروی کو خراج عقیدت یوں پیش کیا:

میں آج سے مرید ہوں عبد الغفور کا
چشمہ ابل رہا ہے محمد کے نور کا
بند اس کے سامنے ہے بخاری کا ناطقہ
کیا اس سے ہو مقابلہ اس بے شعور کا

[تذکرہ علمائے اہل سنت، صفحہ ۳۶۲]

حضرت شیخ القرآن نے بیان وخطاب کی ان خداداد صلاحیتوں کو قیام پاکستان کی جدوجہد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ پنجاب کا شاید ہی کوئی ایسا خطہ ہوگا کہ جہاں آپ نے جوہر خطابت نہ دکھائے ہوں، قائداعظم اور دیگر قائدین تحریک پاکستان آپ کی سیاسی سرگرمیوں کے معترف تھے۔ تحریک پاکستان میں شبانہ روز سیاسی سرگرمیوں کے باوجود آپ نے باقاعدگی کے ساتھ دورۂ قرآن جاری رکھا جس میں ملک بھر سے تشنگان علم اور طالبان فیوض قرآنی جوق در جوق حاضر ہوتے اور آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے اپنے قلوب کو انوار قرآن اور دامن کو جواہر قرآنی سے بھرتے۔ آپ نے بھرپور اور معروف زندگی گزارتے ہوئے علمی، فکری، سیاسی، سماجی، فلاحی، دینی و ملی خدمات سرانجام دیں۔ جمعیت علمائے پاکستان کے صدر رہے، زنداں کو زینت بخشی اور محراب و منبر کو اپنی شعلہ نوا خطابت سے آباد کیا۔ آپ کو اپنے علم پر اس قدر ناز تھا کہ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے:

''اس وقت مجھ سے بڑھ کر کوئی عالم قرآن نہیں ہے''---

لیکن کمال عظمت ہے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کا کہ حضرت شیخ القرآن بھی راہ نمائی کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ چنانچہ جلد اول، صفحہ ۳۱۱ پر آپ کا ایک استفتاء جو بدعقیدہ لوگوں کے جلسوں میں شرکت اور امر بالمعروف میں ان سے مل کر کام کرنے سے متعلق پوچھا گیا تھا، موجود ہے۔ حضرت شیخ القرآن کے سوال بدعقیدہ لوگوں کے جلسہ میں شرکت کرنے سے متعلق آپ نے اپنے محققانہ جواب میں ارشاد فرمایا:

1 اجلاس اہالی ابتداع وارتداد میں بحالت اختیار دیدہ و دانستہ شریک ہونا روا و حرام محض ہے۔

2 صور کثیرہ میں بحکم دلائل مشار الیہا اختلاط حرام ہے اور بکثرت ایسی صورتیں بھی ہیں کہ تنفر قلبی کے ساتھ اختلاط صوری کی متحمل ہو سکتی ہیں مثلاً دور حاضر میں سفر و ادائے افعال حج میں اکثر اختلاط ہو جاتا ہے۔ ملکی فوج میں بھی شمولیت ممنوع نہیں، جہاد کشمیر وغیرہ بھی جائز ہے''--- [فتاویٰ نوریہ، جلد ا صفحہ ۳۱۱-۳۱۲]

اس کے علاوہ بھی حضرت شیخ القرآن، صاحب فتاویٰ نوریہ سے عندالملاقات مختلف موضوعات پر استفادہ اکتساب فرماتے اور آپ کی رائے کا نہ صرف احترام کرتے بلکہ اس پر عمل بھی کرتے تھے۔

2 شیخ الحدیث مولانا غلام رسول، فیصل آباد

شیخ الحدیث حضرت مولانا غلام رسول (متولد ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء) حجۃ الاسلام حضرت حامد رضا خاں ابن اعلیٰ حضرت رحمہا اللہ تعالیٰ کے مرید باصفا، شیخ الحدیث مولانا سردار احمد صاحب فیصل آبادی کے داماد و تلمیذ خاص اور جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور کے بانی ہیں۔ مولانا موصوف کا شمار پاکستان اور بیرون پاکستان اہل سنت کے جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے۔ حضرت بلند پایہ محقق، نامور مبلغ، کہنہ مشق مدرس، ماہر اصولی ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ تعلیم و تعلم اور درس و تدریس میں صرف کیا ہے۔ اب تک بلا شک وشبہ سیکڑوں افراد آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے مسند تدریس پر جلوہ افروز ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث غلام رسول رضوی سے اخذ و اکتساب کرنے والے چند نامور علماء کے اسماء گرامی ملاحظہ ہوں:

۱	مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی	۲	مولانا مفتی محمد امین فیصل آبادی
۳	مولانا معین الدین شافعی	۴	مولانا سید مزمل حسین شاہ
۵	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	۶	مولانا گل احمد عتیقی

آسمان علم و حکمت کے ان جگمگاتے ستاروں کو منور کرنے کے علاوہ ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی وہ قلمی خدمات ہیں جو آپ نے کثرت مشاغل کے ہجوم میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود سرانجام دی ہیں۔ آپ کی ان نادر روزگار تصانیف میں سے چند اہم کتب درج ذیل ہیں:

۱ تفہیم البخاری شرح صحیح البخاری (۱۱ مجلدات، ہر جلد کم و بیش سات سو صفحات پر مشتمل ہے)

۲	حاشیہ مسلم الثبوت (مطبوعہ)	۳	حاشیہ سلم العلوم (غیر مطبوعہ)
۴	حاشیہ کنز الدقائق (غیر مطبوعہ)	۵	ترجمہ جواہر البحار
۶	جامع کرامات الاولیاء		

[تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور، صفحہ ۳۳۹، علامہ اقبال احمد فاروقی/
تعارف علمائے اہل سنت، مولانا محمد صدیق ہزاروی، صفحہ ۲۳۵]

ایسا جلیل القدر اور ثقہ و مستند عالم بھی غیر مدخول بہا کی طلاق کے بارے میں جب ایک مسئلہ مختلف فیہ ہو جاتا ہے تو صاحب فتاویٰ نوریہ کے تفقہ فی الدین کا علمی اعتراف و اقرار کرتے ہوئے

استفتاء کرتے ہیں۔ چناں چہ آپ کا ۲۸ رشوال المکرم ۱۳۷۷ھ کا محررہ استفتاء اور اس کا جواب فتاویٰ نوریہ، جلد سوم، صفحہ ۱۵۹-۱۶۰، مطبوعہ ۱۹۹۹ء پر موجود ہے۔ آپ نے اپنے سوال میں طلاق مکرہ اور غیر مدخول بہا کے حق میں ایسی طلاق کے حکم سے متعلق استفتاء کیا تھا۔ حضرت فقیہ اعظم نے مذکورہ سوال کا بغور جائزہ لینے کے بعد اپنے جواب میں یوں لکھا:

''اگر صورت سوال صحیح ہے اور واقعی زید انکار طلاق کرتا رہا اور جبراً انگوٹھا لگوایا گیا تو طلاق واقع نہیں ہوئی''۔۔۔ [فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۱۶۰]

3 مولانا سید غلام معین الدین نعیمی

نازش علم و حکمت حضرت سید مفتی غلام معین الدین نعیمی (۱۹۲۳ء/ ۱۹۷۱ء) اہل سنت و جماعت کے نام ور عالم دین، صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کے معتمد علیہ تلمیذ رشید اور بالغ نظر سیاست دان تھے۔ آپ نے اپنے استاذ گرامی حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی قیادت و سرپرستی میں مختلف قومی و ملی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، بالخصوص قیام پاکستان کی تحریک میں ملک بھر کے چپے چپے کا دورہ کیا اور اپنی حسن خطابت سے عام لوگوں کو دو قومی نظریہ سے روشناس کیا اور انہیں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

حضرت مولانا سید غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمہ کے علمی مقام و رتبہ کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے تفسیر خزائن العرفان کا نقش ثانی منظر عام پر لانے کا ارادہ فرمایا تو اس کی تصحیح و نظر ثانی کی اہم و نازک ذمہ داری حضرت مولانا سید غلام معین الدین کے ہی سپرد کی تھی۔ [اکابر تحریک پاکستان، جلد ۱، صفحہ ۱۹۷]

مولانا موصوف کی سیاسی بصیرت و دانش جاننے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب علماء و مشائخ اہل سنت نے منظم طریقے سے اپنا سیاسی کردار ادا کرنے کے لیے جمعیت علماء پاکستان قائم کی تو اس وقت جمعیت کے صدر مفسر قرآن علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری علیہ الرحمہ نے آپ کی دانش نورانی اور سیاسی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو مرکزی جمعیت علماء پاکستان کا نائب ناظم مقرر کیا۔ [تذکرہ اکابر اہل سنت، عبدالحکیم شرف قادری، صفحہ ۳۲۶]

منصب نظامت پر فائز ہونے کے بعد آپ نے سواد اعظم اہل سنت کو ایک مرکز اور ایک پرچم تلے جمع کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور جمعیت کو ایک فعال سیاسی جماعت کے

طور پر پورے ملک میں متعارف کرایا۔ چنانچہ ایوبی آمریت کے دور میں جب عائلی قوانین بنائے گئے تو اس پر پورے ملک میں تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے زبردست احتجاج کیا اور حکومت سے خلاف شرع شقیں خارج کرنے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں جمعیت علماء پاکستان نے حکومتی بل کی روشنی میں پانچ سوالات جن کے ذیل میں متعدد شقیں تھیں، پر مشتمل ایک مفصل سوال نامہ تیار کر کے بغرض فتویٰ ملک بھر کے چند اہل اور نامور فقہاء کی خدمت میں ارسال کیا تاکہ علماء کے فتویٰ کی صورت میں حکومتی بل سے متعلق ردعمل ظاہر کیا جائے۔ جمعیت کی طرف سے یہ سوال نامہ حضرت مولانا سید غلام معین الدین نعیمی نے ہی تیار کیا۔ سوال نامہ کی ایک کاپی ہمارے ممدوح حضرت مولانا مفتی محمد نور اللہ نعیمی کی خدمت میں بھی پیش کی گئی، چنانچہ حضرت فقیہ اعظم نے مذکورہ سوالات کے انتہائی تحقیقی ... مع حوالہ جات کئی صفحات پر مشتمل مفصل فتویٰ لکھا۔ پھر اس کی ایک کاپی ... جناب ... اور ایک کاپی جمعیت علماء پاکستان کے دفتر بھیج دی۔

حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی کا استفتاء مع جوابات، فتاویٰ نوریہ کی جلد نمبر ۲، اشاعت سوم کے صفحہ ۲۲۱ سے ۲۳۹ تک پھیلا ہوا ہے۔ عائلی قوانین کے بارے میں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کا یہ فتویٰ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

4 پیر سید اختر حسین علی پوری

پاکستان کا کون سا ایسا سیاسی و مذہبی شعور رکھنے والا فرد ہوگا جو حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری کو نہیں جانتا ہوگا، قیام پاکستان کے لیے ان کی مساعی آب زر سے لکھی جائیں گی۔ علی پور کے اس سادات خاندان نے ہمیشہ قومی و ملی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت پیر سید اختر حسین علی پوری اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے، موصوف محض ایک گدی نشین ہی نہ تھے بلکہ اپنے وقت کے جید اور مستند عالم بھی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے معاصر کئی بڑے بڑے علماء نے ان سے بیعت طریقت کی اور اخذ سلسلہ کیا۔ صاحب فتاویٰ نوریہ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کے بحر فقاہت سے استفادہ کرنے والے سینکڑوں علماء کی صف میں ہمیں حضرت پیر سید اختر حسین علی پوری بھی کھڑے نظر آتے ہیں۔ فتاویٰ نوریہ، جلد دوم میں روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانے سے متعلق ایک استفتاء آپ کا مرسلہ ہے، جس میں موصوف نے صاحب فتاویٰ کے اس مسئلہ

سے متعلق جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے بعض ایرادات کیے ہیں، جن کے مطالعہ سے آپ کے علمی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت پیر صاحب نے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کے رسالہ میں صرف اکل وشرب اور جماع کے مفسد صوم ہونے اور جوف سے مراد معدہ لکھنے پر بعض اشکالات کا اظہار کیا تھا، چنانچہ پیر صاحب کے مرسلہ استفتاء کے جواب میں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے انتہائی ادب واحترام کے ساتھ جوابات ارقام فرمانے کے بعد لکھا:

"میرا طریقہ بھی رسالہ بازی نہیں اور نہ ہی کسی سے پسند ہے۔ پھر آپ تو ماشاء اللہ سادات کرام سے ہیں، آپ سے تو اتنا لکھتے ہوئے بھی خوف طاری ہوتا ہے۔ امید ہے کہ ان چند معروضات کو اپنے اخلاق عظیمہ کی بنا پر نیک محمل پر ہی محمول فرمائیں گے"۔۔۔[فتاوی نوریہ، جلد۲، صفحہ ۲۳۸-۲۳۹]

5 حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ

اپنے دور کے شہرۂ آفاق خطیب، شعلہ بیان مقرر، نڈر لیڈر، زیب سجادہ آستانہ عالیہ آلو مہار شریف، حضرت صاحب زادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب سے بھلا پاکستان کا مذہبی وسیاسی پس منظر سے آگاہی رکھنے والا کون سا شخص واقف نہیں ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب نے خانقاہ سے نکل کر اس وقت کوچۂ سیاست میں قدم رکھا جب برطانوی حکومت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ انہوں نے پورے جوش وجذبہ سے برطانوی مظالم کے خلاف آواز اٹھائی، بالخصوص برطانیہ کے خود کاشتہ پودے مرزا غلام قادیانی (م ۱۹۰۸ء) اور اس کی خانہ ساز نبوت، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مرزائیت کی ریشہ دوانیوں کے دجل وفریب کے پردہ کو چاک کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس راہ میں حضرت شاہ صاحب کو قید وبند کی صعوبتیں بھی اٹھانا پڑیں لیکن انہیں شاہ صاحب نے ہر مرحلہ پر انتہائی ثابت قدمی سے برداشت کیا۔ اللہ تعالی نے حضرت شاہ صاحب کو حسن ظاہری، حسن خطابت اور حسن باطنی سے خوب نوازا رکھا تھا۔ مولانا غلام مہر علی چشتی گولڑوی آپ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

ما رأیت علی ظهر الارض فی هذا العصر عدیله فی البیان المعجب و الخطاب المدهش قد رزقه الله صورة وجاهة کانه بدر یتلالأ من السماء الحسینی و حسنا و جمالا کانه شمس یضئ من

الفلک العلوی و خطابته و فصاحته و غزارہ و بلاغته و سجعا کانه وابل یمطر من سحب انوار المحمدیة---[الیواقیت المہریہ صفحہ ۱۲۸]

حضرت شاہ صاحب ایک پیر اور صاحب سجادہ ہونے کے باوجود ہمیشہ قومی وملی تحریکوں میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۴۰ء میں جب یہودیوں نے فلسطین پر قبضہ کیا تو آپ ہندوستان میں اس کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے، حکومت برطانیہ نے آپ کو گرفتار کر کے پابند سلاسل کر دیا۔ [تذکرہ علمائے اہل سنت وجماعت لاہور، صفحہ ۳۵۸]

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت شاہ صاحب آلو مہار، قومی وفلاحی کاموں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، چنانچہ اسی سلسلہ میں ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں زخمی ہونے والے مجاہدین کو عطیہ خون دینے سے متعلق ایک استفتاء آپ نے مولانا علی محمد نوری خطیب جامع مسجد غلہ منڈی وہاڑی کی معرفت حضرت مفتی ابوالخیر نعیمی کی خدمت میں بغرض فتویٰ بھیجا تو اس پر مفتی صاحب موصوف نے انتقال خون سے متعلق ایک انتہائی تحقیقی اور مفصل فتویٰ تحریر کیا۔ دلائل شرعیہ ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''جب سرکار ﷺ کا خون مبارک بطور تبرک نوش کرنا جائز ہوا اور بے ادبی نہ بنا حالانکہ ان کی عزت سے بڑھ کر کسی کی عزت نہیں تو مومن کی جان بچانے کے لیے عام انسان کا خون استعمال کرنا کیوں کر بے ادبی بن سکتا ہے۔ بلکہ اس میں انسانیت کی عزت ہے کہ غازی کی زندگی کی حفاظت ہے''---

حضرت مفتی صاحب نے دلائل شرعیہ کی روشنی میں تحقیقی فتویٰ تو لکھا لیکن حزم واحتیاط کا عالم یہ تھا کہ آخر میں بطور تنبیہ یہ بھی لکھ دیا:

''یہ فتویٰ بطور رائے ہے اور کوئی حتمی فیصلہ یا قطعی فتویٰ نہیں''---

[فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۵۶۷-۸]

6 حضرت علامہ پیر کرم شاہ الازہری

حضرت علامہ پیر کرم شاہ ازہری مدظلہ العالی بن سلطان العارفین پیر محمد شاہ غازی ابن حضرت امیر السالکین پیر امیر شاہ، ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ، بمطابق یکم جولائی ۱۹۱۸ء، بروز سوموار بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔

آپ کا سلسلہ نسب شیخ الاسلام بہاؤ الحق والدین ابو محمد زکریا سے ہوتا ہوا صحابی رسول حضرت ہبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

پیر صاحب نے ابتدائی کتب مولانا محمد قاسم بالاکوٹی سے پڑھیں۔ علامہ مولانا محمد دین بدھوی سے کتب متوسطہ کا علم حاصل کی۔ انتہائی کتب فنون علامہ غلام محمود سے پڑھیں۔ دورہ حدیث کے لیے صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور زانوئے تلمذ تہ کیے۔

آپ نے ۱۹۴۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔ ۱۹۴۵ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے بی اے کا امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔

آپ ۱۹۵۱ء میں جامعہ ازہر میں تشریف لے گئے، وہاں تین سال قیام کے دوران اعلیٰ تعلیم امتیازی نمبروں سے حاصل کی اور جامعہ بھر میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ آپ نے جامعہ کی اعلیٰ سندات "الشہادۃ العالیہ" "تخصص القضاء" حاصل کیں۔

آپ نے جامعہ ازہر سے فراغت کے بعد وطن واپس لوٹ کر جامعہ محمدیہ غوثیہ میں تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا جو آپ کی وفات تک جاری رہا۔

علاوہ ازیں آپ نے ماہ نامہ "ضیائے حرم" کا اجرا فرمایا، جو علمی، تحقیقی اور روحانی تحریروں کی وجہ سے مقبولیت عامہ حاصل کر چکا ہے۔ سال میں جاری ہونے والے "خاص نمبر" علمی تشنگی کی سیرابی کے لیے ممد و معاون ثابت ہو رہے ہیں۔

جنرل ضیاء الحق کے دور میں آپ کو وفاقی شرعی عدالت کا چیف جسٹس مقرر کیا گیا۔ آپ نے وفاقی شرعی عدالت میں اپنے منصب کی عزت کو بحال کیا اور انصاف وعدل کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔

پیر کرم شاہ صاحب مدظلہ کا گراں قدر علمی سرمایہ علم کے پیاسوں کے لیے ایک خاص تحفہ ہے۔ آپ کی تفسیر "ضیاء القرآن" اور "ضیاء النبی" دور حاضر کی عالمی شہرت یافتہ تالیفات ہیں، جن کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ دور حاضر کے عظیم محقق، مدرس اور مصنف تھے، آپ نے علمی میدان میں وہ کارہائے نمایاں سر انجام دیے جنھیں مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ حضرت پیر صاحب ایسے جلیل القدر عالم دین بھی اہم مسائل دینیہ میں حضرت فقیہ اعظم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ کے فتوے سے استفادہ ضروری خیال فرماتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ نوریہ، جلد ۴، صفحہ ۲-۱۷۱ پر

سود کے حوالے سے حضرت ضیاء الامت کا مرسلہ استفتاء درج ہے، اسی طرح فتاویٰ نوریہ جلد
صفحہ ۲۷۴-۲۷۳ پر رویت ہلال کے بارے میں ان کا ایک استفتاء موجود ہے۔

7 شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام علی اوکاڑوی (۱۹۲۰ء/۲۰۰۰ء) ضلع گجرات کے موضع
نزد لالہ موسیٰ میں پیدا ہوئے، سکول کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علاقہ گجرات کے
معروف عالم دین مولانا سلام اللہ کے درس میں شامل ہو کر علوم دینیہ کی تعلیم کا آغاز کیا اور پھر آپ
کا طائر شوق گجرات کی فضاؤں سے نکل کر جالندھر پہنچا، جہاں مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور
کی شاخ مدرسہ عربیہ کریمیہ میں داخلہ لیا اور حضرت علامہ عبد الجلیل ہزاروی سے علوم متداولہ کی
تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ مرکز علم ومعرفت جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں پہنچ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا
جب مراد آباد کی علمی فضاؤں میں حضرت صدر الافاضل کی سرپرستی میں حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی
حضرت مولانا محمد امین الدین نعیمی اور حضرت مولانا محمد عمر نعیمی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہو کر
تشنگان علوم کی سیرابی میں مشغول تھے۔ حضرت مولانا غلام علی اوکاڑوی علیہ الرحمہ نے ان جلیل القدر
علمی ہستیوں سے اکتساب علم کیا۔

حضرت مولانا غلام علی اوکاڑوی علیہ الرحمہ نے ۱۹۴۹ء میں اوکاڑا کی سرزمین پر اہل سنت
جماعت کی مشہور درس گاہ دار العلوم اشرف المدارس کی بنیاد رکھی اور دین و مذہب کی تبلیغ میں
مصروف ہو گئے۔ حضرت اوکاڑوی نے دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ ماضی قریب میں قومی، ملی، مذہبی
میں اٹھنے والی ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ میدان سیاست میں اتر کر جمعیت علمائے پاکستان
کی ٹکٹ پر قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا، تحریک تحفظ ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں قید و بند کی
صعوبتیں برداشت کیں اور حکومتی مظالم کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

حضرت مولانا اوکاڑوی ایک بلند پایہ مقرر، کہنہ مشق مدرس اور محقق تھے، بالخصوص علوم قرآن اور تفسیر
میں آپ کا ثانی ملنا مشکل ہے، اسی وجہ سے آپ حلقہ علماء ومحققین میں "شیخ القرآن" کے نام سے جانے
جاتے تھے۔ مخالف وموافق سب آپ کو یکساں احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اپنے معاصر اہل علم
کمال سے آپ کے انتہائی قریبی مراسم تھے، بالخصوص حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ سے تو انتہائی برادرانہ
اور محبت آمیز تعلقات تھے، باوجود اس کے کہ آپ خود ایک جید اور فاضل یگانہ عالم تھے مگر پھر بھی فقہی مسائل

کئی بار ہا مرتبہ آپ نے حضرت صاحب فتاویٰ نوریہ کی طرف رجوع کیا، جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ انہیں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی فقہی بصیرت اور تفقہ فی الدین پر مکمل بھروسہ تھا۔
حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں مرسلہ ایک استفتاء کی تحریر ملاحظہ ہو:

''جس جانور کی پیدائشی دم نہ ہو، قربانی کے لیے اس کے جواز و عدم جواز کے بارے میں کوئی جزئیہ حضور کے پیش نظر ہو تو تحریر فرمائیں۔ فقیر نے موجودہ کتب میں کافی تتبع و تلاش کی ہے مگر کہیں نہیں پایا''۔۔۔۔

انا العبد الضعیف ابو البیان غلام علی غفرلہ

[فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۴۲۶]

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے حضرت شیخ القرآن مولانا اوکاڑوی کے استفتاء کا جواب شامی اور قاضی خاں کے حوالہ سے لکھ کر واپسی جواب ارسال کیا۔ راقم احقر کی رائے میں استفتاء اور فتویٰ دونوں میں ان عظیم المرتبت حضرات گرامی کی عظمت اور ان کے حقیقی عالم ہونے کا پہلو صاف طور پر نمایاں ہو کر سامنے آرہا ہے۔

8 مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی

حضرت مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمہ جن کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے عصر حاضر کے عظیم محقق پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب یوں لکھتے ہیں:

''مجدد مسلک اہل سنت حضرت علامہ محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، پاکستان کے نامور عالم دین اور مبلغ تھے، وہ ایک سحر بیان مقرر و خطیب اور حقیقت بیان ادیب کی حیثیت سے ملک اور بیرون ملک جانے پہچانے جاتے تھے۔ وہ مصنف بھی تھے، اپنی تصانیف میں وہ ایک بے نظیر محقق کی حیثیت سے جلوہ گر نظر آتے ہیں''۔۔۔۔ [ابتدائیہ امام پاک اور یزید پلید، صفحہ ۱۲]

حافظ صاحب موصوف ایک کثیر التصانیف مصنف کی حیثیت سے پورے ملک میں ایک پہچان رکھنے کے ساتھ قومی و ملی امور میں بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ اپنے دور میں اسلامی نظریاتی کونسل کے اہم ممبر ہونے کی حیثیت سے نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے بھی کوشاں رہے۔ پاکستان کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہوگا جہاں آپ کو قال اللہ و قال الرسول ﷺ

کی صدائیں بلند کرنے کا شرف حاصل نہ ہوا ہو۔ اس پائے کا عالم اور خطیب بھی بوقت ضرورت فقہی مسائل میں راہنمائی لینے کے لیے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ نوریہ، جلد سوم، کتاب الطلاق میں ایک استفتاء آپ کا موجود ہے، جس میں محترم حافظ صاحب نے مفتی نعیمی صاحب سے حسب ذیل دو سوالوں کے بارے میں فتویٰ طلب کیا ہے:

۱ طلاق بائن کے بعد دوبارہ رجوع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲ غیر سید کا سیدزادی سے نکاح کا حکم کیا ہے؟

حضرت مفتی صاحب قبلہ نے پہلے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''بہر حال طلاق صرف ایک واقع ہوئی گو بائن موکد اور ایک طلاق بائن کے بعد بالاجماع یقیناً قطعاً بلا شک وشبہ وریب عدت کے اندر اور باہر ہر وقت طلاق دہندہ سے نکاح جائز ہے۔ متن درمختار میں ہے مع تقریر الشامی، ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۷۳۸ و ینکح مبانته مما دون الثلاث فی العدة و بعدها بالاجماع لہٰذا دوبارہ اسی مطلقہ سے نکاح جائز وصحیح ونافذ ہے جب کہ کوئی اور مانع ومنافی نہ ہو''۔۔۔

جب کہ دوسرے سوال کے جواب میں یہ لکھا کہ:

''اس کی بہت سی صورتیں ہیں، بعض میں نکاح جائز اور بعض میں ناجائز۔ لہٰذا جو صورت واقع ہے اس کے متعلق بالتفصیل دریافت فرمائیں تو باذنہ تعالیٰ جواب دیا جائے گا''۔۔۔ [فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۹-۱۷۶]

9 مولانا مفتی غلام محمود، جھلم

مفتی ابوالفتح غلام محمود جہلمی اہل سنت کے نامور عالم اور دارالعلوم اہل سنت عید گاہ جہلم کے مہتمم ہیں، علمی حلقوں میں اپنی خاص شہرت اور پہچان رکھتے ہیں۔ آپ ہمیشہ مسائل دینیہ فقہیہ میں حضرت مولانا ابوالخیر مفتی محمد نور اللہ صاحب کی طرف رجوع کرتے۔ فتاویٰ نوریہ کی مطبوعہ چھ جلدوں میں آپ کے متعدد استفتاءات پائے جاتے ہیں۔ چند ایک کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

۱.....حضور ﷺ کے فضلات مبارکہ کی طہارت سے متعلق استفتاء	جلد ۵، صفحہ ۲۸۱
۲.....نسب سیدنا غوث اعظم پر شیعہ کے اعتراضات اور بعض دیگر سوالات	ایضاً، صفحہ ۱۵۸

۳.....نوٹ پر زکوٰۃ کا شرعی حکم سے متعلق استفتاء اور روزے کی حالت میں ٹیکہ کا حکم — جلد دوم، صفحہ ۱۰۲

۴.....حرمت مصاہرت کے بارے میں — جلد ۲، صفحہ ۵۸۱

۵.....ایضاً، ایک اور استفتاء — جلد ۲، صفحہ ۵۸۳

۶.....ذبح کے بعد گرم پانی میں ڈال کر مرغیوں کے پر اتارنے کا حکم — جلد ۳، صفحہ ۷-۴۰۵

۷.....چوپائے کے ساتھ وطی کے اثبات کے لیے نصاب شہادت — جلد ۱، صفحہ ۵۹۲

بلکہ خود حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز ایک جگہ سائل کو مفتی غلام محمود جہلمی صاحب کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرماتے ہیں:

"مزید استفسارات کے لیے آپ اپنے شہر کے مفتی حضرت مولانا غلام محمود صاحب خطیب عیدگاہ کی طرف رجوع فرمایا کریں"---

[فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، صفحہ ۳۵۴، طبع چہارم]

10 مولانا غلام مہر علی گولڑوی

الیواقیت المہریہ فی شرح النوریۃ الہندیہ جیسی بلند پایہ تحقیقی وتاریخی کتاب کے مصنف، فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا غلام مہر علی گولڑوی ایک جید عالم، محقق، بے مثل خطیب، مناظر اسلام اور ادیب شہیر کی حیثیت سے پورے ملک میں اپنا شہرہ رکھتے ہیں۔ آپ مہر الملۃ و الدین حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے سلسلۂ طریقت سے منسلک ہیں۔ دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں شانہ روز سفر اور دیگر علمی وتدریسی مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ چند مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱	الیواقیت المہریہ	۲	رسالہ نور محمد ﷺ
۳	خاتم النبیین ﷺ	۴	دیوبندی مذہب
۵	مواعظ مہریہ	۶	مترجم خطبات رضویہ
۷	صواعق عتابیہ علی رأس الوہابیہ		

[تذکرہ علمائے اہل سنت وجماعت لاہور صفحہ ۳۱۹/ تعارف علماء اہل سنت صفحہ ۲۶۲]

مذکورہ کتب میں سے بالخصوص "دیوبندی مذہب" کو شہرت دوام حاصل ہے۔

فتاویٰ نوریہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا جلیل القدر فاضل بھی فقہی مسائل میں حضرت مفتی

محمد نوراللہ صاحب کی طرف ہی رجوع کرتا ہے، چنانچہ فتاویٰ کی جلد دوم، کتاب الطلاق، باب النکاح میں ایک استفتاء، سیدہ کا نکاح غیر ہاشمی، غیر سید کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ کے بارے میں موجود ہے۔

مولانا گولڑوی موصوف کے سوال کے جواب میں حضرت فقیہ اعظم نے سیدہ کا غیر سید سے نکاح کے بارے میں اپنی طرف سے جواب، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے فتاویٰ رضویہ کے ایک فتوے کے ساتھ لکھا، جو فتاویٰ کی جلد مذکورہ کے صفحہ ۵۱-۴۲۹، مطبوعہ ۲۰۰۰ء، طبع سوم پر موجود ہے۔

یہی نہیں مولانا موصوف حضرت مفتی صاحب کی طرف صرف مسائل شرعیہ میں رجوع کرتے رہے بلکہ ایسا بھی ہوا کہ اگر کسی مسئلہ پر تحقیق کرتے ہوئے کوئی ایسی حدیث یا روایت نظروں سے گزری کہ جس کا اصل کتاب میں حوالہ نہ مل سکا تو اس صورت میں بھی اپنی مشکل کے حل کے لیے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ ہی کی طرف نظر کی اور اپنی مشکل کا حل طلب کیا۔ غیر مقلد مولوی وحید الزمان نے اپنی کتاب ہدیۃ المہدی میں یہ روایت نقل کی ہے:

و قد رای النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم فی صورۃ شاب امرد لہ وفرۃ---اس حدیث کا حوالہ پوچھنے کے لیے استفتاء لکھا۔

> ''دریافت یہ امر ہے کہ یہ ''ذکر رؤیۃ فی صورۃ شاب امرد'' حدیث شریف کی کس کتاب میں ہے، حوالہ مطلوب ہے۔ حضرت کی وسعت نظر میں یہ روایت ہو گی، کرم فرمائیں''---
>
> غلام مہر علی، منڈی چشتیاں شریف ضلع بہاول نگر

اس سوال کا جواب بھی دیکھیے، حضرت فقیہ اعظم کس محبت بھرے انداز میں دیتے ہیں:

> ''محقق ابن محقق، فاضل نوجوان حضرت مولانا غلام مہر علی صاحب مد ظلہم العالی''---

ان محبت بھرے الفاظ سے آغاز کرنے کے بعد حضرت نے مطلوبہ حدیث سے متعلق جو حوالے لکھے ان سے آپ کی علم حدیث میں وسعت مطالعہ کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

1. مشکوٰۃ، باب المساجد، فصل ثانی، فصل ثالث
2. جامع ترمذی، تفسیر سورۃ صاد

۳ مسند احمد بن حنبل، جلد ۱، صفحہ ۳۶۸

۴ مسند احمد بن حنبل، جلد ۵، صفحہ ۳۶۸ و ۳۷۸، مگر وہ کلمات نہیں۔

۵ فیض القدیر شرح جامع صغیر، جلد ۴، صفحہ ۹۶، مگر یہ روایت مطعون بتائی۔

۶ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، جلد ۷، صفحہ ۱۷۹

کمال عاجزی وانکساری یہ ہے کہ چھ حوالہ جات نقل کر کے بھی یہ لکھا:

''کہیں اور نشان نہیں ملا، اگر کہیں مل جائے تو اطلاع دیں''۔۔۔

[فتاویٰ نوریہ، جلد ۵، صفحہ ۸۶-۲۸۳]

11 مفتی غلام سرور قادری (سابق وزیر اوقاف)

مولانا مفتی غلام سرور قادری، علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر اور ایک کامیاب مدرس ہیں۔ محترم مفتی صاحب نے اپنے دور کے جن صنادید علم وحکمت کے بحر علوم سے اپنے ذہن وفکر کی سیرابی کا سامان کیا، ان میں مندرجہ ذیل فضلائے یگانہ شامل ہیں:

۱ شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا غلام رسول واحلی شاگرد رشید مولانا امام بخش جام پوری

۲ استاذ العلماء مولانا مفتی سید مسعود علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ

۳ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا غلام جہانیاں علیہ الرحمہ

۴ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ

۵ شیخ الفقہاء مولانا عبید اللہ شاگرد مولانا معین الدین اجمیری شیخ الفقہ اسلامی یونیورسٹی بہاول پور

۶ محدث اعظم پاکستان شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد فیصل آبادی علیہ الرحمہ

۷ مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، سکھر، سابق رکن صوبائی اسمبلی سندھ

۸ مولانا سید عبدالمعبود شاہ شاگرد رشید علامہ سید یوسف نبہانی

۹ مولانا غلام رسول ریاض آبادی خلیفہ مجاز حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

[تعارف علمائے اہل سنت، صفحہ ۲۲۲]

حضرت مفتی صاحب نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان سے کیا۔ مدرسہ ہذا میں نائب مفتی کی حیثیت کے علاوہ فنون وحدیث کا درس بھی دیتے رہے۔ یہاں پر بعد میں آپ کو شعبہ افتاء کا صدر بنا دیا گیا۔ اس کے بعد جامعہ رضویہ ہارون آباد کے مہتمم مقرر ہوئے۔

محمد نور اللہ صاحب کی طرف ہی رجوع کرتا ہے، چنانچہ فتاویٰ کی جلد دوم، کتاب الطلاق، باب الکفو میں ایک استفتاء، سیدہ کا نکاح غیر ہاشمی، غیر سید کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ کے بارے میں موجود ہے۔

مولانا گولڑوی موصوف کے سوال کے جواب میں حضرت فقیہ اعظم نے سیدہ کا غیر سید سے نکاح کے بارے میں اپنی طرف سے جواب، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے فتاویٰ رضویہ کے ایک فتوے کے ساتھ لکھا، جو فتاویٰ کی جلد مذکورہ کے صفحہ ۵۱-۱۴۹، مطبوعہ ۲۰۰۰ء طبع سوم پر موجود ہے۔

یہی نہیں مولانا موصوف حضرت مفتی صاحب کی طرف صرف مسائل شرعیہ میں رجوع کرتے رہے بلکہ ایسا بھی ہوا کہ اگر کسی مسئلہ پر تحقیق کرتے ہوئے کوئی ایسی حدیث یا روایت نظروں سے گزری کہ جس کا اصل کتاب میں حوالہ نہ مل سکا تو اس صورت میں بھی اپنی مشکل کے حل کے لیے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ ہی کی طرف نظر کی اور اپنی مشکل کا حل طلب کیا۔ غیر مقلد مولوی وحید الزماں نے اپنی کتاب ہدیۃ المہدی میں یہ روایت نقل کی ہے:

وقد رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صورة شاب امرد له وفرة---اس حدیث کا حوالہ پوچھنے کے لیے استفتاء لکھا۔

''دریافت یہ امر ہے کہ یہ ''ذکر رؤیة فی صورة شاب امرد'' حدیث شریف کی کس کتاب میں ہے، حوالہ مطلوب ہے۔ حضرت کی وسعت نظر میں یہ روایت ہو گی، کرم فرمائیں''---

غلام مہر علی، منڈی چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر

اس سوال کا جواب بھی دیکھیے، حضرت فقیہ اعظم کس محبت بھرے انداز میں دیتے ہیں:

''محقق ابن محقق، فاضل نوجوان حضرت مولانا غلام مہر علی صاحب مدظلہم العالی''---

ان محبت بھرے الفاظ سے آغاز کرنے کے بعد حضرت نے مطلوبہ حدیث سے متعلق جو حوالے لکھے ان سے آپ کی علم حدیث میں وسعت مطالعہ کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

۱ مشکوٰۃ، باب المساجد، فصل ثانی، فصل ثالث

۲ جامع ترمذی، تفسیر سورۃ صاد

۳ مسند احمد بن حنبل، جلد ا، صفحہ ۳۶۸

۴ مسند احمد بن حنبل، جلد ۵، صفحہ ۳۶۸ و ۳۷۸، مگر وہ کلمات نہیں۔

۵ فیض القدیر شرح جامع صغیر، جلد ۴، صفحہ ۹۶، مگر یہ روایت مطعون بتائی۔

۶ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، جلد ۷، صفحہ ۱۷۹

کمال عاجزی وانکساری یہ ہے کہ چھ حوالہ جات نقل کر کے بھی یہ لکھا:

''کہیں اور نشان نہیں ملا، اگر کہیں مل جائے تو اطلاع دیں''۔---

[فتاویٰ نوریہ، جلد ۵، صفحہ ۸۶-۲۸۴]

11 مفتی غلام سرور قادری (سابق وزیر اوقاف)

مولانا مفتی غلام سرور قادری، علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر اور ایک کامیاب مدرس ہیں۔ محترم مفتی صاحب نے اپنے دور کے جن مناد ید علم وحکمت کے بحر علوم سے اپنے ذہن وفکر کی سیرابی کا سامان کیا، ان میں مندرجہ ذیل فضلائے یگانہ شامل ہیں:

۱ شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا غلام رسول واجلی شاگرد رشید مولانا امام بخش جام پوری

۲ استاذ العلماء مولانا مفتی سید مسعود علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ

۳ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا غلام جہانیاں علیہ الرحمہ

۴ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ

۵ شیخ الفقہاء مولانا عبداللہ شاگرد مولانا معین الدین اجمیری شیخ الفقہ اسلامی یونی ورسٹی بہاول پور

۶ محدث اعظم پاکستان شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد فیصل آبادی علیہ الرحمہ

۷ مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، سکھر، سابق رکن صوبائی اسمبلی سندھ

۸ مولانا سید عبدالمعبود شاہ شاگرد رشید علامہ سید یوسف میہانی

۹ مولانا غلام رسول ریاض آبادی خلیفہ مجاز حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

[تعارف علمائے اہل سنت، صفحہ ۲۲۴]

حضرت مفتی صاحب نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان سے کیا۔ مدرسہ ہذا میں نائب مفتی کی حیثیت کے علاوہ فنون وحدیث کا درس بھی دیتے رہے۔ یہاں پر بعد میں آپ کو شعبہ افتاء کا صدر بنا دیا گیا۔ اس کے بعد جامعہ رضویہ ہارون آباد کے مہتمم مقرر ہوئے۔

جامعہ کے جملہ امور کی نگرانی کے علاوہ شیخ الحدیث اور مفتی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔
عرصہ تک چیچہ وطنی کی مسجد نور المساجد میں خطابت اور تدریسی فرائض انجام دیے، کچھ عرصہ
میں بھی دینی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۹۷ھ میں لاہور تشریف لائے اور جامعہ نظامیہ رضویہ
استاذ الحدیث اور استاذ الادب مقرر ہوئے۔

مفتی صاحب کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو صدر محمد ضیاء الحق کے دور حکومت
میں سپریم شرعی عدالت کا مشیر اور اسلامی نظریاتی کونسل کا ممبر منتخب کیا گیا۔ جنرل پرویز مشرف
دور میں مفتی صاحب کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے پنجاب کی وزارت اوقاف و مذہبی
قلمدان آپ کے سپرد کیا گیا، لیکن موصوف لیلائے اقتدار کے شوق میں علمی اور عالمانہ وقار
نہ رکھ سکے، بہر کیف یہ ہماری بحث سے خارج ہے۔

مقصد یہ ہے کہ مفتی صاحب جیسا فاضل شخص بھی مسائل شرعیہ میں حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی صاحب
کی طرف ہی رجوع کرتا ہے۔ فتاویٰ نوریہ، جلد اول، باب الامامۃ میں آپ کا استفتاء موجود
جو درج ذیل سوالات پر مشتمل ہے:

۱ جو شخص حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو حضرت ابو بکر و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بالکل افضل سمجھے وہ سنی ہو سکتا ہے؟ کیا اس کی اقتداء میں نماز جائز ہے؟

۲ جو شخص حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو واجب الاحترام نہ جانے بلکہ آپ کی شان میں گستاخی کرے اور فاسق تک کہے، کیا وہ سنی ہے اور اس کے پیچھے سنی کی نماز جائز ہے؟---[فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، صفحہ ۳۲۰-۳۱۹]

12 مولانا ابو النصر منظور احمد شاہ ہاشمی

دار العلوم جامعہ حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے اجل فضلا اور حضرت فقیہ اعظم کے نامور تلامذہ
سے مولانا ابو النصر منظور احمد شاہ ایک نمایاں اور اہم علمی مقام کے حامل ہیں۔ موصوف ایک متبحر
ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی راہنما بھی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب عالمی مبلغ، بلند پایہ محقق، ماہر
بے مثل خطیب اور ادیب ایسی صفات حسنہ کے مالک ہیں۔ درس و تدریس اور دعوت و
علاوہ تحریر کے میدان میں بھی آپ نے نمایاں خدمات سر انجام دیں۔ اب تک منظر عام

والی چند تصنیفات وتالیفات یہ ہیں:

۱......مدیۃ الرسول ۲......جلوۂ جاناں

۲......حضور الحرمین (سفرنامہ حرمین شریفین) ۳......اسلام اور سوشلزم

۴......فلسفہ جہاد ۵......علم القرآن

۶......کرشک مصر ۷......اسلام اور حفظان صحت

8......اسلام اور انفاق فی سبیل اللہ ۹......مقالہ علمیہ

۱۰......آئینۂ حق ۱۱......لا تثلیث فی التوحید

۱۲......مسیح کون؟ (یہ تینوں ردعیسائیت میں ہیں) ۱۳......فلسفۂ زکوٰۃ

۱۴......بہائی اصول ۱۵......اسلام اور عید قربان

حضرت شاہ صاحب کے علمی مقام ومرتبہ کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو اسلامی نظریاتی کونسل کا ممبر بھی مقرر کیا گیا تو اس اہم قومی وملی اور دینی فریضہ کو بخوبی سرانجام دیا۔ حضرت شاہ صاحب ایسا جید عالم بھی تحقیقی مسائل میں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی طرف رجوع کرتا نظر آتا ہے، چنانچہ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کا عظیم تحقیقی شاہکار ''مکبر الصوت'' آپ ہی کے استفتاء کا جواب ہے۔ یہ رسالہ فتاویٰ نوریہ مطبوعہ ۱۹۹۷ء کے جلد ا، صفحہ ۳۶۸ سے شروع ہوتا ہے، اس کا پہلا استفتاء حضرت شاہ صاحب کا ہے، جس کا جواب صفحہ ۳۶۹ سے لے کر ۴۱۶ تک ۸/۳۰×۲۰ سائز کے ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، یوں ہی فتاویٰ نوریہ، جلد ا، مطبوعہ ۱۹۹۷ء کے صفحہ ۴۲۷ تا ۴۵۵ یعنی ۸/۳۰×۲۰ کے ۲۸ صفحات، مکبر الصوت کا ضمیمہ کے طور پر شامل ہے، جو غالب امکان ہے شاہ صاحب نے اپنے استاذ محترم کے سابقہ فتوے جو ابوالفیض علی محمد نوری صاحب کے استفتاء کے جواب میں لکھا گیا تھا، پر منظور احمد شاہ صاحب کے ایک علمی شبہے کا جواب دیتے ہوئے لکھا گیا۔

اس کے علاوہ چلتی گاڑی میں نماز پڑھنے سے متعلق بھی ایک فتویٰ آپ ہی کے استفتاء کے جواب میں لکھا گیا جو فتاویٰ نوریہ کی اسی جلد کے صفحہ ۲۰۸ سے ۲۱۲ تک پھیلا ہوا ہے۔

13 ڈاکٹر مفتی ضیاء الحبیب صابری

مفتی ضیاء الحبیب کا شمار حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کے نامور تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ ایک

محقق، ماہر خطیب اور حاذق طبیب ہیں۔ علم و تحقیق میں دل چسپی کا اندازہ لگانے کے لیے یہ امر بطور ثبوت کافی ہے کہ پنجاب یونی ورسٹی نے سیدنا علی الہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور عالم کتاب ''کشف المحجوب'' کی احادیث کی تحقیق کرنے پر مفتی ضیاء الحبیب صاحب کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی ہے، جو یقیناً ان کی اعلیٰ علمی و تحقیقی خدمات کا اعلیٰ سطح پر اعتراف ہے۔ بصیر پور میں حضرت ابوالخیر مفتی نور اللہ نعیمی کے گلشن نور جامعہ حنفیہ فریدیہ کی ضیا بار فضاؤں میں بیٹھ کر ڈاکٹریٹ کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے والے مفتی ضیاء الحبیب صاحب کو کبھی علمی مسئلہ میں دشواری پیش آئی یا مشکل کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے بلا تامل اپنی مادر علمی کی طرف رجوع اور اپنے شفیق استاد کی دہلیز علم پر سر جھکا دینے میں فخر جانا۔

اسرائیل میں یہودی حکومت کے قیام پر بعض دہریہ قسم کے سوشلسٹ لوگوں کی طرف سے قرآن مجید پر طرح طرح کے اعتراضات کیے جانے لگے تو اس سے عام مسلمان ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو گئے، چنانچہ وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے مفتی ضیاء الحبیب صاحب نے اس اہم مسئلہ میں ایک بڑا مفصل استفتاء حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بغرض فتویٰ بھیجا۔ مکمل استفتاء (سوال) اور اس کا جواب فتاویٰ نوریہ کی جلد پنجم، صفحہ ۱۹۱ سے ۱۹۹ تک ۳۰/۸×۲۰ کے آٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ذیل میں حضرت کے محققانہ فتویٰ کے صرف دو اقتباسات قارئین کی ضیافت علمی کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

> ''یہ موقف اور نظریہ کہ دنیا میں کسی جگہ بھی یہودی حکومت قائم نہیں ہو سکتی، غلط ہے۔ قرآن کریم کی کسی آیت میں بھی یہ نہیں کہ یہودی حکومت قائم نہیں ہو سکتی اور نہ ہی محقق علمائے اسلام (جو واقع میں علماء ہیں) نے یہ کہا ہے۔
>
> اللہ تعالیٰ کے ملک میں اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا اور اس کے کاموں میں اس کی پوشیدہ حکمتیں ہوا کرتی ہیں تو اگر کسی وقت اہل اسلام کی غفلت اور بد عملی کی وجہ سے بطور سزا شکست ہو جائے اور علاقے چھن جائیں اور غیروں کا غلبہ ہو جائے تو یہ سب کچھ قرآن کریم کے واضح احکامات اور ہدایات اور غیبی خبروں کی زبردست تصدیقات ہیں'' ---- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۵، صفحہ ۳۵۴، طبع سوم]

جلد وار اہم مستفتیان کرام کی فہرست

نامور علماء ومشائخ جو رجال نوریہ میں شامل ہیں کا مختصر تعارف پڑھنے کے بعد اب آیئے ذرا اہم جلد وار ایسے علماء، مشائخ اور دانش وروں کی ایک اجمالی فہرست پیش کرتے ہیں، جسے دیکھ کر ایک عام قاری کو اندازہ ہوگا کہ حضرت فقیہ اعظم سے فتویٰ طلب کرنے والوں میں سے غالب اکثریت علماء ودانش ور حضرات کی ہے، جب کہ عوام الناس کی تعداد نسبتاً کم ہے۔

فتاویٰ نوریہ، جلد اول

فتاویٰ نوریہ، جلد اول، اشاعت چہارم، ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۸ھ، صفحات ۷۹۲، اس جلد میں کل ۲۷۴ استفتاءات کے جواب شامل ہیں، جن میں علماء ودانش ور حضرات کے استفتاءات کی تعداد ۷۶ ہے۔ گویا فتویٰ طلب کرنے والوں کی ایک تہائی سے زائد تعداد علماء اور دانش وروں کی ہے، چند اہم مستفتین کے اسماء گرامی ملاحظہ ہوں:

نمبر شمار	نام	علاقہ	استفتاء	صفحہ نمبر
1	مولانا محمد منشا تابش قصوری	امام مسجد فردوس ٹینریز مرید کے، شیخوپورہ	مسجد کا پرانا سامان فروخت کرنے سے متعلق شرعی حکم	۳۶
2	سردار محمد صدیق زرگر	چیئرمین شاہ کیہ	مسجد کو شہید کرکے آبادی کرنے سے متعلق حکم	۱۵۴
3	جامعہ رضویہ ضیاء العلوم	راولپنڈی	بلغاریہ، ڈنمارک وغیرہ میں نماز، روزہ کے اوقات	۱۷۸
4	لیفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خان	ڈائریکٹر وقف املاک پنجاب	مسجد کو شہید کرنے کے بارے شرعی حکم	۱۹۴
5	مولانا مسرور احمد	خطیب مدینہ مسجد وحدت کالونی ملتان	ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں استعمال کرنا	۱۹۷
6	ابوالنصر منظور احمد شاہ ہاشمی	جامعہ فریدیہ ساہیوال	چلتی گاڑی میں نماز اور تثویب بعد از اذان	۲۰۷

7	مولانا عبدالکریم قادری نعیمی	مدرسہ عزیزیہ جلالیہ اسلامیہ ضلع فرید پور مشرقی پاکستان	نماز عید کی ادائیگی کا آخری وقت کون سا ہے؟	۲۳۵
8	مولانا عبدالحلیم	موضع بریت حویلی لکھا	قبل از طلوع آفتاب نماز قضا فرض کی ادائیگی	۲۹۵
9	مولانا محمد حنیف نظامی	مدینہ مسجد محراب پور تحصیل کنڈیارو ضلع نواب شاہ	اذان داخل مسجد یا خارج مسجد	۲۷۰
10	مولانا محمد یار	خطیب مسجد چک ۸۲ علاقہ شیخ فاضل (وہاڑی)	جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر یا خارج کہاں؟	۲۷۲
11	مولانا محمد یار	خطیب و امام مسجد ٹوبہ ٹیک سنگھ	نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑنا	۲۷۳
12	مولانا (ابوالظفر) منظور احمد	مدرس دارالعلوم عالیہ عزیزیہ مدینہ مسجد ساہیوال	اذان ثانی میں تقبیل الابہامین	۲۷۹
13	مولانا محمد عبدالغفور ہزاروی	خطیب جامع مسجد وزیر آباد	ہندوؤں کے جلسہ میں شریک ہونے کا حکم	۳۱۱
14	محمد دین	ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ پرائمری سکول بھیڑ سوھڈیاں	مختلف سوالات	۳۱۸
15	مولانا محمد سرور قادری (مفتی)	مہتمم دارالعلوم غوثیہ رضویہ چیچہ وطنی	حضرت سیدنا امیر معاویہ کو واجب الاحترام نہ ماننے والا	۳۲۰
16	حکیم محمد احمد امجد رضوی	رضوی دواخانہ چوکی	بعض اشعار کی شرعی وضاحت	۳۲۵
17	مولانا غلام حسین نوری	خطیب چک ۵۸ گھوں ضلع منٹگمری	عدت میں نکاح پڑھانے والے امام کی امامت کا حکم	۳۲۹
18	محمد عنایت اللہ	منتظم مسجد قادری حیدرآباد سندھ	بھیک مانگنے والے کی امامت کا حکم	۳۳۵

19	مولانا محب النبی	صدر مدرس جامعہ غوثیہ نظامیہ وزیر آباد	بوقت ضرورت قبضہ سے کم داڑھی والے کی امامت	۳۳۷
20	غلام سرور جاروی	خطیب جامع مسجد غوثیہ رضویہ فوجی ملز جہلم	مسجد میں جھوٹی قسم اٹھانے والا	۳۵۱
21	قاری عبدالکریم	مدرس جامعہ صدیقیہ لوکوشیڈ لاہور	نکاح رجسٹرار کی امامت سے متعلق	۳۶۰
22	ابوالنصر منظور احمد شاہ	جامعہ فریدیہ (گول چکر) منٹگمری	نماز میں لاؤڈ سپیکر کا مسئلہ	۳۶۸ ۳۳۷
23	ابوالفیض علی محمد نوری	خطیب جامع مسجد مائی والی منٹگمری	نماز میں سپیکر کا مسئلہ	۳۱۶
24	محمد نواز اویسی (مولانا)	مہتمم دارالعلوم جامعہ نوریہ رضویہ رحیم یار خان	ایضاً	۳۶۷
25	سید محمد اسلم بخاری (مولانا)	خطیب جامع مسجد نوری سمندری ضلع فیصل آباد	ایضاً	۳۹۱
26	مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی	خطیب اعظم کراچی	ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا مسئلہ	۵۰۱
27	مولانا غلام رسول اشرفی	مدرس دارالعلوم جامعہ حنفیہ قصور	چین والی گھڑی باندھ کر نماز پڑھنا	۵۱۸
28	صاحبزادہ محمد بشیر الدین اعظمی	خطیب جامع مسجد غوثیہ پاکستان چوک گجرات	لوہے کا چین، نماز میں سپیکر کا استعمال	۵۲۲
29	مولانا سید محمد اصغر شاہ	جیکب لائن صدر کراچی	جماعت سے فرض نہ پڑھنے والا وتر با جماعت پڑھے گا؟	۵۶۳
30	مولانا مفتی غلام محمود جہلمی	دارالعلوم اہل سنت جہلم	مختلف مسائل	۵۹۲

31	مولانا منظور احمد مرتضائی نقشبندی	خطیب جامع مسجد اہل سنت رائے ونڈ ضلع لاہور	دیہات میں ادائیگی جمعہ کا مسئلہ	۱۶۴

فتاویٰ نوریہ، جلد دوم

فتاویٰ نوریہ، جلد دوم، طبع سوم، مطبوعہ ستمبر ۲۰۰۰ء/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ، ۶۷۷ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد میں کل استفتاءات کی تعداد ۴۲۱ ہے، جس میں معتد بہ تعداد علماء و دانش ور حضرات کے استفتاءات کی ہے۔ جن کی ذیل میں ایک مختصر فہرست دی جارہی ہے:

نمبر شمار	نام	علاقہ	استفتاء	صفحہ نمبر
1	مولانا مفتی غلام محمود جہلمی	خطیب جامع مسجد عید گاہ جہلم	نوٹ پر زکوٰۃ اور روزے میں انجکشن کا حکم	۱۰۲
2	چوہدری عبد الحق	سب انسپکٹر انجمن ہائے امداد باہمی منٹگمری	تنخواہ سے کوتی پر جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ کا حکم	۱۰۴
3	نور الحق	ریٹائرڈ فوڈ انسپکٹر اوکاڑہ	ایضاً	۱۰۶
4	مولانا صابر علی وٹو	چکواڑی (کوہ مری) (حال خطیب لاہور)	بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینے کے متعلق استفتاء	۱۱۴
5	مولوی محمد اعظم	خطیب جامع مسجد چکواڑی میرپور آزاد کشمیر	غیر سید کا سید کہلوانا	۱۲۰
6	مولانا عبد الکریم	حجرہ شاہ مقیم	بھنگی، شرابی کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۱۲۳
7	حاجی رشید احمد نوری	تونسہ بیراج	زکوٰۃ کے تملیک شرعی شرط ہے یا نہیں؟	۱۲۶
8	مولانا شبیر احمد	چیچہ وطنی ضلع منٹگمری	عقیقہ اور صدقے کے بکرے سے متعلق سوالات	۱۲۹
9	مولانا محمد رمضان الحقق النوری	مدرسہ غوثیہ حویلی لکھا	نہری پانی سے سیراب کی جانے والی کھیتی کی زکوٰۃ	۱۳۷

10	ڈاکٹر اظہر ملک	میونسپل کمیٹی ڈسپنسری ملتان	اگر چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات ہو تو روزہ کا کیا حکم ہے؟	۱۷۵
11	مولانا مفتی ابو الیسر محمد اسماعیل	خطیب جامع مسجد ٹیکسٹائل ملز بورے والا	روزے کی حالت میں ٹیکہ لگوانے کا حکم	۲۱۷
12	پیر سید اختر حسین جماعتی علی پوری	سجادہ نشین علی پور شریف سیال کوٹ	روزے میں ٹیکے سے متعلق فتوے کی تحقیق مزید	۲۲۷
13	محمد عنایت اللہ بخاری	مدرسہ مصباح العلوم میلسی	ریڈیو، ٹیلی فون، تار وغیرہ سے رویتِ ہلال کا اعلان	۲۷۰
14	مولانا محمد سعید احمد اسعد	دار العلوم جامعہ امینیہ رضویہ محمد پورہ لائل پور	پاسپورٹ وغیرہ کے لیے تصویر بنوانے کا حکم	۳۰۲
15	مولانا حافظ محمد رحمت علی مدنی	مدینہ منورہ، سعودی عرب	مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے ڈرائیور کے احرام کا مسئلہ	۳۰۶
16	مولانا ابو الوفا منظور احمد	مدرس مدرسہ عربیہ اوکاڑا (بانی مدرسہ جنڈاں والا)	عاقلہ بالغہ سے اس کے اذن و اجازت کے بغیر نکاح کا حکم	۳۲۸
17	مولانا غلام معین نعیمی	ناظم اعلیٰ جمعیت علمائے پاکستان	پاکستان کے عائلی قوانین سے متعلق سوالات	۳۳۲
18	میاں غلام محمد احمد مانیکا	رئیس اعظم یونین کونسل پیرغنی پاکپتن	طلاق سے متعلق ایک فتوے کی وضاحت	۳۰۱
19	سید محمد قاسم علی شاہ	امام مسجد پیرغنی پاکپتن	ایضاً	۳۰۱
20	مولانا نور محمد قادری	امام مسجد موضع سعد اللہ پور	محرمات سے نکاح سے متعلق سوال	۳۱۴
21	مولوی غلام حسین	18/1-R ستگوکا تحصیل اوکاڑا	غیر مدخولہ کی والدہ سے نکاح سے متعلق سوال	۳۱۶

22	مولانا غلام دستگیر قادری	خطیب درگاہ حضرت داؤد بندگی شیر گڑھ	نکاح سے متعلق ایک سوال	۲۳۰
23	مولانا محمد منشا تابش قصوری	ہری ہر تحصیل قصور ضلع لاہور (حال مقیم مریدکے)	نکاح سے متعلق ایک فتویٰ	۲۴۴
24	مولانا محمد شریف نوری	خطیب جامع مسجد رائے ونڈ، لاہور	جمع بین المحارم کے بارے میں ایک سوال	۴۵۰
25	مولانا غلام محمد	امام مسجد منڈی ہیرا سنگھ	عدت میں نکاح پڑھانے والے نکاح خواں کا حکم	۵۰۹
26	مولوی عبدالعزیز	امام مسجد سکھالا دھوکا ضلع منٹگمری	زانیہ کا غیر زانی سے نکاح کے بارے میں فتویٰ	۵۲۴
27	مولانا محمد شریف بدر نوری	خطیب دیول شریف ضلع راولپنڈی	سالی سے بدکاری کرنے والے کے نکاح کا حکم	۵۹۴
28	حاجی ملک عطا محمد	ریٹائرڈ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس	رضاعی بھتیجی سے نکاح کا حکم	۱۳۴
29	مولانا غلام مہر علی گولڑوی	مہتمم مدرسہ عربیہ نور المدارس چشتیاں	سیدہ کا غیر سید سے نکاح سے متعلق فتویٰ	۹۵۰
30	مفتی ابوالیسر محمد اسماعیل	مہتمم دار العلوم غوثیہ چک نوانہ	عاقلہ بالغہ لڑکی کا زبردستی کیا گیا نکاح	۹۸۵
31	ملک امان اللہ	ممبر یونین کونسل	نابالغہ لڑکی کے نکاح کا حکم	۱۹۸

فتاویٰ نوریہ، جلد سوم

فتاویٰ نوریہ، جلد سوم، طبع سوم، مطبوعہ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ/اپریل ۱۹۹۹ء، اس جلد کے صفحات کی تعداد ۶۷۲ ہے جو ۲۰۲، استفتاءات پر مشتمل ہیں جن میں ۵۹۴ مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ اس جلد میں بالخصوص بہت سے جدید مسائل پر فاضل مصنف نے اپنی تحقیق کے جوہر دکھائے ہیں

اس جلد کے سائلین میں بھی ایک بڑی تعداد علماء و دانش ور حضرات کی ہے:

نمبر شمار	نام	علاقہ	استفتاء	صفحہ نمبر
1	مولانا حافظ محمد رحمت علی مدنی	خطیب گنوں تحصیل و ضلع ساہیوال	لڑکے کی بلوغت کی عمر سے متعلق سوال	۱۰۸
2	محمد یوسف چشتی		طلاق سے متعلق	۱۲۳
3	مولوی محمد رمضان قادری	خطیب جامع مسجد پرانا اوکاڑا	عقد میں طلاق کے بارے استفتاء	۱۲۹
4	حافظ بشیر احمد بشیر	بستی حافظ حبیب اللہ بڑپ	طلاق کے بارے میں فتویٰ	۱۳۲
5	حاجی جلال دین وٹو	ہیڈ ماسٹر جمال کوٹ	مکرہ کی طلاق کے بارے سوال	۱۵۶
6	مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی	اوکاڑا	طلاق کے بارے میں سوال	۱۷۶
7	خان ارشاد احمد خان	چیئرمین یونین کونسل سوبھا رام	ایضاً	۱۸۸
8	مولانا ابوالرضا محمد عبدالعزیز نوری	مہتمم دارالعلوم غوثیہ حویلی لکھا	ایضاً	۲۲۴
9	مولانا محمد بخش سکندری	جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور	ایضاً	۲۳۸
10	مولانا حافظ محمد فیض الرحمٰن کوثر	زیب سجادہ آستانہ عالیہ استانی شریف	ایضاً	۲۳۲
11	حافظ و قاری محمد سعید احمد سلطانی	خطیب جامع مسجد غوثیہ بریلویہ شاد باغ لاہور	مختلف مسائل میں راہنمائی طلب کی	۲۳۶
12	سید محمد ظفر شاہ	فیصل آباد	طلاق بالشرط سے متعلق سوال	۲۹۳
13	حافظ محمد یوسف	نکاح رجسٹرار نصیر پور	مسئلہ طلاق ثلاثہ مجلس واحدہ	۳۰۶

14	اللہ بخش پوشل	مسجد بیت الرحمٰن تھانہ ساہوکا	اوقات نماز سے متعلق سوال	۲۱۸
15	مولانا ابوالرضا محمد بشیر چشتی نظامی	تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال	نکاح سے مختلف سوالات	۲۲۸
16	مولانا قاری نبی محمد بیابانی	خطیب لکڑ منڈی اوکاڑا	ظہار سے متعلق ایک مسئلہ	۲۳۴
17	مولانا مفتی جلال الدین	جیون شاہ، عارف والا	عدت سے متعلق استفتاء	۲۵۳
18	محمد باقر نوشاہی القادری	تحصیل بورے والا ضلع وہاڑی	ایضاً	۲۵۶
19	مولوی محمد یار	امام مسجد چک تحصیل وہاڑی	ایضاً	۲۵۸
20	سردار محمد صدیق	چیئرمین شاہ یکہ تحصیل دیپالپور	مردار کا گوشت بیچنے سے متعلق سوال	۲۸۷
21	مولوی محمد شریف	امام مسجد چاہ عاشق خاں	قریب الموت جانور کے ذبح کا حکم	۲۹۲
22	قادر بخش	ناروے (بیرون پاکستان)	بیرون ملک حلال گوشت کا مسئلہ	۲۹۲
23	سید محمد عبدالغفار شاہ	تھانہ ساہوکا تحصیل بوریوالہ	مختلف مسائل پر راہنمائی	۳۰۱
24	مولوی غلام صابر	سکنہ پکھروان	قربانی کے جانوروں کی عمر بارے سوال	۳۵۰
25	مولانا محمد عبدالعزیز	مدرسہ عربیہ احیاء العلوم بوریوالہ	رویت ہلال کا ریڈیو پر اعلان کا شرعی حکم	۳۵۲
26	مولانا محمد علم الدین	اوکاڑا	قربانی کے جانور کی عمر بارے سوال	۳۵۶
27	مولانا سعید احمد فضلی		ایضاً	۴۱۳

28	مولانا محمد اجمل	مدرس دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور	سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی	۲۸۱
29	مولوی عبدالخالق	چوروٹی تحصیل دیپال پور	امام مسجد کو بطور امداد چرم ہائے قربانی دینا	۲۸۹
30	محمد جمیل الرحمٰن سعیدی قادری		ریڈیو سے آیت سجدہ پر سجدہ سے متعلق حکم	۴۹۰
31	مولانا شاہ محمد چشتی	خطیب شاہ عالم مارکیٹ لاہور (حال قصور)	ابروں کے بال نوچنا استحجار کی تعریف	۵۸۷
32	محمد علی ظہوری (نعت گو و نعت خواں)	ایڈیٹر نور ظہور قصور	عرس کا لنگر غنی بھی کھا سکتے ہیں؟	۶۰۱
33	سید نور حسین شاہ	عارف والہ	مدرسین کو تعطیلات کی تنخواہ	۶۱۷
34	سید اعجاز حسین شاہ	ایڈووکیٹ بہاول نگر	گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان	۶۱۹
35	عبدالرحیم سکندری	خطیب غوثیہ مسجد شاہ پور چاکر ضلع سانگھڑ	بوٹی کھانے سے متعلق فتویٰ	۶۲۲

فتاویٰ نوریہ، جلد چہارم

فتاویٰ نوریہ، جلد چہارم، طبع دوم، مئی ۱۹۹۸ء/محرم الحرام ۱۴۱۹ھ، جلد چہارم ۶۱۶ صفحات پر محیط ہے، جن میں ۱۹۰ر استفتاءات شامل ہیں اور ان کے ذیل میں ۴۱۲ مسائل و جزئیات بیان کیے گئے ہیں۔ اس جلد میں بھی بہت سے استفتاءات کی معتد بہ تعداد علماء و مشائخ اور دانش ور حضرات کی طرف سے پوچھے گئے سوالات پر مشتمل ہے:

نمبر شمار	نام	علاقہ	استفتاء	صفحہ نمبر
1	مولانا نصیر الدین	رکن پورہ ضلع منٹگمری	مال مسروقہ سے متعلق سوال	۱۳۱
2	مولوی غلام حسین	سنگو کا ضلع منٹگمری	بطور امانت دیے گئے مال کی چوری سے متعلق	۱۳۲

3	حاجی محمد یوسف	مہتمم مدرسہ جامع غوثیہ خواجہ محمد پناہ	مدرسہ و مسجد کی چیز کا ایک دوسرے کے لیے استعمال	۱۵۰
	پیر محمد کرم شاہ الازہری	بھیرہ شریف	غیر مسلموں سے سودی کاروبار	۱۶۱
4	حاجی رشید احمد نوری	منیجر تاج مینشن لاہور	کرایہ کے لیے پگڑی کا شرعی حکم	۱۶۵
5	مولانا محمد رمضان المحقق النوری	دار العلوم قادریہ نعیمیہ حویلی لکھا	رہن سے متعلق ایک سوال	۱۹۳
6	سید لال شاہ	موضع بنگہ بلوچ نزد کمن آباد	ایضاً	۱۹۷
7	سید محمد عبد الغفار شاہ	تھانہ ساہوکا بوریوالہ ضلع وہاڑی	امانت کے ضمان کے بارے استفتاء	۲۳۲
8	راشد قریشی	مدرسہ مرکزی دار القراءت والتجوید لاہور	ثبوت نسبت کے بارے سوال	۲۳۹
9	سید جمال شاہ	سکنہ محبوب شاہ تحصیل دیپال پور	میراث سے متعلق ایک سوال	۳۰۷
10	سردار محمد باقر خان	نمبردار سکنہ کیکریاں والی	ایضاً	۳۹۸
11	حافظ محمد مختار نارو	۔ جامع مسجد چک نمبر ۱۱ تحصیل وہاڑی	ایضاً	۳۹۸
12	مولانا غلام رسول	حویلی لکھا ضلع منٹگمری امام مسجد	ایضاً	۴۵۹
13	مولانا حافظ نذیر احمد نوری	خطیب جامع مسجد انوار مدینہ سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ	ایضاً	۴۷۲
14	مولانا محمد امیر نوری	سکنہ وجھلانہ تحصیل دیپال پور	ایضاً	۴۸۵

15	مولانا حافظ سید مراتب علی شاہ	مہتمم مدرسہ رضویہ عارف والہ	طوطا حلال ہے یا حرام؟	۵۰۱
16	محمد فاضل	دربار خواجہ عبدالکریم تحصیل پاکپتن	میراث سے متعلق ایک سوال	۵۸۹

فتاویٰ نوریہ، جلد پنجم

فتاویٰ نوریہ، جلد پنجم، طبع سوم، جنوری ۲۰۰۳ء/شوال ۱۴۲۳ھ، فتاویٰ نوریہ کی پانچویں جلد ۳۰×۲۰/۸ کے ۲۸۶ صفحات پر مشتمل ہے، جن میں ۲۴ر استفتاءات ہیں جب کہ مسائل کی تعداد ۳۸۹ ہے۔ یہ جلد اس حوالے سے بڑی اہم ہے کہ اس میں عقائد سے متعلق فتاویٰ ہیں اور اکثر فتاویٰ خاصے طویل ہیں۔ [ماہنامہ نورالحبیب، صفحہ ۶۶، شمارہ ۱۲، دسمبر ۹۴]

اس جلد میں بھی سائلین کی ایک خاصی تعداد علماء ودانش ور حضرات پر مشتمل ہے:

نمبر شمار	نام	علاقہ	استفتاء	صفحہ نمبر
1	مولانا نصیرالدین رکن پوری	رکن پورہ ضلع منٹگمری	حضور ﷺ کا سایہ نہ ہونے سے متعلق	۷۳
2	حافظ بشیر احمد	امام مسجد چک نمبر ۱۲/۷ ضلع ساہیوال	علم غیب وغیرہ سے متعلق سوالات	۸۸
3	مولوی احمد دین نوری	امام مسجد جھوک کوڑی تحصیل اوکاڑا	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد سے متعلق تحقیق	۹۰
4	مولانا عبدالکریم	حجرہ شاہ مقیم	میدان محشر سے متعلق ایک سوال	۱۲۳
5	مرکزی دارالتجوید القرآت لاہور	باہتمام انجمن حمایت القرآن لاہور	قرآن مجید کے نام سے متعلق سوال	۱۳۶
6	مولانا مفتی غلام محمود	دارالعلوم اہل سنت جہلم	نسب غوث اعظم پر شیعہ اعتراضات سے متعلق	۱۵۸
7	قاری علی محمد	موضع مہمہ	قدم غوث سے متعلق ایک سوال	۱۶۵

8	تاج محمد صدیقی	گورنمنٹ ٹیکنیکل ہائی سکول پشاور	نوعیت کبریٰ سے متعلق سوال	۱۷۷
9	ڈاکٹر مفتی ضیاء الحبیب صابری	پاک پتن	یہودی سلطنت کے قیام سے متعلق سوال	۱۹۰
10	حکیم محمد اسماعیل جگرانوی	عزیز یہ دواخانہ صدر چھاؤنی لاہور	قرآن مجید کی ایک آیت کے مرجع ضمائر کے بارے	۱۹۹
11	ابوالفتح غلام محمود ہزاروی	سیدگاہ جہلم	حضور ﷺ کے فضلات مبارکہ کی طہارت	۲۸۱
12	مولانا غلام مہر علی چشتی گولڑوی	منڈی چشتیاں شریف	ایک حدیث مبارکہ کے اصلی حوالے سے متعلق	۲۸۲

فتاویٰ نوریہ، جلد ششم

فتاویٰ نوریہ، جلد ششم، اشاعت سوم، جنوری ۲۰۰۳ء/شوال ۱۴۲۳ھ، جو ۴۱۶ صفحات پ مشتمل ہے، اس میں استفتاءات کی تعداد ۸۴ ہے، جب کہ ان کے ذیل میں ۲۹۵ مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ [ماہ نامہ نورالحبیب، صفحہ ۶۶، شمارہ ۱۲، دسمبر ۱۹۹۴ء]

اس جلد میں بھی استفتاءات کرنے والوں کی خاصی تعداد علماء و مشائخ، دردانش ور حضرات پر مشتمل ہے۔

نمبر شمار	نام	علاقہ	استفتاء	صفحہ نمبر
1	محمد بخش	سیکرٹری جامع مسجد مائی والی ساہیوال	مسجد کی چھت بطور رہائش کا حکم	۳۲۷
2	سید محمد بشیر احمد شاہ	جامع مسجد غوثیہ شاہدار ضلع ساہیوال	داڑھی کٹوانے والے حافظ کی امامت	۳۳۰
3	محمد اسلم جاوید	صدر انجمن غوثیہ سنی رضوی جامع مسجد نندیا نوالہ	مسجد سے متعلق ایک سوال	۳۳۳
4	افتخار احمد	اناڑو، کینیڈا	مختلف سوالات	۳۴۰

5	محمد عبدالشکور شاہ قادری	خطیب جامع مسجد مدینہ حافظ آباد	بچوں کی تعلیم کا مسئلہ	۳۵۴
6	ڈاکٹر سید فیض الحسن شاہ تنویر قادری	فیض العلوم فقیر والی ضلع بہاول نگر	اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام پڑھنا	۳۷۱
7	حافظ جان محمد قادری	امام مسجد ای بلاک عارف والہ	ایضاً	۳۷۳
8	مولانا محمد کریم (سلطانی)	معلم دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ (حال فیصل آباد)	عوام نجدیوں کو کافر کہنے سے متعلق سوال	۳۸۱
9	حاجی محمد یوسف	مہتمم مدرسہ جامعہ غوثیہ خواجہ محمد پناہ	اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام	۳۸۷
10	محمد عبدالغفور نوری	امام مسجد دربار میراں شاہ، پکا سدھار	نماز قرأت کی ترتیب کا مسئلہ	۳۹۳
11	قاری امتیاز حسین نقشبندی	مدرس دارالعلوم جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد	نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال	۳۹۵
12	قاری مسرور احمد	خطیب وحدت کالونی ملتان	بیٹھ کر نوافل ادا کرنے سے متعلق سوال	۴۳۳
13	محمد نور نبی نوری		نماز تسبیح سے متعلق سوال	۴۳۷
14	مولانا غلام نبی	خطیب جامع مسجد نظام پورہ تحصیل چونیاں	جمعہ کے روز عید کی صورت میں دو خطبوں کا حکم	۴۴۲
15	عبدالعزیز ایم-اے	نظام پورہ تحصیل چونیاں	ایضاً	۴۴۲
16	اکبر علی چودھری	ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ مڈل سکول نظام پورہ	ایضاً	۴۴۲
17	سید محمد عبدالغفار شاہ	چک ساہو کا بودیالہ ضلع ساہیوال	عدت میں حج پر جانے سے متعلق	۴۸۳

18	مولانا مولوی محمد اشرف	فرید ٹاؤن ساہیوال	نکاح سے متعلق سوال	۴۹۱
19	محمد اقبال مغل نوری	اورنگی ٹاؤن کراچی	اہل سنت لڑکے کا اہل حدیث لڑکی سے نکاح	۵۰۰
20	مولوی نبی محمد	معلم مدرسہ اسلامیہ مفتاح العلوم چشتیاں	طلاق سے متعلق ایک سوال	۵۰۳
21	مولوی محمد نواز احمد	امام مسجد بابا فتح شاہ راجہ جنگ تحصیل قصور	مزامیر کے بغیر قوالی کا حکم	۵۰۷
22	مولانا قاری رضا المصطفیٰ اعظمی	خطیب نیومیمن مسجد کراچی	بہار شریعت کے بعض مسائل پر محاکمہ	۵۱۲

✿✿✿✿✿

باب-۷

ماخذ نوریہ

کسی بھی مصنف کے علمی مقام ومرتبہ، اس کی ثقاہت کو جاننے اور اس کی تصنیف کا علم وتحقیق کے میدان میں مقام اور حیثیت کا تعین کرنے کے مختلف پہلو ہو سکتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ کس موضوع پر قلم اٹھا رہا ہے اور یہ کہ اس کا طریق استدلال واستنباط کیا ہے؟ جس موضوع پر خامہ فرسائی کر رہا ہے اس موضوع اور مواد کی آپس میں کیا مطابقت ہے؟ اس طرح مختلف پہلوؤں میں سے ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے استدلال وموقف کی تائید کون سی اور کس قسم کی کتب پر رکھی ہے۔ ان کتب کا اور ان کے مصنفین کا علمی مقام ومرتبہ کیا ہے؟ جس علم وفن یا شعبے سے متعلق وہ لکھ رہا ہے، اس طبقے میں اس کی ماخذ کتب کی حیثیت کس حد تک مسلمہ ہے۔ غرض یہ مختلف زاویے ہیں جن سے کسی بھی مصنف یا مولف کی کتاب کو جانچا پرکھا جا سکتا ہے۔

ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی برسوں پر محیط شبانہ روز کی عرق ریزیوں، کاوشوں اور محنت کا مجسم روپ جب فتاویٰ نوریہ کی چھ دیدہ زیب اور خوب صورت مجلدات میں اعلیٰ طبع سے مزین ہو کر منظر عام پر آیا تو جس طرح اہل علم ودانش اور صاحب فکر ونظر نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور انھیں قبولیت وپسندیدگی کی نظر سے دیکھا تو یہ اس کی ثقاہت کی ایک بین دلیل تھی۔ اس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے باوجود فتاویٰ نوریہ کے تقابلی مطالعہ کے ضمن میں اس کے ماخذ ومنابع پر تبصرہ کرنا اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ ایک عام قاری بھی ان کتابوں کی فہرست پر نظر کرے جو حضرت ممدوح کے زیر مطالعہ رہیں تا کہ وہ اس حقیقت کو جان

لے کہ حضرت فقیہ اعظم نے مسند افتاء پر بیٹھ کر خود کو عقل کل نہیں سمجھا بلکہ انہوں نے ہر سوال کے جواب میں اس کی تائید وتوثیق کے لیے اسلاف کے علمی خزانوں اور جواہر پاروں سے خوب خوب استفادہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے فتاویٰ کی بنیاد جن کتب پر رکھی وہ کسی بھی علم وفن سے متعلق ہوں یا کسی بھی علمی وفقہی مکتب فکر کی ہوں، اہل علم وفضل، ارباب دانش وبینش کے ہاں مسلمہ اور معتبر، قابل استدلال اور مستند تسلیم کی جاتی ہیں۔

حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ ہمارے ہاں پائی جانے والے مذہبی واعتقادی کش مکش کے ماحول میں جب عقیدہ وایمان سے متعلق یا کسی اور اختلافی مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہیں تو حوالہ کے طور پر اسی کتاب کو پیش کرتے ہیں جو فریق ثانی کے ہاں مسلمہ اور معتبر ہوتی ہے مثلاً دیوبندی، وہابی اور شیعہ حضرات کے کسی اعتراض کا جواب دیتے ہیں تو اس میں حوالہ بھی انہیں کی کتب کا دیتے ہیں۔ جس کا فائدہ احقاق حق کے علاوہ یہ بھی ہوتا ہے کہ فریق مخالف بھی خاموش ہو جاتا ہے اور اس کے لیے مزید اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں پورے فتاویٰ نوریہ میں عام طور پر جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ یہ کہ مسئلہ جس علم وفن سے تعلق رکھتا ہے اس کا جواب بھی اسی علم وفن کی امہات الکتب کے حوالے سے دیا گیا ہے۔ ہاں حسب ضرورت اور موقع ومحل کی نسبت سے دیگر علمی سرچشموں سے بھی سائل کی تشنگی کو دور کرنے کا پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ اسی لیے ہمیں فتاویٰ نوریہ کے مآخذ ومنابع میں درجنوں علوم وفنون کی قدیم وجدید سیکڑوں کتب کے حوالہ جات ملتے ہیں۔

ذیل میں پہلے ہم مختلف علوم وفنون کی الگ الگ اجمالی فہرست پیش کرتے ہیں، اس کے بعد چند علوم سے متعلقہ اہم کتب کا مختصر تعارف پیش کریں گے تاکہ فتاویٰ نوریہ کے قاری کو اس کے علمی مقام ومرتبہ کا تعین کرنے میں آسانی رہے۔ یوں صاحب فتاویٰ (قدس سرہ العزیز) کا علمی مقام خود بخود اس کی نظروں کے سامنے آجائے گا۔

1 کتب تفسیر

حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی کے افتاء نویسی کا اسلوب یہ ہے کہ کسی مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے آپ سب سے پہلے قرآن مجید سے اس کا جواب دیتے ہیں اور پھر بطور استشہاد ائمہ تفسیر میں سے کسی نہ کسی مفسر کا قول بھی پیش کرتے ہیں۔ حسب ضرورت یا اختلاف کی صورت میں ایک

ائمہ مفسرین کی آراء بھی پیش کر دیتے ہیں۔ یوں تو اس وقت تک سیکڑوں کتب تفسیر کا ذخیرہ علمی میدان میں موجود اور علماء کے ہاں متداول ہے لیکن فتاویٰ نوریہ میں اکثر طور پر جن تفسیر سے استفادہ کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	کتاب	مصنف	سال وفات
۱	تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب)	امام فخر الدین رازی	۶۰۶ھ
۲	ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی سعود)	قاضی ابوالسعود محمد بن محمد العماری	۹۵۱ھ
۳	الجامع لاحکام القرآن	ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱ھ
۴	تفسیر ابن کثیر	ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر	۷۷۴ھ

کتب تفسیر میں ان چاروں تفاسیر کو جو مقام و مرتبہ ہے اس سے متعلق مشہور دیوبندی عالم سید انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

''اگر کوئی کتاب کسی دوسری کتاب سے بے نیاز کر سکتی ہے تو وہ تفسیر ابن کثیر ہے جو تفسیر ابن جریر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

دوسری تفسیر کبیر امام رازی ہے، قرآن مجید کے مشکلات میں مجھے کوئی مشکل ایسی نہیں ملی جس سے امام رازی نے تعرض نہ کیا، یہ اور بات ہے کہ اس کے بارے میں جو کہا گیا ہے کہ فیہ کل شیء الا التفسیر تو یہ خواہ مخواہ اس کی جلالت قدر کو کم کر کے دکھانا ہے اور شاید یہ کسی ایسے شخص کا قول ہے جس پر روایات کا غلبہ تھا اور قرآن کریم کے لطائف و علوم کی طرف توجہ نہ تھی۔

تیسری روح المعانی، جو میرے (سید یوسف بنوری) نزدیک قرآن کریم کی ایک ایسی تفسیر ہے جیسے صحیح بخاری شرح فتح الباری۔

چوتھی تفسیر ابی السعود ہے، جس میں نظم قرآنی کو بہترین عبارت میں بیان کرنے پر خاص توجہ دی گئی ہے اور وہ بسا اوقات زمخشری کی کشاف سے بے نیاز کر دیتی ہے''---[ملخص، یتیمۃ القرآن بحوالہ علوم القرآن، تقی عثمانی، صفحہ ۵۰۶-۷]

۵	تفسیر روح المعانی	علامہ سید محمود آلوسی	۱۲۷۰ھ
۶	جامع البیان طبری	ابو جعفر محمد بن جعفر طبری	۳۱۰ھ

۷	احکام القرآن جصاص	ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص	۳۷۰ھ
۸	مدارک التنزیل نسفی	ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی	۷۱۰ھ
۹	انوار التنزیل بیضاوی	ابو سعید عبداللہ بن عمر شافعی بیضاوی	۶۹۲ھ
۱۰	لباب التاویل خازن	علی بن محمد بغدادی صوفی خازن	۷۴۱ھ
۱۱	معالم التنزیل بغوی	ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی	۵۱۶ھ
۱۲	اکلیل علی المدارک	شیخ محمد عبدالحق ہندی مہاجر مکی	۱۳۹۶ھ
۱۳	غرائب القرآن نیشاپوری	حسن بن محمد تقی نیشاپوری	۷۲۸ھ
۱۴	تفسیر در المنثور	امام جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ
۱۵	تفسیر جلالین	امام السیوطی و امام جلال الدین محلی	۸۶۱ھ
۱۶	الاتقان فی علوم القرآن	امام جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ
۱۷	البحر المحیط	الشیخ اثیر الدین ابی حیان محمد بن یوسف	
۱۸	الجامع لاحکام القرآن	امام ابو عبداللہ قرطبی	
۱۹	تفسیرات احمدیہ	الشیخ احمد المعروف ملا جیون	۱۱۳۰ھ
۲۰	تفسیر عزیزی فتح العزیز	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۲۱	تفسیر مظہری	علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ

2 کتب متن و شروحات حدیث

فتاویٰ نوریہ میں نقل حدیث کے لیے صحاح ستہ کے علاوہ اکثر طور پر جن کتب حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے احادیث لی گئیں ہیں۔ ان میں درج ذیل کتب شامل ہیں، اگرچہ ان کے علاوہ دیگر کتب حدیث سے بھی روایات نقل کی گئی ہیں، اگر فتاویٰ میں مذکور احادیث کی کتب پر تبصرہ کیا جائے تو یہ مختصر سا مقالہ طوالت اختیار کر جائے گا اس لیے چند کتب حدیث پر اشارۃً تبصرہ کرنے کے علاوہ دیگر کتب اور ان کے مصنفین کے نام ذکر کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ پہلے اجمالی فہرست ملاحظہ ہو پھر بعد میں چند اہم کتب پر تبصرہ کے سلسلہ میں ائمہ حدیث کی آراء بھی ملاحظہ کریں:

نمبر شمار	کتاب	مصنف	سال وفات
۱	مسند امام اعظم	امام اعظم نعمان بن ثابت	۱۵۰ھ

۲	موطا امام مالک	امام ابو عبداللہ مالک بن انس	۱۷۹ھ
۳	موطا امام محمد	امام محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۴	مسند ابوداؤد طیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد طیالسی	۲۰۴ھ
۵	کتاب الام	امام محمد بن ادریس شافعی	۲۰۴ھ
۶	مصنف عبدالرزاق	امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام	۲۱۱ھ
۷	مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابوبکر بن ابوشیبہ	۲۳۵ھ
۸	مسند امام احمد	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۹	سنن دارمی	ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی	۲۵۵ھ
۱۰	سنن دارقطنی	علی بن عمر بن احمد بغدادی دارقطنی	۳۸۵ھ
۱۱	مستدرک علی الصحیحین	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری	۴۰۵ھ
۱۲	کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم	۱۸۱ھ
۱۳	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی	۳۲۱ھ
۱۴	الجامع الصغیر	امام جلال الدین عبدالرحمن بن ابوبکر سیوطی	۹۱۱ھ
۱۵	زہر الربی	ایضاً	
۱۶	فتح الباری	شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۱۷	عمدۃ القاری	ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی	۸۵۵ھ
۱۸	ارشاد الساری	علامہ احمد بن محمد قسطلانی	۹۲۳ھ
۱۹	شرح مسلم للنووی	ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی	۶۷۲ھ
۲۰	حاشیہ سندھی علی النسائی	ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی	۱۱۳۷ھ
۲۱	مصفٰی شرح موطا	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم محدث دہلوی	۱۱۷۹ھ
۲۲	مسوی شرح موطا	ایضاً	
۲۳	مرقاۃ المفاتیح	ملا علی بن سلطان محمد قاری حنفی	۱۰۱۴ھ
۲۴	السنن الکبریٰ	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸ھ

فتاویٰ نوریہ میں فاضل مصنف کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کسی بھی مسئلہ میں ترتیباً صحاح ستہ بخاری

و مسلم اور سنن اربعہ میں سے حدیث لیتے ہیں، ثانیاً دیگر کتب حدیث کی طرف رجوع کرتے
ہیں۔ مثلاً فتاویٰ کی جلد اول میں نماز عید کے صحیح وقت کے بارے میں ضلع فرید پور سابق مشرقی
پاکستان حال بنگلہ دیش سے مولانا محمد کمال الدین اور مولانا عبدالکریم قادری نعیمی کے مرسلہ
سوال کے جواب میں آیات قرآنیہ سے استدلال کرنے کے بعد جب احادیث کی طرف آتے
ہیں تو پہلے صحیح مسلم، پھر سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، ترمذی سے مروی روایات نقل
کرنے کے بعد دیگر کتب حدیث مثلاً مسند ابوداؤد طیالسی، شرح معانی الآثار طحاوی، سنن [illegible]
اور آخر میں شروحات حدیث سے اپنے موقف کی تائید میں احادیث نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو
فتاویٰ نوریہ، جلد اول، صفحہ ۲۴۱، اشاعت سوم، مطبوعہ ۱۹۹۱ء/۱۴۱۲ھ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتب حدیث کو پانچ طبقات میں تقسیم
کرکے ہر ایک طبقے سے تعلق رکھنے والی کتابوں کا حکم الگ الگ بیان کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

طبقہ اولیٰ — موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم

طبقہ ثانیہ — سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند احمد بھی تقریباً اسی طبقہ میں شامل ہے۔

طبقہ ثالثہ — مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد حمید، مسند طیالسی، سنن بیہقی، طحاوی

طبقہ رابعہ — ابن عساکر، مسند دیلمی، مسند خوارزمی وغیرہ

اس کے علاوہ حضرت شاہ صاحب نے ایک طبقہ خامسہ بھی بیان کیا ہے۔ کتب حدیث کے
مذکورہ طبقات کو بیان کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:

”طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ پر محدثین کا کامل اعتماد ہے۔ انھیں ہمیشہ ان کتابوں
سے وابستگی رہی ہے لیکن طبقہ ثالثہ پس اس طبقہ کی احادیث پر عمل کرنا اور ان کا قائل
ہونا ان متبحرین محققین کا کام ہے جو اسماء الرجال اور علل احادیث کے حافظ ہوں۔
البتہ اس طبقہ کی حدیثوں سے اکثر متابعات اور شواہد ماخوذ ہوتے ہیں۔ قد جعل
اللہ لکل شیء قدرا۔ لیکن طبقہ رابعہ پس اس طبقہ کی احادیث سے شغل رکھنا،
انھیں جمع کرنا اور ان سے مسائل کا استنباط کرنا علماء متاخرین کی طرف سے ایک
طرح کا تعمق ہے“۔۔۔ [ملخصاً حجۃ اللہ البالغہ، مترجم، صفحہ ۲۵۰-۵۲]

فتاویٰ نوریہ کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری جب حضرت مولانا نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے

کسی کے اسلوب پر غور کرتا ہے تو وہ بادنیٰ غور وفکر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ حضرت صاحب موصوف حدیث لیتے ہوئے حضرت شاہ صاحب کے بیان کردہ طبقات کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہیں۔ جہاں تک احادیث اور کتب حدیث پر آپ کی نظر کا سوال ہے، یہ ایک الگ موضوع ہے، جو ہماری بحث میں شامل نہیں۔

حضرت فقیہ اعظم چونکہ ایک محقق حنفی عالم تھے، اس لیے آپ نے اپنے فتاویٰ میں جا بجا مختلف مسائل میں بالخصوص مسانید امام اعظم کے حوالہ سے حضرت سراج الامت امام اعظم ابوحنیفہ ﷺ سے مروی روایات کو بھی نقل کیا ہے۔ مسند امام اعظم سے متعلق سیدی امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا کہ میں نے امام اعظم کی مسانید ثلاثہ کا مطالعہ کیا، پس میں نے دیکھا کہ امام اعظم ثقہ اور صادق تابعین کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے، جن کے حق میں حضور ﷺ نے خیر القرون ہونے کی شہادت دی، جیسے اسود، علقمہ، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری وغیرہم، پس امام اعظم اور حضور ﷺ کے درمیان تمام راوی عدول، ثقہ اور مشہور اخیار میں سے ہیں۔ جن کی طرف کذب کی نسبت بھی نہیں کی جا سکتی اور نہ وہ کذاب ہیں'' --- [میزان الشریعۃ الکبریٰ، جلد ۱، صفحہ ۲۸]

اسی طرح مسند امام شافعی سے بھی حسب ضرورت حدیث نقل کرتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی مسند امام شافعی سے متعلق یوں فرماتے ہیں:

''مسند امام شافعی ان احادیث مرفوعہ کا مجموعہ ہے جنہیں خود امام شافعی ﷺ اپنے شاگردوں کے سامنے بمع سند بیان کرتے ہیں'' --- [بستان المحدثین، صفحہ ۷۹]

حنفی ہونے کی بنا پر امام طحاوی کی شرح معانی الآثار سے بھی آپ اپنے فتاویٰ میں احادیث نقل کرتے ہیں۔ فاضل اتقانی فخر سے یہ بات کہا کرتے تھے کہ:

''جو شخص امام طحاوی کی علمی مہارت کا اندازہ کرنا چاہتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ شرح معانی الآثار کا مطالعہ کرے، مسلک حنفی تو الگ رہا کسی مذہب سے بھی اس کتاب کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی'' --- [کشف الظنون، جلد ۲، صفحہ ۱۷۲۸، مصنفہ حاجی خلیفہ، م ۱۰۶۷ھ]

ہمارے زمانے کے مشہور محدث علامہ غلام رسول سعیدی، شارح صحیح مسلم، شرح معانی الآثار کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

''شرح معانی الآثار حدیث میں ایک عظیم تصنیف اور احناف کا سرمایۂ افتخار ہے''۔۔۔[تذکرۃ المحدثین، صفحہ ۱۶۲]

3 کتب اسماء الرجال و لغات

حدیث پر جرح و تعدیل کرنے اور مشکلات حدیث کے حل کے لیے حضرت ابوالخیر مفتی محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جن کتب پر اعتماد کیا وہ اس علم و فن کے اندر امہات الکتب کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان میں سے چند کتابوں کی فہرست درج ذیل ہے:

نمبر شمار	کتاب	مصنف	سال وفات
۱	میزان الاعتدال فی نقد الرجال	ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی	۷۴۱ھ
۲	تہذیب التہذیب	احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۳	تقریب التہذیب	احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۴	کشف الظنون	مصطفیٰ بن عبد اللہ کاتب چلپی	۱۰۶۷ھ
۵	تنقیح الرواۃ	سید ابوالوزیر احمد حسن	
۶	مجمع البحار	محمد طاہر بن علی فتنی ہندی	۹۸۶ھ
۷	الدر المنثور	امام جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی	۹۱۱ھ
۸	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم مصری	۷۱۱ھ
۹	تاج العروس	محمد سیف مرتضیٰ زبیدی حنفی	۱۲۰۵ھ
۱۰	صراح	ابوالفضل محمد بن عمر جمال قریشی	۶۸۱ھ
۱۱	منتہی الارب	شیخ عبد الرحمٰن بن عبد السلام صفوری	۸۸۴ھ
۱۲	کتاب الافعال	ابوالقاسم علی بن جعفر سعدی ابن قطاع	۵۱۵ھ
۱۳	تذہیب التہذیب	امام ذہبی	۷۴۱ھ

4 کتب اصول فقہ

فقہی مسائل کے استنباط و استدلال کے لیے اصول فقہ میں مہارت ایک بدیہی امر ہے۔ ایسا شخص جو اصول فقہ سے نابلد ہے، وہ افتاء نویسی جیسی سنگلاخ راہ پر نہیں چل سکتا۔ ہمارے ممدوح حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اس فن میں جو ملکہ اور کمال عطا فرمایا

وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ کے تحقیقی فتاویٰ جات کا مطالعہ کرتے ہوئے تو کبھی یہ گمان گزرتا ہے کہ اصول فقہ پر یہ کسی ماہر اصولی کی کتاب ہے۔ ترتیب فتاویٰ کے وقت بالعموم جو کتب اصول آپ کے سامنے رہیں ان میں سے چند کتب کے نام مع مصنفین کے ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

نمبر شمار	کتاب	مصنف	سال وفات
۱	اصول الشاشی	نظام الدین اسحاق بن ابراہیم شاشی	۳۲۵ھ
۲	مختصر المنتہی	جمال الدین عثمان بن عمر بن حاجب مالکی	۶۴۶ھ
۳	منار الانوار	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی	۷۱۰ھ
۴	تنقیح الاصول	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ	۷۴۷ھ
۵	توضیح	ایضاً	ایضاً
۶	تلویح	سعدالدین مسعود تفتازانی	۷۹۲ھ
۷	نورالانوار	شیخ احمد ملا جیون	۱۱۳۰ھ
۸	نسمات الاسحار	علامہ ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
۹	افاضۃ الانوار	سعدالدین ابوالفضائل دہلوی	۸۹۱ھ
۱۰	تحریر الاصول	علامہ ابن ہمام محقق علی الاطلاق	۸۶۱ھ
۱۱	الاشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری	۹۷۰ھ
۱۲	شرح للحموی	شہاب الدین احمد بن محمد حموی	۱۰۹۸ھ
۱۳	مسلم الثبوت	ملا محب اللہ بن نظام الدین بہاری	۱۱۱۹ھ
۱۴	شرح قاضی عضد	عضدالدین عبدالرحمن بن احمد ایجی	۷۵۶ھ
۱۵	سراج المنار	مولوی عبداللطیف بن الملک ابن ملک	۸۸۵ھ
۱۶	تیسیر التحریر	محمد امین امیر بادشاہ	
۱۷	سراج المنار لابن شامی	زین الدین عبدالرحمن بن ابوبکر ابن عینی	۸۹۱ھ/۸۹۳ھ
۱۸	حسامی	حسام الدین محمد بن عمر بن عمر	۶۴۴ھ
۱۹	نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف	علامہ ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
۲۰	کشف الاسرار فی شرح المنار	ابوالبرکات عبداللہ نسفی	۷۱۰ھ

۲۱	فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت	مولانا بحر العلوم عبد العلی	۱۲۲۵ھ

5 کتب فقہ

فتویٰ نویسی اصلاً علم فقہ کا ایک شعبہ ہے اور فقہ ایک ایسا بحر بے کنار ہے کہ کوئی بھی بڑے سے بڑا عالم و مفتی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے اس بحر عمیق کی شناوری کا حق ادا کر دیا ہے اور جہاں تک کتب فقہ کا تعلق ہے تو یہ ایک ایسا وسیع اور پر بہار چمن ہے کہ جس میں ہر طرف فقہی پھول کھلے نظر آتے ہیں، کہیں گلشن احناف تو کہیں چمنستان شوافع اپنی مہکار دکھا رہے ہیں، ایک طرف بستان حنابلہ اہل علم کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو دوسری طرف مالکیہ کا گلشن اہل فکر و دانش کو دعوت نظارہ دے رہا ہے، زیدیہ اور جعفریہ کی اپنی بہار ہے۔

سیکڑوں سے متجاوز کتب فقہ میں سے ہر کتاب ایسی نہیں کہ جس پر اعتماد کر کے احکام شرعیہ بیان کر دیا جائے بلکہ اس فن کے ماہرین نے بالخصوص ایک مفتی کے لیے جو کڑی شرائط لگائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فقہ کی ہر کتاب سے فتویٰ نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے چند متون اور شروحات کو قابل اعتبار و اعتماد قرار دیا گیا۔ اگر فتویٰ ان کے حوالے سے ہوگا تو تسلیم کیا جائے گا اور اگر ان کے علاوہ کسی ایسی کتاب پر فتویٰ کی بنیاد رکھی گئی ہو جو ان مقررہ کتب میں شامل نہیں تو فتویٰ بھی قابل قبول نہیں۔

ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم اس حوالے سے انتہائی محتاط واقع ہوئے ہیں، چنانچہ فتاویٰ نوریہ کے امتیازات میں سے جہاں قرآن و سنت سے استدلال کرنا شامل ہے وہاں اس کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے فتویٰ کی بنیاد متون معتبرہ اور شروحات مشہورہ پر رکھتے ہیں البتہ تائید و توثیق کے لیے دیگر کتب فقہ و فتاویٰ کے حوالہ جات بھی حسب ضرورت نقل کرتے ہیں۔ چند اہم کتب فقہ کے نام مع مصنفین ملاحظہ ہوں:

نمبر شمار	کتاب	مصنف	سال وفات
۱	جامع صغیر	امام محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۲	جامع کبیر	امام محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۳	حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی	
۴	الدر المختار فی شرح تنویر الابصار	محمد بن علی حصکفی	۱۰۸۸ھ

۵	ردالمحتار علی الدرالمختار	علامہ سید محمد امین بن عمر عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
۶	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	ابوبکر بن مسعود بن احمد علاؤالدین کاسانی	۵۸۷ھ
۷	کنز الدقائق	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی	۷۱۰ھ
۸	بحرالرائق شرح کنز الدقائق	زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم حنفی	۹۷۰ھ
۹	ہدایہ	علامہ برہان الدین مرغینانی	۵۹۳ھ
۱۰	کفایہ	مولانا جلال الدین خوارزمی	۷۱۱ھ
۱۱	عنایہ	محمد بن محمود بابرتی	۷۸۱ھ
۱۲	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن الہمام	۸۶۱ھ
۱۳	تبیین الحقائق	فخرالدین ابومحمد عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳ھ
۱۴	منحۃ الخالق	علامہ ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
۱۵	رمز الحقائق	بدرالدین محمد عینی	۸۵۵ھ
۱۶	وقایہ	عبداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ	۷۴۷ھ
۱۷	شرح الوقایہ	عبداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ	۷۴۷ھ
۱۸	ذخیرۃ العقبیٰ	یوسف بن جنید المعروف اخی چلپی	۹۰۵ھ
۱۹	عمدۃ الرعایہ	مولانا عبدالحی لکھنوی	۱۳۰۴ھ
۲۰	جامع الرموز	شمس الدین محمد خراسانی قہستانی	۹۶۲ھ
۲۱	غررالاحکام	ملا خسرو بن فراموز	۸۸۵ھ
۲۲	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد کاشغری	۷۰۵ھ
۲۳	نورالایضاح	حسن بن عمار وفائی شرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۲۴	مراقی الفلاح	ایضاً	۱۰۶۹ھ
۲۵	خلاصۃ الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری	۵۴۲ھ
۲۶	غنیۃ المستملی	شیخ ابراہیم بن محمد حلبی	۹۵۶ھ
۲۷	صغیری	ایضاً	ایضاً
۲۸	ملتقی الابحر	ایضاً	ایضاً

۲۹	فتاویٰ قاضی خان	فقیہ النفس حسن بن منصور اوز جندی	۵۹۲ھ
۳۰	فتاویٰ سراجیہ	سراج الدین علی بن عثمان فرغانی	۵۶۹ھ
۳۱	فتاویٰ بزازیہ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز کردری	۸۲۸ھ
۳۲	فتاویٰ غزیہ	محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی	۱۰۰۴ھ
۳۳	فتاویٰ خیریہ	علامہ خیرالدین بن احمد رملی	۱۰۸۱ھ
۳۴	فتاویٰ برھنہ	نصیر الدین مینائی	۱۰ویں صدی
۳۵	فتاویٰ ہندیہ	علامہ نظام الدین برھان پوری	۱۱۰۴ھ
۳۶	فتاویٰ رشیدیہ	مولانا رشید احمد گنگوہی	
۳۷	مجموعۃ الفتاویٰ	مولانا عبدالحی لکھنوی	۱۳۰۴ھ
۳۸	فتاویٰ عزیزیہ	شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی	۱۲۳۹ھ
۳۹	العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ	شاہ احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ

فقہ حنفی کی یہاں چند کتب کی فہرست ہے جو فتاویٰ نوریہ کی ترتیب کے وقت حضرت مصنف کے پیش نظر رہیں، ان کے علاوہ درجنوں کتب ہیں جن کو طوالت کے خوف کے پیش نظر نہیں لکھا گیا۔ اگر کوئی ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق کرنا چاہے تو براہِ راست فتاویٰ نوریہ کا مطالعہ کرے تو یقیناً صاحب فتاویٰ کی دقت نظر، وسعت مطالعہ اور کمال فقاہت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ پھر اگر فہرست میں دی گئی کتب کا مختصر تعارف و اہمیت بھی بیان کی جائے تو اس کے لیے الگ دفتر درکار ہے۔

کتب مذاہب مختلفہ

حضرت مفتی صاحب محض کولہو کے بیل نہیں تھے کہ جو مسئلہ پوچھا جائے وہ اگر فقہ حنفی کی کتب میں نہیں ملا یا حالات زمانہ کی تبدیلی کے باعث مذہب حنفی نے ساتھ نہیں دیا تو اس مسئلہ کا جواب ہی نہ لکھیں بلکہ آپ کی دوسرے مذاہب پر بھی پوری نظر تھی، اس لیے جہاں کسی مسئلے پر تحقیق کرتے ہوئے فقہاء احناف کی تحقیقات سے استفادہ کرتے وہاں مذاہب مختلفہ کی کتب اور مستند آخذ بھی آپ کے پیش نظر رہتے تھے اور حسب ضرورت اپنے فتویٰ میں ان کے حوالہ جات بھی پیش کرتے تھے۔ جس کسی نے بھی آپ کے علمی و تحقیقی شاہکار فتاویٰ نوریہ کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے۔ فتاویٰ نوریہ کے مآخذ میں شامل مذاہب مختلفہ کی چند کتب مع مصنفین کے نام ملاحظہ ہوں:

نمبر شمار	کتاب	مصنف	سال وفات
۱	کتاب الام	ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی	۲۰۴ھ
۲	المغنی	ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ	۶۲۰ھ
۳	الشرح الکبیر	ابو الفرج عبدالرحمن بن محمد بن قدامہ مقدسی	۶۸۲ھ
۴	الاقناع مطالب الانتفاع	شرف الدین موسیٰ بن احمد بن سالم مقدسی	۹۶۸ھ
۵	رحمۃ الامۃ	شیخ محمد بن عبدالرحمن دمشقی شافعی	
۶	میزان الشعرانی	سید عبدالوھاب بن احمد شعرانی	۹۷۳ھ
۷	محلی ابن حزم	ابو محمد علی بن احمد بن حزم ظاہری	۴۵۶ھ
۸	نیل الاوطار	محمد بن علی شوکانی	۱۲۵۰ھ
۹	کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ	علامہ عبدالرحمن الجزیری	
۱۰	کشاف القناع عن متن الاقناع	منصور بن یونس بن ادریس بھوتی	۱۰۵۱ھ
۱۱	الحاوی للفتاوی	علامہ جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ
۱۲	المدونۃ الکبریٰ	ابو عبداللہ عبدالرحمن بن قاسم مالکی	۱۹۱ھ
۱۳	الموافقات فی اصول الشریعۃ	امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی	۷۹۰ھ
۱۴	بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد	ابو الولید محمد بن احمد بن رشد	۵۹۵ھ
۱۵	الاحکام السلطانیہ	قاضی ابو یعلیٰ محمد بن حسین فراحنبلی	۴۵۸ھ
۱۶	اعلام الموقعین	علامہ ابن قیم حنبلی	۷۵۲ھ

6 کتب عقائد

عقائد سے متعلق پوچھے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے علم کلام کی امہات الکتب کو بنیاد بنایا گیا ہے، اگر مسئلہ موجودہ خلافیات مثلاً حاضر و ناظر، علم غیب اور میلاد و ایصال ثواب وغیرہ کے بارے میں تھا تو جواب میں قرآن و حدیث کے دلائل ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ منکرین کی مستند کتب سے بھی استفادہ کرتے ہوئے حوالہ جات پیش کیے گئے ہیں، اس سلسلہ میں اگرچہ محولہ کتاب اس علم سے تعلق نہیں رکھتی لیکن اثبات عقیدہ کے لیے اس پر اعتماد کر لیا گیا ہے۔ ذیل میں چند کتابوں کے نام درج کیے گئے ہیں:

نمبر شمار	کتاب	مصنف	سال وفات
۱	فقہ اکبر	امام اعظم نعمان بن ثابت	۱۵۰ھ
۲	شرح فقہ اکبر	ملا علی قاری حنفی	۱۰۱۴ھ
۳	العقائد	نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد	۵۳۷ھ
۴	شرح العقائد	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۱ھ
۵	مواقف	قاضی عضد الدین احمد بن یحیٰ	۷۵۶ھ
۶	شرح مواقف	سید میر شریف علی بن محمد جرجانی	۸۱۶ھ
۷	حاشیہ ملا عبدالحکیم	عبدالحکیم بن شمس محمد سیالکوٹی	۱۰۶۷ھ
۸	المسایرۃ فی علم الکلام	علامہ کمال الدین ابن ہمام	۸۶۱ھ
۹	کتاب الروح	علامہ ابن قیم	۷۵۱ھ
۱۰	البدور السافرہ	علامہ جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ
۱۱	شرح الصدور	علامہ جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ
۱۲	تذکرۃ الموتیٰ	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۹۵ھ
۱۳	تکمیل الایمان	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۴	تقویۃ الایمان	مولوی اسماعیل دہلوی	
۱۵	طوالع الانوار	عبداللہ بن عمر قاضی بیضاوی	۶۸۵ھ
۱۶	مطالع الانظار	س الدین بن محمود اصفہانی	۷۴۹ھ
۱۷	صراط مستقیم	سید احمد بریلوی	

7 کتب تصوف و سیرت

فقہ و تصوف کا جو آپس میں تعلق ہے وہ حضرت سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد گرامی سے بخوبی جانا جا سکتا ہے:

من تفقہ و لم یتصوف قد تفسق و من تصوف و لم یتفقہ فقد تزندق و من جمع بینھما فقد تحقق ---- [مرقاۃ المفاتیح، جلد ا، صفحہ ۲۵۶]

''جو فقہ میں ماہر ہو اور تصوف سے نابلد ہو یقیناً فسق کا مرتکب ہوا اور جو تصوف

میں ڈوب گیا اور فقہ سے بے بہرہ رہا وہ زندیق ہو گیا اور جس نے (فقہ و تصوف) دونوں کو جمع کیا وہ حقیقت کو پا گیا"---

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شریعت بغیر طریقت کے نرا فلسفہ ہے اور طریقت بغیر شریعت کے زندقہ و الحاد ہے"---[تسہیل قصد السبیل، صفحہ ۸، بحوالہ امداد الاحکام، جلد ۱، صفحہ ۱۵]

حضرت سیدنا امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوفی اور تصوف کی بڑی جامع تعریف فرماتے ہیں:

هل رايت فقيها بعينيک؟ انما الفقيه الزاهد في الدنيا الراغب في الآخرة البصير بدينه المداوم على عبادة ربه الورع الكاف عن اعراض المسلمين العفيف عن اموالهم الناصح لجماعتهم---[ردالمختار، جلد ۱، صفحہ ۳۵/مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ، جلد ۱، صفحہ ۲۶۷]

"تم نے آنکھوں سے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کا طلب گار ہو، اپنے دین کی بصیرت رکھتا ہو، اپنے رب کی عبادت میں لگا رہے، متقی ہو، مسلمانوں کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرتا ہو، ان کے مال و دولت سے بے تعلق ہو اور جماعت مسلمین کا خیر خواہ ہو"---

محولہ بالا تین عبارات سے فقہ و تصوف کی اہمیت خوب واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ تعریف کی روشنی میں حضرت فقیہ اعظم، محض ایک ظاہری علم رکھنے والے ہی نہیں تھے بلکہ آپ مذکورہ تعریف کی مجسم تشریح تھے۔ چونکہ آپ تصوف کی [illegible] اور نزاکتوں سے پوری طرح آگاہ تھے، اس لیے بہت سے لوگ جن میں علماء و مشائخ بھی [illegible] ہیں آپ سے مسائل تصوف میں بھی راہنمائی لیتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ تصوف و [illegible]نیت سے متعلق سوالات کا جواب دیتے تو اس وقت ایک کامل صوفی کی صورت میں تصوف کی [illegible] کتب کے شناور نظر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کے جوابات کا منبع قرون اولیٰ کے اصفیاء [illegible] نگارشات ہوتی تھیں۔ چند اہم کتب کے نام ملاحظہ ہوں:

کتاب	مصنف	سال وفات
قوت القلوب	ابو طالب محمد بن علی حارثی مکی	۳۸۶ھ

۲	کشف المحجوب	سید علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش	۴۶۵ھ
۳	فتوح الغیب	سید ابو محمد عبد القادر جیلانی غوث اعظم	۵۶۱ھ
۴	احیاء العلوم	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۶۳۸ھ
۵	عوارف المعارف	شیخ شہاب الدین سہروردی	۶۳۲ھ
۶	فتوحات مکیہ	ابو عبد اللہ محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸ھ
۷	الیواقیت والجواہر	سید عبد الوہاب شعرانی	۸۷۳ھ
۸	مکتوبات شریف	شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی	۱۰۳۴ھ
۹	الابریز	سیدی عبد العزیز دباغ	۱۱۳۰ھ
۱۰	شرح فتوح الغیب	شاہ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ

8 کتب نحو

فہم عبارت کے لیے علم نحو کا جاننا از حد ضروری ہے، کوئی بڑے سے بڑا عالم شخص اس علم … بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ ایسا شخص جو علم نحو سے نا آشنا ہے وہ عربی عبارت کو سمجھنا تو درکنار، ایک سطر … پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ حضرت فقیہ اعظم علم صرف میں تو خود ایک کتاب کے مصنف تھے … لیکن آپ کو علم نحو میں جو درک حاصل تھا اس کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ کوئی فتویٰ لکھتے … ہوئے جب بھی آپ کو کوئی نحوی مسئلہ دیکھنا ہوتا تو آپ ہمیشہ امہات کتب نحو کو ہی دیکھتے اور … مشکل کا حل تلاش کرتے۔ اس سلسلہ میں عام طور پر نحو کی جو بنیادی کتب آپ کے زیر مطالعہ رہیں …

وہ درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	کتاب	مصنف	سال وفات
۱	کافیہ	شیخ جمال الدین ابن حاجب	۶۴۶ھ
۲	شرح جامی	مولانا عبد الرحمٰن جامی	۸۹۸ھ
۳	غایۃ التحقیق	صفی بن نصیر بن نظام الدین اشرفی	۸۱۹ھ
۴	رضی	محمد بن حسن الشیخ رضی	۸۱۹ھ
۵	تکملہ عبد الغفور	مولانا عبد الغفور	

✿✿✿✿✿

باب-۸
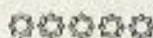
اماکن نوریہ

فتاویٰ نوریہ کا مطالعہ کرتے ہوئے جب پاکستان بھر بلکہ پوری دنیا کے اطراف واکناف میں واقع مختلف ممالک، شہروں اور دیہاتوں کے نام پڑھنے کو ملتے ہیں تو قاری کو صاحب فتاویٰ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کے "مرکز دائرۂ تحقیق" ہونے کا خوش گوار احساس ہوتا ہے اور وہ اس عظیم کتاب میں استفتاءات کو پڑھتے پڑھتے دنیا کی سیر بھی کرتا چلا جاتا ہے۔ یوں اسے جغرافیائی نقطۂ نظر سے بھی معلومات میں اضافہ کرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ فتاویٰ نوریہ کے مطالعہ سے احکام شرعیہ سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس حوالے سے بھی آگاہی حاصل کرتا چلا جاتا ہے کہ فلاں ملک میں کون سا شہر ہے اور یہ کہ پاکستان میں کس صوبہ میں کون سا ضلع پایا جاتا ہے اور اس کی تحصیل کون کون سی ہے، بلکہ یہاں تک کہ اس ضلع و تحصیل میں کون کون سے گاؤں واقع ہیں۔

سیکڑوں کی تعداد میں شہروں اور دیہاتوں کے نام پڑھنے سے اس امر کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مصنف نے بصیر پور جیسے دور دراز اور ہر قسم کی ظاہری ترقی سے محروم اور خالص دیہاتی علاقے میں بیٹھ کر کس طرح پاکستان ہی نہیں بلکہ مغرب ویورپ تک دین مصطفوی کی روشنی پھیلائی ہے؟ اطراف واکناف عالم سے آنے والے استفتاءات یقیناً آپ کی عالم گیر شہرت اور مسلمانانِ عالم کا آپ کے تفقہ فی الدین پر اعتماد اور ثقاہت علمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ذیل میں مجلدات کی ترتیب کے ساتھ "اماکن نوریہ" کی ایک اجمالی فہرست دی جارہی ہے

...قاری کے لیے فیضانِ نوریہ کی وسعت کا ایک نظر میں جائزہ لینا آسان ہو جائے۔ اماکن کی زیرِ نظر فہرست کو حسبِ ذیل طریقہ پر مرتب کیا گیا ہے۔

۱ اس باب کو چار کالموں میں تقسیم کیا گیا ہے
۲ پہلے کالم میں چک یا گاؤں کا نام
۳ دوسرے کالم میں تحصیل کا نام
۴ تیسرے کالم میں ضلع کا نام
۵ چوتھے کالم میں اس جلد کا صفحہ نمبر دے دیا گیا ہے

صاحبِ فتاویٰ نوریہ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ نے تقریباً نصف صدی تک افتاء کی خدمات سر انجام دی ہیں۔ ظاہر ہے اس دوران تقسیمِ ہند کی صورت پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو اضلاع وعلاقہ جات کی تقسیم کے سلسلہ میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور پھر ایسا بھی ہوا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی قصبات نے ترقی کر کے شہروں کی صورت اختیار کر لی۔ نئے نئے اضلاع اور تحصیلیں معرضِ وجود میں آئیں، کئی شہروں کے نئے نام رکھ دیے گئے، یوں سائل نے جب سوال پوچھا تھا تو اس کا ضلع اور تحصیل مختلف تھے مگر بعد میں نئے اضلاع بننے کی وجہ سے کئی جغرافیائی تبدیلیاں کی گئیں، مگر ریکارڈ میں فتاویٰ کے رجسٹروں میں تو وہی پرانے ضلع و تحصیل لکھے ہوئے تھے، اس لیے مرتبِ فتاویٰ نے زیادہ تر ان پرانے ناموں کو ہی برقرار رکھا ہے، اس لیے زیرِ نظر جائزہ میں بھی بالعموم اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ترتیبِ اماکن کے وقت سب سے پہلے صوبہ پنجاب، پھر سرحد، بلوچستان، سندھ اور آزاد کشمیر سے آمدہ استفتاءات کے حوالے سے ترتیب وار اماکن کی نشان دہی کی گئی ہے اور اس کے بعد بیرونی ممالک اور ان کے شہروں کے نام لکھے گئے ہیں۔

آیئے ذیل میں اماکنِ نوریہ کی ایک مختصر فہرست دیکھتے ہیں۔

صوبہ پنجاب جلد 1

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ضلع	صفحہ
۱	کنڈووال	دیپال پور	ساہیوال	۱۱۳

۲	میاں چنوں	خانیوال	ملتان	۱۱۴
۳	بنگلہ ولو		ساہیوال	۱۱۵
۴	شہر فرید			۱۲۸
۵	چنڈی مہاراں والی	دیپال پور	ساہیوال	۱۳۳
۶	کوٹھی نور شاہ			۱۴۲
۷	ملیکے نو	پاک پتن شریف		۱۴۳
۸	مریدکے		شیخوپورہ	۱۴۶
۹	چک 31/E.B	پاکپتن	ساہیوال	۱۴۷
۱۰	فتوٹ	کوہ مری	راولپنڈی	۱۴۸
۱۱	چیمبرلائن روڈ		لاہور	۱۵۰
۱۲	شاہ یکہ	دیپال پور	اوکاڑا	۱۵۲
۱۳	چک 20/1.L		اوکاڑا	۱۵۳
۱۴	چک 58/5.L گنوں	اوکاڑا	ساہیوال	۱۸۳
۱۵	سبزی منڈی		لائل پور (فیصل آباد)	۱۹۳
۱۶	دفتر ڈائریکٹر وقف املاک		لاہور	۱۹۳
۱۷	گڑھ فتح شاہ	سمندری	لائل پور (فیصل آباد)	۱۹۶
۱۸	وحدت کالونی		ملتان	۱۹۷
۱۹	حویلی لکھا	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۲۰۰
۲۰	اتاری	دیپال پور	اوکاڑا	۲۰۱
۲۱	ساہیوال		ساہیوال	۲۰۷
۲۲	نیا محلہ		جہلم	۲۱۷
۲۳	بریت حویلی لکھا	دیپال پور	اوکاڑا	۲۶۵
۲۴	وساوے والا	دیپال پور	ساہیوال	۲۶۹

۲۵	چک 84/9.L			۲۷۲
۲۶	کوٹ قاضی		ملتان	۲۷۳
۲۷	چک 297/ج۔ب	ٹوبہ ٹیک سنگھ	لائل پور (فیصل آباد)	۲۷۴
۲۸	دارالعلوم عالیہ عربیہ		منٹگمری (ساہیوال)	۲۷۹
۲۹	چک نمبر 45/4.L			۳۰۴
۳۰	وزیر آباد			۳۱۱
۳۱	ریلوے اسٹیشن	ٹوبہ ٹیک سنگھ	فیصل آباد	۳۱۴
۳۲	بھیڑ سوہڈیاں		لائل پور (فیصل آباد)	۳۱۸
۳۳	چیچہ وطنی		منٹگمری (ساہیوال)	۳۲۰
۳۴	جسوکے گوردۃ	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۳۲۱
۳۵	ٹھاکر دو حویلی لکھا	دیپال پور	اوکاڑا	۳۲۲
۳۶	نسبت پورہ			۳۲۴
۳۷	پتوکی		قصور	۳۲۵
۳۸	ٹبہ عالم گیر	فورٹ عباس	بہاول نگر	۳۲۶
۳۹	سرون	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۳۲۷
۴۰	چک 58/5.L گنوں	اوکاڑا	منٹگمری (ساہیوال)	۳۲۹
۴۱	چک 4/1.L		منٹگمری (ساہیوال)	۳۳۰
۴۲	[illegible]	پاکپتن شریف	منٹگمری (ساہیوال)	۳۳۳
۴۳	چک 43/S.P			۳۳۶
۴۴	جامعہ غوثیہ نظامیہ	وزیر آباد		۳۳۷
۴۵	چک 10/S.P			۳۳۹
۴۶	کالا گیٹ		جہلم	۳۵۱
۴۷	بخشی مارکیٹ		جہلم	۳۵۳

۴۸	بہاول داس	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۳۵۶
۴۹	ولتوہا	دیپال پور	اوکاڑا	۳۵۷
۵۰	لوکوشیڈ		لاہور	۳۶۰
۵۱	لدھیوال	دیپال پور	اوکاڑا	۳۶۱
۵۲	گول چکر		منٹگمری (ساہیوال)	۳۶۸
۵۳	منٹگمری		منٹگمری (ساہیوال)	۴۱۷
۵۴	دار العلوم عالیہ عربیہ منٹگمری		منٹگمری (ساہیوال)	۴۲۷
۵۵	کوٹ رادھا کشن		لاہور	۴۲۶
۵۶	جامعہ محمدیہ رضویہ		رحیم یار خان	۴۶۷
۵۷	سمندری		لائل پور (فیصل آباد)	۴۹۱
۵۸	بصیر پور		اوکاڑا	۵۰۱
۵۹	ملکہ ہانس	پاکپتن شریف	منٹگمری (ساہیوال)	۵۱۰
۶۰	دار العلوم جامعہ حنفیہ قصور		قصور	۵۱۸
۶۱	جامعہ غوثیہ گجرات		گجرات	۵۲۲
۶۲	چک 43/S.P			۵۲۵
۶۳	پھلروان			۵۲۷
۶۴	کچا کھوہ	خانیوال	ملتان	۵۳۶
۶۵	رینالہ خورد	اوکاڑا	منٹگمری (ساہیوال)	۵۴۰
۶۶	الجامعۃ العلوم المدرسۃ الغوثیہ	خوشاب	سرگودھا	۵۴۳
۶۷	رینالہ خورد	اوکاڑا	منٹگمری (ساہیوال)	۵۴۸
۶۸	چک نمبر 211 فوجیانوالا		منٹگمری (ساہیوال)	۵۵۸
۶۹	جیکب لائن صدر		کراچی	۵۶۳

۷۰	حجرہ شاہ مقیم	دیپال پور	اوکاڑا	۵۶۶
۷۱	حجرہ شاہ مقیم	دیپال پور	اوکاڑا	۵۶۸
۷۲	قادر آباد	دیپال پور	اوکاڑا	۵۷۱
۷۳	چک 147/9.L		منٹگمری (ساہیوال)	۵۷۲
۷۴	بورے والا		ملتان	۵۸۶
۷۵	بسنت پورہ		منٹگمری (ساہیوال)	۵۸۷
۷۶	مہروک		منٹگمری (ساہیوال)	۵۸۹
۷۷	ملکہ ہانس	پاک پتن		۵۹۰
۷۸	دارالعلوم اہل سنت		جہلم	۵۹۲
۷۹	کچا کھوہ		ملتان	۵۹۳
۸۰	منچریاں	دیپال پور	اوکاڑا	۵۹۶
۸۱	منچریاں	دیپال پور	اوکاڑا	۶۰۵
۸۲	رکن پورہ	دیپال پور	اوکاڑا	۶۰۶
۸۳	پختہ ڈولہ	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۶۲۰
۸۴	قلعہ دیوا سنگھ	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۶۵۳
۸۵	ڈولو وال	دیپال پور	اوکاڑا	۶۶۰
۸۶	رائے ونڈ		لاہور	۶۶۳
۸۷	کماں اسلام پور			۶۶۷
۸۸	چک 31/4.L		منٹگمری (ساہیوال)	۶۷۰
۸۹	حجرہ شاہ مقیم	دیپال پور	اوکاڑا	۶۷۷
۹۰	شاہو بلوچ	پاکپتن شریف	منٹگمری (ساہیوال)	۶۸۲
۹۱	کرم پور	میلسی	ملتان	۶۸۳
۹۲	گھاس منڈی		ساہیوال	۶۹۲

جلد 2

۶	بنگ	دیپال پور	اوکاڑا	۱۱۸
۷	پاک پتن	پاکپتن		۱۲۲
۸	حجرہ شاہ مقیم	دیپال پور	اوکاڑا	۱۲۳
۹	منٹگمری (ساہیوال)		منٹگمری (ساہیوال)	۱۲۵
۱۰	حجرہ شاہ مقیم		منٹگمری (ساہیوال)	۱۲۶
۱۱	تونسہ شریف		منٹگمری (ساہیوال)	۱۲۷
۱۲	چیچہ وطنی		منٹگمری (ساہیوال)	۱۲۹
۱۳	حجرہ شاہ مقیم		منٹگمری (ساہیوال)	۱۳۶
۱۴	منکیرہ	بھکر	میانوالی	۱۳۹
۱۵	منگو منڈی		وہاڑی	۱۳۸
۱۶	چک 41/E.B		ساہیوال	۱۵۵
۱۷	میونسپل کمیٹی		ملتان	۱۷۵
۱۸	جامعہ رضویہ ضیاء العلوم		راولپنڈی	۱۷۸
۱۹	باقر کے بہار	دیپال پور	اوکاڑا	۲۰۰
۲۰	ہیرا سنگھ	دیپال پور	اوکاڑا	۲۰۱
۲۱	کچا کھوہ		ملتان	۲۰۳
۲۲	مہروک کلاں	دیپال پور	اوکاڑا	۲۰۹
۲۳	حویلی لکھا	دیپال پور	اوکاڑا	۲۱۱
۲۴	بورے والا		وہاڑی	۲۱۷
۲۵	قلعہ سوبھا رام		سیالکوٹ	۲۳۷
۲۶	چک نمبر 5، رتی ارائیاں		شیخوپورہ	۲۶۷
۲۷	موضع اسمٰعیل اعوان	ڈسکہ	سیالکوٹ	۲۶۹
۲۸	مدرسہ مصباح العلوم	میلسی	ملتان	۲۷۰

۲۹	چک 235/E.B	پاکپتن	ساہیوال	۳۰۰
۳۰	مدرسہ امینیہ رضویہ محمد پورہ		لائل پور (فیصل آباد)	۳۰۲
۳۱	چوکی		قصور	۳۲۳
۳۲	چک 53/15.L			۳۲۴
۳۳	بابالا		اوکاڑا	۳۲۶
۳۴	چک 62/D		اوکاڑا	۳۲۷
۳۵	منگاکھڈال	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۳۳۰
۳۶	چک انائیں		منٹگمری (ساہیوال)	۳۳۱
۳۷	کھڈیاں		قصور	۳۳۲
۳۸	کھوتی پور		اوکاڑا	۳۳۳
۳۹	چک 28/4.L	اوکاڑا	منٹگمری (ساہیوال)	۳۳۴
۴۰	اقبال پورہ			۳۳۶
۴۱	ستلج کاٹن ملز		اوکاڑا	۳۳۸
۴۲	اوان کلاں			۳۴۰
۴۳	مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان		لاہور	۳۴۳
۴۴	منڈی ہیرا سنگھ	دیپال پور	اوکاڑا	۳۵۱
۴۵	وجھلانہ	دیپال پور	اوکاڑا	۳۵۵
۴۶	جندیکا	دیپال پور	اوکاڑا	۳۵۶
۴۷	روہیلا	دیپال پور	اوکاڑا	۳۵۷
۴۸	بونگہ صالح	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۳۸۵
۴۹	پیر غنی	پاکپتن شریف	منٹگمری (ساہیوال)	۴۰۱
۵۰		بورے والا	ملتان	۴۰۷
۵۱	سعداللہ پور	پاکپتن	منٹگمری (ساہیوال)	۴۱۳

۵۲	چک18/I.R	اوکاڑا	منٹگمری (ساہیوال)	۳۱۶
۵۳	چک12/5.P	پاکپتن شریف	منٹگمری (ساہیوال)	۳۱۸
۵۴	چک19/1.R		اوکاڑا	۳۲۰
۵۵	راندوہن چاہ ملکھی والا	ملتان	ملتان	۳۲۱
۵۶	بورے والا	بورے والا		۳۲۲
۵۷	چک37/4.B		وہاڑی	۳۲۴
۵۸	چک19/1.R		اوکاڑا	۳۲۶
۵۹	عارف والا	عارف والا		۳۲۸
۶۰	منگھرہ		منٹگمری (ساہیوال)	۳۲۹
۶۱	شیر گڑھ	دیپال پور	ساہیوال	۳۳۰
۶۲	ڈولہ سلطان	دیپال پور	ساہیوال	۳۳۲
۶۳	پھلائی والا	جڑانوالا	لائل پور (فیصل آباد)	۳۳۳
۶۴	چک99/9.L		ساہیوال	۳۳۴
۶۵	فرید پور جاگیر	دیپال پور		۳۳۵
۶۶	موسیٰ وال		پاک پتن	۳۳۶
۶۷	جگیاں رحموں والیاں		اوکاڑا	۳۳۷
۶۸	دوتا کھوکھرانوالا		بہاول پور	۳۳۸
۶۹	چک19/1.R		منٹگمری (ساہیوال)	۳۳۸
۷۰	ٹبیاں ٹبیاں			۳۴۰
۷۱	شاہ یکہ	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۳۴۱
۷۲	ڈھمی	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۳۴۲
۷۳	ہری ہر	قصور (حال ضلع)	لاہور	۳۴۳
۷۴	بورے والا	بورے والا	ملتان شریف	۳۴۶

۷۵	رائے ونڈ		لاہور	۳۵۰
۷۶	انبائیں		اوکاڑا	۳۵۶
۷۷	سومیاں		منٹگمری (ساہیوال)	۳۵۷
۷۸	فرید پور سہاگ جاگیر		منٹگمری (ساہیوال)	۳۶۱
۷۹	کیڑیانوالی		منٹگمری (ساہیوال)	۳۶۲
۸۰	واسو سالم کا	دیپال پور		۳۶۴
۸۱	لالوگدڑ		اوکاڑا	۳۶۷
۸۲	تارو ملیکا		پاک پتن	۳۶۸
۸۳	روہیلا تیجے کا	دیپال پور	اوکاڑا	۳۷۳
۸۴	ڈھنگ پال	پاکپتن شریف	منٹگمری (ساہیوال)	۳۷۵
۸۵	ملکہ ہانس	پاکپتن شریف	منٹگمری (ساہیوال)	۳۷۷
۸۶	بھسیر پور		اوکاڑا	۳۷۹
۸۷	جاگووالا چک نمبر 40	چونیاں (حال ضلع قصور)	لاہور	۳۸۱
۸۸	خونی چک		گجرات	۳۸۳
۸۹	جمال کوٹ کھگا		اوکاڑا	۳۸۹
۹۰	بھرت گڑھ		اوکاڑا	۳۹۲
۹۱	ادھوپاڑی	دیپال پور	اوکاڑا	۳۹۳
۹۲	چک 223			۳۹۵
۹۳	وساوے والا		منٹگمری (ساہیوال)	۳۹۶
۹۴	پاک پتن	پاک پتن (حال ضلع)		۳۹۸
۹۵	بھسیر پور	دیپال پور	اوکاڑا	۵۰۱
۹۶	سونچکے		منٹگمری (ساہیوال)	۵۰۵
۹۷	چک 18/1.R	اوکاڑا	منٹگمری (ساہیوال)	۵۰۷

نمبر	مقام	تحصیل	ضلع	صفحہ
۹۸	کنڈووال کلاں	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۰۸
۹۹	منڈی ہیرا سنگھ		منٹگمری (ساہیوال)	۵۰۹
۱۰۰	موہلاں			۵۱۱
۱۰۱	ہرے کے		منٹگمری (ساہیوال)	۵۱۲
۱۰۲	نقشہ	پاکپتن شریف		۵۱۳
۱۰۳	جلال کوٹ			۵۱۷
۱۰۴	چک 28/4.Z	اوکاڑا	منٹگمری (ساہیوال)	۵۱۸
۱۰۵	مہاجر شاہ پور	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۱۹
۱۰۶	چک 180/9.L		ساہیوال	۵۲۲
۱۰۷	سکھا لا دھوکا	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۲۳
۱۰۸	دیپال پور	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۲۵
۱۰۹	مغل پورہ		لاہور	۵۲۸
۱۱۰	چک 43/S.P	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۲۹
۱۱۱	ملکے تارو	پاک پتن شریف		۵۳۳
۱۱۲	میانوالی خاص		میانوالی	۵۳۹
۱۱۳	چک 34/4.L		منٹگمری (ساہیوال)	۵۴۱
۱۱۴	گگو منڈی	بورے والا	وہاڑی	۵۴۲
۱۱۵	کمال اسلام پور		منٹگمری (ساہیوال)	۵۴۳
۱۱۶	چک نور محمد			۵۴۸
۱۱۷	ساہا		منٹگمری (ساہیوال)	۵۷۷
۱۱۸	چک 42/D			۵۷۸
۱۱۹	نیا محلہ		جہلم	۵۸۰
۱۲۰	جامع مسجد عید گاہ		جہلم	۵۸۳

۱۲۱	کھگا مہر شاہ			۵۸۸
۱۲۲	جمال کوٹ		اوکاڑا	۵۹۰
۱۲۳	دیول شریف	کوہ مری	راولپنڈی	۵۹۳
۱۲۴	شہامد	دیپالپور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۹۵
۱۲۵	دیوا سنگھ	دیپالپور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۹۹
۱۲۶	ساہیوال			۶۰۴
۱۲۷	پاکپتن شریف			۶۰۷
۱۲۸	چک 4/R		اوکاڑا	۶۱۱
۱۲۹	ڈسکہ		سیالکوٹ	۶۱۳
۱۳۰	لالو پور	دیپالپور	منٹگمری (ساہیوال)	۶۱۴
۱۳۱	چک 161/E.B		منٹگمری (ساہیوال)	۶۱۷
۱۳۲	رتیاں مہیاں		منٹگمری (ساہیوال)	۶۱۸
۱۳۳	کالونی ضلع کاٹن ملز		اوکاڑا	۶۲۰
۱۳۴	ٹھٹھہ سید علی			۶۲۲
۱۳۵	شیر گڑھ		منٹگمری (ساہیوال)	۶۲۸
۱۳۶	وہاڑی بازار	بورے والا		۶۲۹
۱۳۷	چک 100/D.B	منڈی یزمان	بہاولپور	۶۳۱
۱۳۸	پاک پتن			۶۳۲
۱۳۹	چک نمبر 128/9.L		ساہیوال	۶۳۵
۱۴۰	چک کبوہ (حجرہ شاہ مقیم)	دیپالپور	ساہیوال	۶۴۱
۱۴۱	پاک پتن شریف			۶۴۵
۱۴۲	منڈی ہیرا سنگھ	دیپالپور	اوکاڑا	۶۴۷
۱۴۳	چشتیاں شریف		بہاول نگر	۶۵۰

۱۴۴	چک بیدی	پاک پتن شریف		۶۵۵
۱۴۵	حجرہ شاہ مقیم	دیپال پور	اوکاڑا	۶۶۴
۱۴۶	43/S.P کھرپے		منٹگمری (ساہیوال)	۶۷۳
۱۴۷	چک ٹوانہ			۶۷۵
۱۴۸	جمال کوٹ	دیپال پور	ساہیوال	۶۷۷
۱۴۹	بصیر پور	دیپال پور	اوکاڑا	۶۸۰
۱۵۰	28/4.L	اوکاڑا	منٹگمری (ساہیوال)	۶۸۴
۱۵۱	چک بیدی، ٹاٹھ سر	پاک پتن شریف		۶۸۵
۱۵۲	رکن پورہ	دیپال پور		۶۸۶
۱۵۳	وساوے والا		منٹگمری (ساہیوال)	۶۸۸
۱۵۴	چک 219 لکھانوالا			۶۹۰
۱۵۵	حویلی لکھا	دیپال پور	اوکاڑا	۶۹۱
۱۵۶	گدھوکا		بہاول پور	۶۹۳
۱۵۷	بصیر پور	دیپال پور	اوکاڑا	۶۹۵
۱۵۸	چک 33/D			۶۹۷
۱۵۹	پناہ نگر			۶۹۸
۱۶۰	ملی نوالا			۷۰۰
۱۶۱	چک 97/6.R		ساہیوال	۷۰۵
۱۶۲	چک 5 رتیاں ارائیاں		شیخوپورہ	۷۰۶
۱۶۳	کوٹ لالیانوالا			۷۰۸
۱۶۴	پاک پتن شریف	پاک پتن شریف	منٹگمری (ساہیوال)	۷۰۹
۱۶۵	رتا کھیرا	دیپال پور	اوکاڑا	۷۱۱
۱۶۶	سومیاں جھوڑہ سنگھ	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۷۱۳

جلد3

۹	چک 14\S.P			۱۱۰
۱۰	حویلی	دیپالپور	ساہیوال	۱۱۵
۱۱	چک محمد یار چشتی			۱۳۱
۱۲	بائیں گنج		پاک پتن شریف	۱۳۲
۱۳	اوکاڑا		اوکاڑا	۱۲۹
۱۴	ہڑپہ		منٹگمری (ساہیوال)	۱۳۳
۱۵	مرکزی دفتر انجمن حزب الاحناف		لاہور	۱۳۶
۱۶	کلروالی	علی پور	مظفر گڑھ	۱۳۹
۱۷	چک 62/E.B			۱۳۱
۱۸	چک نمبر 34 پر باجا لودھاریاں			۱۳۲
۱۹	محب علی اوتاڑ		ساہیوال	۱۳۸
۲۰	لدھیوال		منٹگمری (ساہیوال)	۱۳۹
۲۱	جماں کوٹ	دیپال پور	اوکاڑا	۱۵۶
۲۲	چک 242 گ-ب	تحصیل ٹوبہ		۱۹۳
۲۳	تھوریوالا			۱۹۹
۲۴	چشتی قطب الدین	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۱۷۱
۲۵	کلیانہ		پاکپتن شریف	۱۷۲
۲۶	ویڈلہ جاگیر	دیپال پور	اوکاڑا	۱۷۵
۲۷	اوکاڑا		اوکاڑا	۱۷۷
۲۸	الٰہی سوتی	دیپال پور	ساہیوال	۱۸۳
۲۹	سوبھا رام	دیپال پور	ساہیوال	۱۸۷
۳۰	چک نمبر 19		ساہیوال	۱۹۲
۳۱	مجاہدکے			۱۹۷

نمبر	مقام	تحصیل	ضلع	صفحہ
۳۲	حویلی لکھا	دیپال پور	اوکاڑا	۱۹۸
۳۳	بونگہ حیات	پاک پتن شریف		۲۰۰
۳۴	بصیر پور	دیپال پور	اوکاڑا	۲۰۱
۳۵	بھیے وال	دیپال پور	اوکاڑا	۲۰۲
۳۶	چک 18/D		منٹگمری (ساہیوال)	۲۰۳
۳۷	چک 54 گ-ب		لائل پور/فیصل آباد	۲۰۵
۳۸	پھلروان کمبوہ			۲۰۸
۳۹	اتنالی شریف		پاک پتن	۲۰۹
۴۰	کہروڑ پکا		وہاڑی	۲۱۲
۴۱	چک گنوں		ساہیوال	۲۱۵
۴۲	رینالہ خورد	اوکاڑا	منٹگمری (ساہیوال)	۲۱۷
۴۳	جامعہ اسلامیہ		بہاول پور	۲۱۸
۴۴	حویلی لکھا	دیپال پور	ساہیوال	۲۲۲
۴۵	چک 742 گ-ب			۲۲۷
۴۶	جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری		لاہور	۲۲۸
۴۷	اتنالی شریف	پاکپتن شریف	ساہیوال	۲۳۲
۴۸	چک 369/4.L	اوکاڑا	ساہیوال	۲۳۳
۴۹	کمھن پورہ		لاہور	۲۳۶
۵۰	بصیر پور	اوکاڑا	ساہیوال	۲۵۴
۵۱	ڈوگرا (منڈی ہیرا سنگھ)	دیپال پور	(ساہیوال) منٹگمری	۲۵۱
۵۲	ملتان		ملتان	۲۵۵
۵۳	فیصل آباد		فیصل آباد	۲۶۴
۵۴	حویلی	دیپال پور	اوکاڑا	۲۷۳

۷۸	لکڑ منڈی		اوکاڑا	۳۴۵
۷۹	بھوڑی		بہاول پور	۳۵۲
۸۰	چک 239/E.B	بورے والا	وہاڑی	۳۵۶
۸۱	چک 157/M.B	وہاڑی	ملتان	۳۵۸
۸۲	جھوک خوشال نمبر 42/D	دیپال پور	اوکاڑا	۳۵۹
۸۳	کانی پور	دیپال پور	ساہیوال	۳۶۱
۸۴	بلھے وال	دیپال پور	اوکاڑا	۳۶۲
۸۵	چک رب نواز خان			۳۶۳
۸۶			شیخوپورہ	۳۶۵
۸۷	حویلی لکھا	دیپال پور	اوکاڑا	۳۶۶
۸۸	بورے والا	بورے والا	ملتان	۳۶۸
۸۹	بورے والا	بورے والا	ملتان	۳۷۰
۹۰	علی صوبہ سنگھ			۳۷۱
۹۱	جسو کے گوردتہ	دیپال پور		۳۷۲
۹۲	عارف والا		ساہیوال	۳۷۳
۹۳	منچریاں	دیپال پور	اوکاڑا	۳۸۳
۹۴	شاہ یکہ	دیپال پور	ساہیوال	۳۸۶
۹۵	چک بیدی	پاکپتن	ساہیوال	۳۹۴
۹۶	فتح پور	لیہ	مظفر گڑھ	۳۹۶
۹۷	سیٹھا نوالا	لیہ	مظفر گڑھ	۳۹۸
۹۸	ساہوکا	بورے والا		۴۰۲
۹۹	چک جعفر علی شاہ	پاک پتن شریف		۴۰۴
۱۰۰	جہلم		راول پنڈی	۴۰۶

۱۲۴	فتح پوری	فیروز والا	شیخوپورہ	۵۱۶
۱۲۵	چک51/2.L	اوکاڑا	ساہیوال	۵۱۸
۱۲۶	ڈلو وال	دیپال پور	ساہیوال	۵۱۹
۱۲۷	چک289/E.B			۵۲۱
۱۲۸	دولو وال	دیپال پور	اوکاڑا	۵۲۲
۱۲۹	چک دار السلام		گوجرانوالا	۵۳۱
۱۳۰	بصیر پور	دیپال پور	اوکاڑا	۵۳۷
۱۳۱	غلہ منڈی		وہاڑی	۵۶۲
۱۳۲	چک وٹواں	ننکانہ صاحب	شیخوپورہ	۵۸۰
۱۳۳	ڈولہ چٹھہ	دیپال پور	ساہیوال	۵۹۱
۱۳۴	قصور		قصور	۶۰۱
۱۳۵	چک90/6.R		ساہیوال	۶۰۵
۱۳۶	بھومن شاہ	دیپال پور	اوکاڑا	۶۰۶
۱۳۷	چوکی		قصور	۶۱۰
۱۳۸	چک نمبر10	ننکانہ صاحب	شیخوپورہ	۶۲۰
۱۳۹	فرید پور جاگیر	دیپال پور	اوکاڑا	۶۲۱
۱۴۰	چک199/E.B			۶۲۷
۱۴۱	بہاول نگر		بہاول نگر	۶۲۹

جلد4

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ضلع	صفحہ
۱	عزت کے			۸۵

۲	دیوان صاحب			۸۷
۳	رکن پورہ	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۱۳۲
۴	چک 18/1.R		ساہیوال	۱۳۴
۵	چک 25/14.L		منٹگمری (ساہیوال)	۱۳۴
۶	میلسی	میلسی	بہاول پور	۱۳۸
۷			لاہور	۱۷۶
۸	ریلوے پولیس لائن		لاہور	۱۷۷
۹	چک 18/1.R		منٹگمری (ساہیوال)	۱۸۷
۱۰	ہوتہ	پاک پتن	ساہیوال	۱۹۴
۱۱	منچن آباد	منچن آباد	بہاول نگر	۱۹۷
۱۲	پائی پور		پاکپتن شریف	۲۱۱
۱۳	ساہوکا		وہاڑی	۲۱۶
۱۴	ساہوکا		وہاڑی	۲۲۲
۱۵	کوٹ دیوال		ساہیوال	۲۲۷
۱۶	شاہ عالم گیٹ		لاہور	۲۲۹
۱۷	چک نمبر 14			۲۳۱
۱۸	دولت آباد		وہاڑی	۲۳۲
۱۹	جنرل ہیڈکوارٹر		راولپنڈی	۲۳۳
۲۰	قادر پور مشیاں		پاک پتن	۲۵۶
۲۱	سمبڑیال		سیالکوٹ	۲۵۸
۲۲	دلے کے مہار	دیپال پور	اوکاڑا	۲۷۷
۲۳	بارن پور	اوکاڑا	ساہیوال	۲۸۸
۲۴	چک نمبر 37			۲۹۰

۲۵	باقی پور	دیپال پور	اوکاڑا	۲۹۱
۲۶	چک نمبر 14/S.P			۲۹۳
۲۷	نورے کے			۲۹۶
۲۸	مائی مہار	دیپال پور	ساہیوال	۲۹۷
۲۹	معروف		منٹگمری (ساہیوال)	۳۰۰
۳۰	ڈولہ چشتہ	دیپال پور	اوکاڑا	۳۰۱
۳۱	چک نمبر 55/D	دیپال پور	ساہیوال	۳۰۳
۳۲	چک 55/D	دیپال پور	ساہیوال	۳۰۴
۳۳	محبوب شاہ	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۳۰۷
۳۴	چک نمبر 71	عارف والا	منٹگمری (ساہیوال)	۳۱۱
۳۵	چک 48/D	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۳۱۷
۳۶	قادر آباد			۳۱۸
۳۷	لدھیوال	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۳۲۱
۳۸	بھانہ صاحب (منڈی احمد آباد)	دیپال پور		۳۲۳
۳۹	بصیر پور	دیپال پور	اوکاڑا	۳۲۵
۴۰	پنجری پور	دیپال پور	ساہیوال	۳۲۸
۴۱	بصیر پور	دیپال پور	اوکاڑا	۳۲۹
۴۲	جیٹھ پور	دیپال پور		۳۳۱
۴۳	میووالا	دیپال پور		۳۳۲
۴۴	چک موسیٰ وال	پاک پتن شریف		۳۳۵
۴۵	بصیر پور		ساہیوال	۳۳۷
۴۶	جھگیاں رحموں	دیپال پور	ساہیوال	۳۴۱
۴۷		دیپال پور	ساہیوال	۳۴۵

نمبر	مقام	تحصیل	ضلع	صفحہ
۴۸	حویلی	دیپال پور	اوکاڑا	۳۵۰
۴۹	حویلی	دیپال پور	اوکاڑا	۳۵۲
۵۰	راجہ جنگ		لاہور	۳۶۱
۵۱	چک 34/4.L	اوکاڑا	ساہیوال	۳۶۳
۵۲	کیڑیانوالی	دیپال پور		۳۶۸
۵۳	اسداللہ پور			۳۷۱
۵۴	پنجری پور	دیپال پور		۳۷۴
۵۵	بونگہ صالح	دیپال پور		۳۷۶
۵۶	حجرہ شاہ مقیم	دیپال پور	ساہیوال	۳۷۸
۵۷	بیگہ مہروچپور	کھاریاں	گجرات	۳۸۰
۵۸		دیپال پور		۳۸۲
۵۹	چک نمبر 55/D	دیپال پور	ساہیوال	۳۸۵
۶۰	جیٹھ پور			۳۸۶
۶۱	جگا بلوچ	پاکپتن شریف	ساہیوال	۳۸۹
۶۲	کنڈھ کوٹ			۳۹۰
۶۳	دریاؤ تگ	عارف والا	منٹگمری (ساہیوال)	۳۹۵
۶۴	چک نمبر 11	وہاڑی	وہاڑی	۳۹۸
۶۵	طغرین			۴۲۱
۶۶	رکن پورہ	دیپال پور		۴۲۲
۶۷	چک 207/E.B	پاکپتن شریف	ساہیوال	۴۲۵
۶۸	چک مغل		ساہیوال	۴۳۱
۶۹	ساہوکل		ساہیوال	۴۳۳
۷۰	کوٹھے جاگیر	دیپال پور		۴۳۵

۷۱	منگھرہ	اوکاڑا		۴۳۷
۷۲	کوٹ شاہ مشتاق	دیپالپور	منٹگمری (ساہیوال)	۴۳۹
۷۳	بونگہ حیات	پاک پتن شریف		۴۴۲
۷۴	چک 38/D.G			۴۴۳
۷۵		دیپالپور	منٹگمری (ساہیوال)	۴۴۵
۷۶	نہال مہار	دیپالپور	منٹگمری (ساہیوال)	۴۴۸
۷۷	حویلی لکھا	دیپالپور	منٹگمری (ساہیوال)	۴۵۹
۷۸	پھلروں کمبوہ	دیپالپور	منٹگمری (ساہیوال)	۴۶۱
۷۹	حویلی لکھا	دیپالپور		۴۶۴
۸۰	چک 40-A/4.L	اوکاڑا	ساہیوال	۴۶۶
۸۱	جمال پور جھلی	پاکپتن	ساہیوال	۴۶۹
۸۲	سیٹلائٹ ٹاؤن		گوجرانوالا	۴۷۲
۸۳	رام پور (بصیر پور)			۴۷۴
۸۴	بہلول پور	دیپالپور	ساہیوال	۴۷۷
۸۵	میکلوڈ گنج	چشتیاں آباد	بہاول نگر	۴۸۰
۸۶	حویلی لکھا	دیپالپور	ساہیوال	۴۸۴
۸۷	وجھلانہ	دیپالپور	ساہیوال	۴۸۵
۸۸	بصیر پور	دیپالپور	ساہیوال	۴۸۷
۸۹	چک 7/E.B	پاکپتن	ساہیوال	۴۹۲
۹۰	چک نمبر 39/D	دیپالپور	ساہیوال (منٹگمری)	۴۹۸
۹۱	مدرسہ رضویہ	عارف والا	منٹگمری (ساہیوال)	۵۰۱
۹۲	چک نمبر 40			۵۱۱

۹۳	ڈولووال		منٹگمری (ساہیوال)	۵۱۲
۹۴	چک نمبر 35/D	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۱۴
۹۵	ڈولووال		منٹگمری (ساہیوال)	۵۱۹
۹۶	ایڈ اکیں	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۲۱
۹۷	ہیرا سنگھ	دیپال پور		۵۲۳
۹۸	ونجھل	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۲۷
۹۹	چک 40/D	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۳۰
۱۰۰	چک 83/E.B	پاکپتن	منٹگمری (ساہیوال)	۵۳۳
۱۰۱	ٹھٹھہ کالیاں ابراہیم		منٹگمری (ساہیوال)	۵۳۰
۱۰۲	بھوکن	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۳۲
۱۰۳	ویرووالا	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۳۵
۱۰۴	رتہ ٹھٹھہ	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۵۰
۱۰۵	ہریکے نو آباد	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۵۸
۱۰۶	چک 5/S.P	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۶۱
۱۰۷	چک 42/D	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۶۴
۱۰۸	حویلی لکھا	دیپال پور	منٹگمری (ساہیوال)	۵۶۷
۱۰۹	موضع بلاڑہ وکلیانہ	پاکپتن شریف	ساہیوال	۵۷۰
۱۱۰	حویلی لکھا		ساہیوال	۵۷۳
۱۱۱	پھلرون کمبوہ			۵۷۹
۱۱۲	شرف پور	منچن آباد	بہاول نگر	۵۸۱
۱۱۳	صالحووال	دیپال پور	اوکاڑا	۵۸۳
۱۱۴	چک 34	پاکپتن شریف	منٹگمری (ساہیوال)	۵۹۰

جلد 5

جلد 6

۲۷	چک نمبر 93/6.R		ساہیوال	۴۹۳
۲۸	چک 1/S.P	پاکپتن شریف	ساہیوال	۴۹۷
۲۹	پاتاں مہار		ساہیوال	۴۹۸
۳۰	چک 80/12.L		ساہیوال	۵۰۱
۳۱	منڈی حاصل پور		بہاول پور	۵۰۳
۳۲	دلے کے			۵۰۵
۳۳	جھگیاں رحموں	دیپال پور	ساہیوال	۵۱۲
۳۴	بستی پراچہ	دیپال پور	ساہیوال	۵۱۳
۳۵	قادر آباد			۵۱۶
۳۶	راجووال	دیپال پور		۵۱۷
۳۷	وہوا	تونسہ شریف	ڈیرہ غازی خان	۵۱۹
۳۸	چک 96/E.B			۵۲۵
۳۹	بصیر پور	دیپال پور		۵۲۷
۴۰	چک 197/E.B	بورے والا	وہاڑی	۵۳۰
۴۱	بستی پیراں	اوکاڑا	ساہیوال	۵۳۳
۴۲	قبولہ	عارفوالا		۵۳۹
۴۳	دھڑ بوبڑ	سمندری	فیصل آباد	۵۴۲
۴۴	نیب وال	پاکپتن شریف	ساہیوال	۵۴۳
۴۵	چک نمبر 14 مجاہد آباد	اوکاڑا	ساہیوال	۵۵۱
۴۶	بصیر پور	اوکاڑا	ساہیوال	۵۵۲
۴۷	دھون منضبط		اوکاڑا	۵۵۴
۴۸	ساہوکا	بورے والا	وہاڑی	۵۵۶
۴۹	چک نانک پور	پاکپتن شریف	ساہیوال	۵۵۸
۵۰	تخت مل اوتاڑ		بہاول نگر	۵۶۰
۵۱	چک قاضیاں		سیالکوٹ	۵۶۴

صوبہ سندھ جلد 1

جلد 2

جلد 3

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ضلع	صفحہ
۱	کراچی		کراچی 1	۳۲۳
۲	ریلوے روڈ		حیدرآباد	۵۸۴
۳	کراچی		کراچی	۵۹۴
۴	شاہ پور چاکر		سانگھڑ	۶۴۳

جلد 4

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ضلع	صفحہ
۱	سنہری مارکیٹ		نواب شاہ	۱۰۹
۲	بلوکالونی		کراچی	۱۱۱
۳	لال چند آباد	میرپورخاص	حیدرآباد	۴۹۳

جلد 6

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ضلع	صفحہ
۱	کندھ کوٹ	کندھ کوٹ	جیکب آباد	۳۸۵
۲	دارالعلوم حنفیہ غوثیہ		کراچی	۴۶۳
۳	اورنگی ٹاؤن		کراچی	۵۰۰

۴	نیومیمن مسجد		کراچی	۱۴

صوبہ سرحد جلد 3

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ضلع	صفحہ
۱	کنڈر براستہ گڑھی کپورہ	مردان	مردان	۱۳۲

جلد 5

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ضلع	صفحہ
۱	نشتر آباد		پشاور	۱۷۷

صوبہ بلوچستان جلد 1

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ضلع	صفحہ
۱	کوئٹہ تھرل سکیم		کوئٹہ	۱۹۳

آزاد کشمیر جلد 2

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ضلع	صفحہ
۱	چکواری		میرپور	۱۳۱
۲	کنڈور		میرپور	۲۹۵

بیرون پاکستان — جلد 1

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ملک	صفحہ
۱		ملفت گنج	فرید پور (مشرقی پاکستان)	۳۳۵
۲	ماہنامہ "نوری کرن"		بریلی شریف (انڈیا)	۴۷۳

جلد 2

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ملک	صفحہ
۱	مدینہ منورہ		سعودی عرب	۲۷۱
۲	مدینہ منورہ		سعودی عرب	۳۰۲
۳	مکہ معظمہ		سعودی عرب	۳۰۸
۴	مدینہ منورہ		سعودی عرب	۳۵۸

جلد 3

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ملک	صفحہ
۱	مدینہ منورہ		سعودی عرب	۱۳۲
۲	ٹھگنی	فاضل کا	فیروز پور (انڈیا)	۳۲۵
۳	کرسٹین سینڈ		ناروے	۳۹۳

جلد 4

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ضلع	صفحہ
۱	لندن			۱۷۲

جلد 6

نمبر شمار	شہر/گاؤں/محلہ	تحصیل	ضلع	صفحہ
۱	اٹاوہ		کینیڈا	۳۳۰
۲	اٹاوہ		کینیڈا	۳۳۸

❁❁❁❁❁
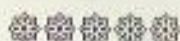
مندرجہ بالا فہرست کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف پاکستان بلکہ بیرونِ مما
سے بھی فتویٰ کے لیے فقیہ اعظم مولانا ابو الخیر مفتی محمد نور اللہ نعیمی قدسنا اللہ بسرہ سے رجوع
رہا۔ اگرچہ آپ کا تعلق صوبہ پنجاب (ضلع اوکاڑا) سے تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ صوبہ سندھ
بلوچستان اور آزاد کشمیر سے بھی کئی سوالات آپ کے پاس بھیجے گئے۔ جب کہ پنجاب کے
کونے سے ہزاروں سوالات آپ کی طرف آئے اور یوں آپ کی وساطت سے چھوٹے
چھوٹے چک اور گاؤں کے لوگوں کے بھی بہت سے مسائل اور پریشانیاں حل ہوئیں۔

فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے تقریباً پچاس سال فتویٰ نویسی کا کام جاری رکھا اور ہزا
فتاویٰ لکھے لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر آپ کے بہت سے فتاویٰ محفوظ نہ رکھے جا سکے لیکن اس
باوجود چھ ضخیم جلدوں میں جدید و قدیم مسائل پر آپ کے بے شمار مدلل اور مستند فتاویٰ موجود ہیں
کہ امت مسلمہ کے لیے ایک بیش بہا خزانہ ہے۔

❁❁❁❁❁

باب-۹

نوری محاکمات

حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ نوریہ میں اپنے معاصرین اہل علم کے فتاویٰ بعض مسائل میں اختلاف بھی کیا بلکہ کئی مقامات پر دلائل کی بنا پر ان کا تعقب و محاکمہ بھی کیا مجلدات کی ترتیب کے ساتھ چند محاکمات کی نشان دہی کی جاتی ہے:

جلد 1

نمبر شمار	محاکمہ	صفحہ
۱	تعمیر مساجد سے متعلق ایک مولوی صاحب کے فتویٰ پر محاکمہ	۱۵۷تا۱۸۳
۲	حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی شاہ قادری کے فتویٰ پر محاکمہ	۱۸۷تا۱۹۰
۳	امامت فاسق سے متعلق فتویٰ مولانا محب النبی کی تصدیق	۳۳۷تا۳۳۹
۴	نماز کے بعد تین بار ہاتھ اٹھا کر دعا کے مسئلہ پر ایک مولوی صاحب کا محاکمہ	۵۱۰تا۵۱۵
۵	فرض باجماعت نہ پڑھنے کی صورت میں تراویح و وتر کا حکم	۵۵۹تا۵۶۳
۶	چک (گاؤں) میں نماز عید سے متعلق فتویٰ کا محاکمہ	۶۷۰تا۶۷۲
۷	بوقت خطبہ ہاتھ میں عصا پکڑنے سے متعلق فتویٰ کا محاکمہ	۶۷۳تا۶۷۷

جلد 2

نمبر شمار	محاکمہ	صفحہ
۱	باب الشغار	۳۷۹تا۳۹۶/۳۹۲تا۳۰۲

جلد 3

جلد 4

جلد 5

جلد 6
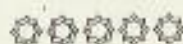
چند منتخب محاکمات

فتاویٰ نوریہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ صاحب فتاویٰ کے سامنے اگر کسی مسئلہ میں کسی مفتی صاحب کا لکھا ہوا فتویٰ آیا تو آپ نے اس پر بغیر کسی مذہبی و مسلکی تعصب، داری اور خوف مخالفت کے اس سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور پھر کھل کر دلائل کے ساتھ اپنے موقف کو ثابت بھی کیا ہے۔ محاکمہ کی صورت میں اپنے اور پرائے کی تمیز کا دور تک نہیں گزرتا۔ اگر کسی مسلکی وفکری اختلاف رکھنے والے اہل علم نے بھی صحیح بات کی ہے تو آپ نے اس کو بلا حیل وحجت تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ہم مسلک وعقیدہ عالم کے فتویٰ میں کوئی سقم محسوس کیا ہے تو اس کا بھی آپ نے محاکمہ کیا ہے لیکن تنقید کرتے ہوئے ادب واحترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا بلکہ اس سلسلہ میں اگر کسی کے ساتھ مراسلت بھی کی ہے تو اس میں مکتوب الیہ کو قبیل الاستعلاء مخاطب نہیں کیا بلکہ ناصحانہ طرز کے بجائے طالب علمانہ انداز اختیار کیا ہے۔

آیئے! اب ہم براہ راست فتاویٰ نوریہ میں سے چند محاکمات نوریہ کا مطالعہ کرتے ہیں اور حضرت ممدوح کے طائر استدلال کی پرواز کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔

جلد اوّل میں شامل محاکمات

فتاویٰ نوریہ کی جلد اول میں مختلف مسائل کے حوالے سے آپ نے اپنے ہم عصر چند علماء کی آراء سے اختلاف کیا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ بعض لوگوں کی سخت گرفت کی ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ پہلی جلد میں جن مسائل میں محاکمہ کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

محاکمہ 1

تعمیر و توسیع مساجد سے متعلق ایک مولوی صاحب کے مرقومہ فتویٰ کا محاکمہ صفحہ ۱۵۷ تا ۱۸۳ یعنی ۸/۳۰×۲۰ کے بڑے سائز کے ۲۶ صفحات پر پھیلے ہوئے اس فتویٰ میں آپ نے مولوی صاحب مذکور کے فتویٰ کی علمی کمزوریوں کو اظہر من الشمس کیا ہے، سوال یہ تھا:

''کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ ایک گاؤں کی مسجد خام شہید کر کے پختہ تیار کی گئی اور پہلی مسجد کے صحن کا ایسا حصہ جو مسجد میں داخل تھا اور اس میں نمازیں با جماعت پڑھی جاتی تھیں مسجد پختہ کی محاذات سے چوں کہ ایک طرف ہے لہٰذا اس میں سے بعض کو مسجد سے خارج کر دینا اور دوسری طرف سے اتنا ہی داخل کر دینا تا کہ صحن متناسب ہو جائے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے جواز کا فتویٰ دیا ہے جس کی نقل حاضر کی جاتی ہے کہ وقت جواب وہ نقل پیش نظر رہے'' --- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۵۷]

مذکورۃ الصدر سوال کا جواب دو فصلوں پر مشتمل ہے، فصل اول نوری جواب سوال، فصل

[نو]ری جواب استدلال۔ فصل اوّل، نوری جواب سوال میں فرماتے ہیں:

''مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کرنا شرعاً سخت ناجائز ہے، جس کے عدم جواز پر قرآن کریم کے نصوص جلیلہ واحادیث علیہ ونقول مذہب مہذب حنفیہ شواہد عادل ہیں''---[ایضاً، صفحہ ۱۵۷]

اس کے بعد اپنے موقف کی تائید میں ۴ آیات کریمہ، ۹ معتبر کتب تفسیر مثلاً بیضاوی شریف، [م]عالم التنزیل، جلالین شریف، لباب المنقول، خازن، تفسیر کبیر اور تفسیر ارشاد العقل وغیرہا، [و]مستند کتب حدیث مثلاً صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، سنن کبریٰ، بیہقی، سنن ابی داؤد، مسانید الامام الاعظم [و]غیرہا سے دلائل نقل کرنے کے بعد ائمہ احناف کی گیارہ معتبر ومستند کتب اصول فقہ سے جلد و [ص]فحہ نمبر کی تقیید کے ساتھ متعدد اقوال پیش کیے ہیں۔ اب ذرا آپ کے پیش کردہ دلائل میں سے [چ]ند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

''مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کرنا شرعاً سخت ناجائز ہے جس کے عدم جواز پر قرآن کریم کے نصوص جلیلہ اور احادیث علیہ اور نقول مذہب مہذب حنفیہ شواہد عادل ہیں۔ حضرت رب العالمین واحد وقہار کا فیصلہ اس کے متعلق سنیے، ارشاد فرماتا ہے:

و من اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیہا اسمہ و سعی فی خرابہا اولئک ما کان لہم ان یدخلوہا الا خائفین لہم فی الدنیا خزی و لہم فی الآخرۃ عذاب عظیم---

''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لیے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ان کو لائق نہ تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے''---

نیز قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یا ایہا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر اللّٰہ---

''اے ایمان والو! حلال نہ ٹھہراؤ اللہ کے نشانوں کو''---

اول الذکر آیت کے تحت امام بیضاوی فرماتے ہیں:

ان يذكر فيها اسمه ثانى مفعولى منع و سعى فى خرابها بالهدم او التعطيل (ویرانی سے مراد مساجد کو منہدم اور معطل کرتا ہے۔ اعظمی)

یہی معانی جلالین اور دیگر مفسرین نے بیان کیے ہیں۔ امام علاؤ الدین صوفی خازن اپنی تفسیر لباب التاویل کے صفحہ ۸۴، جلد ا میں ابن عربی علیہ الرحمۃ سے ناقل:

انه كل مسجد قال و هو الصحيح لان اللفظ عام وَرَدَ بصيغة الجمع فتخصيصه ببعض المساجد او ببعض الازمنة محال---

''بے شک یہ حکم ہر مسجد کا ہے، فرمایا اور وہی صحیح ہے اس لیے کہ بے شک لفظ عام ہے وارد ہوا ہے جمع کے صیغہ سے، پس خاص کرنا اس کا بعض مساجد کے ساتھ یا بعض زمانوں کے ساتھ محال ہے''---

تفسیرات احمدیہ، صفحہ ۱۷ پر ہے:

انها تدل على ان هدم المساجد و تخريبها ممنوع و كذا المنع عن الصلوة و العبادة و ان كان مملوكا للمانع و قد وعد الله تعالى و شنع عليه الفقهاء و تمسكوا بهذه الآية---

''بے شک یہ آیت دلالت کرتی ہے اوپر اس بات کے کہ بے شک گرانا مسجدوں کا اور ویران کرنا ان کا منع کیا گیا ہے اور ایسے ہی روکنا نماز سے اور عبادت سے اگر چہ مانع کے ملک میں ہو اور ضرور عذاب کی خبر دی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر اور طعن کیا اس پر فقہاء نے اور دلیل بنایا ہے انہوں نے اس آیت کو''---

دیکھا مولا تبارک وتعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ وہ سب سے بڑا ظالم ہے اور اس کے لیے دنیا میں خواری اور آخرت میں بڑا عذاب ہے تو ثابت ہوا کہ ایسا کرنا سخت ناجائز ہے۔۔۔۔ پس چونکہ مسجد نماز کا نشان ہے لہذا وہ شعائر اللہ میں داخل ہے اور شان نزول اگر چہ خاص ہو مگر معتبر عموم لفظ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ نور الانوار صفحہ ۱۶۲ میں ہے:

صيغة العام اذا وردت فى حق شخص خاص فى نص او قول الصحابة فان كانت كلاما مبتدأ فلا خلاف فى انها عامة لجميع افرادها و لا تختص بسبب خاص وردت فيه----

''عام کا صیغہ جب وارد ہو کسی خاص شخص کے حق میں کسی نص یا قول صحابہ میں پس اگر ہو شروع کلام میں پس اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ بے شک وہ عام ہے اپنے افراد کو اور خاص نہیں ہوتا ایسے خاص سبب سے جو اس میں وارد ہوا ہو'' ---

ان دلائل کے ذکر کرنے کے بعد فاضل ممدوح احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے زیر بحث مسئلہ سے متعلق متعدد احادیث اور نصوص فقہیہ نقل کرنے کے بعد یوں رقم طراز ہیں:

''اور یہ حقیقت ماہ نیم ماہ و مہر نیم روز کی طرح واضح کہ مسجدیں اس لیے نہیں بنائی جاتیں کہ ان کے حصے کاٹ کر جدا کیے جائیں تو احادیث مذکورہ کی تعلیل میں داخل ہو کر منع ہوا کہ مسجد کا حصہ مسجد سے علیحدہ کیا جائے۔ سبحان اللہ جب مسجد میں صرف دریافت کرنا گم شدہ شے کا اس لیے منع ہو کہ مسجد اس لیے نہیں بنی تو مسجد کا حصہ علیحدہ کرنا اور خارج کر دینا کیوں کر جائز ہو سکے گا؟ کیا مسجد اس لیے بنائی گئی تھی کہ اس کے حصے الگ کیے جائیں اور خارج از مسجد کیے جائیں گے۔ سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ٦٦ میں ہے:

عن ابی ھریرۃ قال ابو بدر اراہ قد رفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ قال ان الحصاۃ لتناشد الذی یخرجھا من المسجد ---

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، ابو بدر راوی کہتا ہے کہ میرا غالب گمان ہے کہ حضرت نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، بے شک کنکری ضرور اللہ کی قسم دیتی ہے جو نکالتا ہے اس کو مسجد سے'' ---

قرآن وسنت سے دلائل دینے کے بعد ائمہ احناف کی تحقیقات کی روشنی میں مذہب مہذب حنفیہ کا حکم اس بارے میں یوں رقم کرتے ہیں:

''جب تک مسجد آباد رہے یا اس کی آبادی کا سامان رہے اور وہ موضع جس میں مسجد ہے آباد رہے جیسے صورت زیر بحث میں ہے تو ہمارے جمیع ائمہ کے نزدیک مسجد، مسجد ہی رہتی ہے'' ---

آپ نے اپنے قول کی تائید میں جن ائمہ وکتب حنفیہ سے استدلال کیا ہے اگر صرف ان کے اسماء پر ہی ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز کس

قدر وسیع المطالعہ تھے اور کتب حنفیہ پر ان کی کس قدر گہری نظر تھی

المبسوط	محمد بن ابو سہل سرخسی	م۴۸۳ھ
در المختار	علاؤ الدین محمد علی حصکفی	م۱۰۸۸ھ
التحریر المختار لرد المحتار	شیخ عبد القادر رافعی	م۱۳۲۳ھ
بحر الرائق	زین الدین ابن ابراہیم ابن نجیم مصری	م۹۶۹ھ، ۹۷۰ھ
فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الحمید بن ہمام	م۸۶۱ھ
فتاویٰ عالم گیر	ملا نظام الدین برہان پوری وغیرہ	م۱۱۰۹ھ
فتاویٰ سراجیہ	سراج الدین علی بن عثمان اوشی فرغانی	م۵۶۹ھ
فتاویٰ خیریہ	خیر الدین احمد رملی	م۱۰۸۱ھ

غرض یہ کہ مذکورہ بالا کتب فقہ کے علاوہ دیگر بہت سی کتب کے صفحہ نمبر اور جلد نمبر کی تقیید کے ساتھ متعدد حوالہ جات پیش کرنے کے بعد اختتام بحث پر یوں لکھتے ہیں:

''صورت زیر بحث میں خدا نخواستہ اگر ویرانی مسجد بھی ہو جاتی تب بھی اس حصے کو چھوڑنا جائز نہیں تھا کہ مسجد ہمیشہ کے لیے مسجد ہی ہے چہ جائے کہ مسجد بفضلہ تعالیٰ آباد اور آبادی کا سامان موجود اور گاؤں آباد، تو اس صورت میں ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک مسجد، مسجد ہی ہے تو اس کا ٹکڑا کیسے الگ کیا جا سکتا ہے اور اگر تناسب ہی قائم کرنا ہو تو اس کے لیے ایک اور جائز طریقہ بھی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ دوسری جانب سے اس حصہ کے برابر بڑھا دیں، اس میں تناسب بھی قائم ہو جائے گا اور مسجد کی فراخی بھی ہو جائے گی اور مسجد کی فراخی شارع علیہ السلام کی نظر میں محبوب ہے، جس کا مسجد بنانے والوں کو امر فرمایا''۔۔۔

صاحب فتاویٰ نوریہ کا ایک منفرد طریقہ

فتاویٰ نوریہ کا مطالعہ کرنے سے صاحب فتاویٰ کی ایک منفرد عادت یہ بھی سامنے آتی ہے کہ جب وہ نصوص فقہیہ نقل کرتے ہیں تو بالخصوص ایسے مقامات پر جہاں وہ کسی کا محاکمہ کر رہے ہوں تو وہ رسم المفتی اور فقہی اصطلاح میں راجح و مرجوح کے اعتبار سے اصطلاحات کا فرق بھی ساتھ ہی ساتھ بیان کرتے چلے جاتے ہیں، مثلاً اسی زیر بحث مسئلہ میں مختلف اقوال فقہاء میں مستعمل

اصطلاحات کو بایں طور ذکر کرتے ہیں۔

''اس قول کو ان الفاظ سے ترجیح دی گئی ہے جو علامات افتاء سے ہیں: به یفتی، و هو الاصح، و هو الفتوی، اکثر المشائخ علیه، هو الا وجه، الفتوی''---

یوں گویا کہ صاحب فتاوی اپنے قول کی صداقت وحقانیت کو تاکید مزید کی طرز پر ثابت کر رہے ہیں۔ مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کرنے سے متعلق پہلے کسی اور مولوی صاحب کے فتویٰ کا محاکمہ کرتے ہوئے اولاً اپنے موقف کو دلائل شرعیہ سے محقق کیا ہے، پھر بعد فصل دوم میں ان مولوی صاحب کے دلائل کا نمبر وار جائزہ لے کر ان پر تنقید کی گئی ہے۔ مثلاً ان مولوی صاحب نے کسی بھی مسجد کے بعض کو خارج کر لینے کے جواز پر فتویٰ دیتے ہوئے لکھا کہ ''کل وقف شدہ کا بعض جدا کر لینا جائز ہے'' اپنے اس دعویٰ پر انہوں نے پانچ دلائل ذکر کیے ہیں۔ پہلی دلیل یہ دی ہے کہ حطیم بیت اللہ سے ہے مگر بیت اللہ سے جدا ہے۔ مولوی صاحب نے اپنے دعویٰ میں حطیم کی وجہ تسمیہ ذکر کرنے کے بعد بخاری ومسلم کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے:

لان قومک قد قصرت بهم النفقة فاخرجوه عن البیت ..... الخ----

اگر کوئی صاحب عقل وفہم تھوڑا سا بھی غور وفکر کرے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ مولوی صاحب موصوف کے دعویٰ اور دلیل میں کوئی تطابق نہیں پایا جاتا۔ یوں کہ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ کل وقف شدہ کا بعض جدا کر لینا جائز ہے اور اس پر حطیم کو دلیل ٹھہرانا قیاس مع الفارق ہے۔ اس میں ایسا تو نہ کیا گیا اور نہ ہی کسی نے کہا کہ یہ حطیم اب مسجد سے خارج ہو گیا۔ اس لیے مولوی صاحب موصوف کا یہ قول کرنا ہی صحیح نہیں۔

ہمارے ممدوح حضرت علامہ فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ نعیمی رحمہ اللہ، مولوی صاحب کی اس دلیل کا مختلف وجوہ سے یوں محاکمہ فرماتے ہیں:

''۱ میں کہتا ہوں یہ دلیل اصلاً دعوے کے مطابق نہیں کہ دعویٰ تو یہ تھا کہ وقف کا بعض جدا کر لینا جائز ہے۔ اس جدا کر لینے سے مراد اگر یہ ہے کہ صرف درمیان میں ایک حد قائم کی جائے اور دونوں جیسے پہلے تھے ویسے ہی وقف رہیں مثلاً ایک مسجد کی دو مسجدیں بن جائیں تو مولوی صاحب کے مدعا کے موافق نہیں کہ مدعا اس حصے کا مسجد ہونے سے نکال کر صحن میں داخل کر لینا ہے تو لامحالہ اس جدا کر لینے سے مراد یہی

ٹھہرے گا کہ مسجد ہونے سے جدا کر لینا جائز ہے۔ تو اب وہ دلیل مدعا سے بالکل ہی بیگانہ ہے کہ حطیم مسجد سے خارج نہیں ہوا کہ مسجد الحرام کعبہ شریف کے ارد گرد گھیرے ہوئے ہے اور حطیم مسجد حرام میں ہی ہے''---

مولوی صاحب نے اس موقف پر کہ حطیم بیت اللہ کا حصہ نہیں صحیحین کی ایک حدیث مبارکہ کا ایک قطعہ بطور دلیل پیش کیا ''لان قومک قد قصرت بھم النفقة فاخرجوہ من البیت''

چنانچہ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ، موصوف کی اس دلیل اور اسلوب استدلال پر جرح وتنقید کرتے ہوئے مستدرک حاکم، سنن کبریٰ بیہقی، موطا امام مالک، سنن ابی داؤد، صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابوداؤد طیالسی، جامع ترمذی، سنن نسائی سے متعدد احادیث نقل کرتے ہوئے معتبر کتب فتاویٰ حنفیہ مثلاً شامی، مبسوط سرخسی، شرح الوقایہ، فتح القدیر سے اپنے موقف کی تائید پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بلکہ اگر مولوی صاحب غور کرتے تو یہ دلیل ہرگز نہ لکھتے کہ یہاں کی دلیل تو بن نہیں سکتی جیسا کہ واضح ہو چکا ہے۔ ہاں ہمارے مدعا کی دلیل ہے کہ کفار نے ایسا کیا اور سرکار نے اسے پسند نہ فرمایا تو مولوی صاحب نے ہمارے مدعا کی دلیل ذکر کی نہ کہ اپنے مدعا کی، اس کا نام ہے ہیبت حق اور جلوۂ نور اللہ سبحانہ وتعالیٰ''--- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۷۳]

کل وقف سے بعض حصہ کو نکال لینے سے متعلق مولوی صاحب مذکور نے اپنے موقف کی تائید میں کنزالدقائق اور شامی سے دو نصوص بطور دلیل پیش کی ہیں، ملاحظہ ہوں:

۱۔ ...اذا جعل شیئا من طریق مسجد صح کعکسہ--- [کنزالدقائق، صفحہ ۲۰۵]

۲۔ ثم نقل عن خواھر زادہ عن العتابیة اذا کان الطریق ضیقا والمسجد واسعا لا یحتاجون الی بعضہ تجوز الزیادة فی طریق المسجد لان کلھا للعامة--- [شامی، جلد ۳، صفحہ ۴۲۰]

مولوی صاحب مذکور کی نقل کردہ شامی کی عبارت غلط ہے، جس پر ان الفاظ سے تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نقل فتویٰ یوں ہی غلط ہے، ہم نے اسی طرح لکھ دیا کہ مولویت کے شواہد ہیں اور ایسے ہی اور نقول بھی ہیں''--- [حاشیہ، جلد ۱، صفحہ ۱۷۳]

ان دو پیش کی گئی فقہی عبارات کے جواب میں صاحب فتاوی نوریہ نے ۹ (نو) نصوص فقہیہ کنز الدقائق، فتاوی عالم گیری، در المختار، خلاصۃ الفتاوی، بحر الرائق، غنیۃ المستملی، رمز الحقائق، فتاوی قاضی خاں، تاتارخانیہ وغیرہ سے نقل کے ذریعہ سے مذکورہ پیش کردہ عبارت کا حقیقی معنی واضح کیا ہے اور مولوی صاحب موصوف کی فقہ دانی سے نقاب اٹھاتے ہوئے اس خوب صورت انداز میں ان کا رد کیا ہے کہ قاری پڑھ کر بے خود ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پیش کیے گئے دلائل کی حقیقت کو بھی بڑی شرح وبسط کے ساتھ متین وسنجیدہ انداز میں ''وقف کل میں سے بعض کے نکالنے کے جواز'' کا محاکمہ کیا ہے۔ غرض یہ کہ حضرت ممدوح کی یہ تحقیق بڑے خاصے کی چیز اور لائق مطالعہ ہے۔

محاکمہ 2

تعمیر مسجد میں غیر مسلم سے تعاون و مدد لینا

کھوڑ ضلع اٹک کی آئل کمپنی میں اہل کتاب نصاریٰ، تاجر و مستامن، مقیم کے ساتھ چند مسلمان بھی تجارت میں شریک ہیں، چنانچہ اس تجارتی اشتراک وتعاون کی بنا پر کمپنی مذکورہ بالا اپنے کارکنوں اور ملازموں سے یہ معاہدہ کرتی ہے کہ وہ انہیں اجتماعی طور پر تمام سہولیات و آسائش بہم پہنچائے گی جن میں ہسپتال، بجلی، پانی، سکول اور عبادت کے لیے مسجد وغیرہ شامل ہے، چنانچہ وہاں ایک مرتبہ سوال اٹھا کہ کمپنی مذکور جو غیر مسلموں کی ہے، سے تعمیر مسجد میں مالی تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ وہاں مسلمان باشندے بھی ہوں اور کچھ نقد رقم انہوں نے فراہم بھی کی ہو۔

چنانچہ مذکورہ سوال کے حوالے سے اہل سنت کے نامور عالم حضرت علامہ احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کے مدرسہ انوار العلوم ملتان کے مفتی حضرت علامہ مولانا سید مسعود علی قادری صاحب کا جواب بصورت فتویٰ مذکورہ مسئلہ کے حوالہ سے تعمیر مسجد میں غیر مسلموں سے مالی تعاون کے جواز میں، ماہنامہ سالک، راولپنڈی، شمارہ دسمبر ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا، جس پر مفتی صاحب موصوف کے علاوہ سات دیگر علماء کی تصدیقات بھی شامل تھیں۔

حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی بصیر پوری جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور ظاہری کے ساتھ ساتھ نور باطنی اور بصیرت سے بھی نوازا تھا، انہوں نے قطع نظر اس کے کہ مفتی صاحب اور مؤیدین کا تعلق چونکہ اہل سنت سے ہے خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ اس فتویٰ پر اطلاع پا کر فی الفور مسئلہ کی صحیح صورت

بصورت خط لکھ کران کے نام کردی اور یوں ایک سچے خادم دین ہونے کا عملی ثبوت فراہم کیا۔
پہلے ملاحظہ ہو حضرت مفتی سید مسعود علی قادری صاحب کا فتویٰ:

''مسجد کے لیے چندہ یا مسجد کے لیے اگر زمین وقف کی جائے تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ دینے والے کی نیت قربت کی ہو اور ظاہر ہے کہ نصاریٰ وغیرہ بھی مسجد وغیرہ پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام سمجھتے ہیں تو ان کی امداد سے مسجد تعمیر کرانا جائز درست ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خصوصاً جب کہ کمپنی والوں نے پہلے وعدہ بھی کرلیا ہو کہ ہم تمہاری ضروریات کے کفیل ہوں گے۔ شامی میں ہے:

و ان یکون قربة فی ذاته فتعین هذا شرط فی وقف المسلم فقط بخلاف الذمی لما فی البحر وغیره ان شرط وقف الذمی ان یکون قربة عندنا و عندهم کالوقف علی الفقراء و علی مسجد القدس فقط و الله اعلم---- [دستخط سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان]

تائید کرنے والے علماء کرام کے اسماء گرامی:

۱..... الجواب صحیح و المجیب نجیح، مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری، راولپنڈی
۲..... المجیب مصیب الحق ظاهر، (مولانا) قادر بخش دربار عالیہ میرہ شریف ضلع اٹک
۳..... المجیب مصیب و جوابه حق، (مولانا) ارشاد حسین نوری، چورہ شریف
۴..... الجواب صحیح، (مولانا) قاضی نور محمد، خطیب جامع مسجد کالا باغ
۵..... الجواب صحیح، (مولانا) عبدالرحمٰن، تحصیل تلہ گنگ
۶..... الجواب صحیح، (مولانا) غلام سرور، کمر مشانی ضلع میانوالی
۷..... المجیب مصیب و جوابه حق، (مولانا) عبدالحنان

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے فتویٰ مذکور پر مطلع ہوتے ہی حضرت مفتی سید مسعود قادری صاحب کو جواب مسئلہ میں صادر ہونے والے تسامح سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا:

''مخلص نیازمندانہ حیثیت سے معروض کہ فقیر کی نظر قاصر میں یہ فتویٰ نظر ثانی کا محتاج ہے۔ قرآن کریم میں تعمیر مساجد سے متعلق واضح ہدایت ہے:

انما یعمر مساجد الله من آمن بالله و الیوم الآخر و اقام

الصلوٰۃ ...... الآیۃ ----

اور یہ بھی واضح کہ مسجد قدس (جو ان کی خصوصی ملی مسجد بحیثیت قبلہ ہے) کے وقف پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہنا کہ دوسری مساجد پر خرچ کرنا یا وقف کرنا بھی ان کے نزدیک قربت اور نیک کام ہے، قیاس مع الفارق ہے۔ خود شامی علیہ الرحمۃ ہی تصریح فرماتے ہیں کہ دوسری مساجد پر خرچ کرنا صرف ہمارے نزدیک قربت ہے یعنی ان کے نزدیک قربت نہیں'' ---- [فتاویٰ نوریہ، جلد ا، صفحہ ۱۸۷]

پھر اس سے آگے حضرت مفتی صاحب موصوف کے موقف کا محاکمہ کرتے ہوئے منحۃ الخالق علی البحر الرائق، صفحہ ۱۸۹، جلد ۵/ عقود الدریہ، صفحہ ۱۱۹، جلد ا/ فتاویٰ ہندیہ، صفحہ ۳۱۵، جلد ۲ اور طحطاوی علی الدر، صفحہ ۵۳۰، جلد ۲ کے حوالہ سے متعدد نصوص فقہیہ نقل کرنے کے بعد مذکورہ فتویٰ اور اس کے ممکنہ ردعمل پر تبصرہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''ثابت ہوا کہ نصاریٰ ہر ایک مسجد پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام نہیں سمجھتے تو ان کی اس امداد سے تعمیر مسجد بلا مضائقہ کیوں کر درست ہوگی؟ پھر اس نازک دور میں (جب کہ عیسائیوں کی ریشہ دوانیاں اور تبلیغی سرگرمیاں نقطۂ ارتقاء پر پہنچ چکی ہیں) عوام اہل اسلام کو یہ کہنا کہ عیسائی ہماری مسجدوں پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام سمجھتے ہیں، عوام کے لیے کسی غلط فہمی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کمپنی والے نصاریٰ اپنے مسلم ملازمین سے کیے گئے معاہدہ کی بنا پر ان کی ضروریات کے لیے روپیہ ان کی ملک میں کر دیں تو وہ مسلمان اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنا روپیہ جانتے ہوئے تعمیر مسجد پر خرچ کریں تو درست ہے جیسے کہ فقیر مال زکوٰۃ کے مالک بننے کے بعد تعمیر مسجد میں خرچ کر سکتا ہے'' ---- [ایضاً، صفحہ ۱۸۸]

مذکورہ فتویٰ پڑھ کر جہاں حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی علیہ الرحمہ کے فہم دین، نگاہ بصیرت کا پتہ چلتا ہے، وہاں آپ کے منفرد اور انتہائی سنجیدہ اسلوب تنقید پر بھی دل بے ساختہ داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ خود کو بڑا جاننے (تکبر و استکبار) کا شائبہ اور تحقیر مخاطب، لہجے کی درشتی اور نہ الفاظ کی نشتر نمائی، غرض یہ کہ علمائے حق کی انتہائی تعظیم و تکریم اور ذاتی انکساری و عاجزی کا ایک حسین

ح نظر آتے ہیں ریمارک وارد کرتے ہوئے بھی کلام میں ایسی مٹھاس اور چاشنی بھر دیتے ہیں کسی کی طبع نازک پر گراں بھی نہیں گزرتا اور اس کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رت مفتی سید مسعود علی قادری علیہ الرحمۃ آپ کے فتوے کو ملاحظہ کرنے کے بعد ایک خط میں یوں رخیال کرتے ہیں:

مخدومی و محترمی حضرت مولانا الحاج نور اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہو کر عزت افزا ہوا، جناب والا نے جو اس نیاز مند کو غلطی پر مطلع فرمایا اس کا بے حد ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے"---[ایضاً صفحہ ۱۸۹]

❁❁❁❁❁

محاکمہ 3

نماز کے بعد تین مرتبہ دعا کرنا

بعض بزرگان دین، مشائخ کرام کا معمول ہے کہ وہ نماز کے بعد تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں تو اس پر کچھ لوگ اعتراض کرتے اور اس عمل کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ایسے ہی ایک مرتبہ پاک پتن کے علاقہ ملکہ ہانس میں ایک مولانا صاحب نے ہاتھ اٹھا کر تین بار دعا کرنے کے عمل کو ناجائز قرار دیا اور دلیل کے طور پر قرآن وسنت یا ائمہ امت میں سے کسی کا کوئی حوالہ تک نہ دیا تو اس پر حضرت مخدوم العلماء مولانا مفتی محمد نور اللہ نعیمی صاحب علیہ الرحمہ نے ایک فتویٰ میں ان مولانا صاحب کا ایسا محاکمہ کیا کہ زیر بحث مسئلہ کا کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑا۔ آغاز گفتگو کرتے ہوئے دعا کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے روز روشن کی طرح صاف صاف ثابت کہ دعا عبادت ہے بلکہ اعظم وافضل واشرف واکرم مغز عبادت ہے اور ایمان دار کا ہتھیار اور دین کا ستون اور آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور دعا نہ کرنا سبب غضب رب تبارک وتعالیٰ ہے''---[فتاویٰ نوریہ، جلد۱، صفحہ۵۱۰]

ثبوت دعا کے لیے ۲ آیات قرآنیہ سے استدلال کرتے ہوئے مستند ومعتبر کتب سے ۱۸ احادیث نقل کر کے اپنے موقف ومدعا کو واضح کیا ہے۔ دلائل کا خلاصہ ملاحظہ کرنے سے پہلے کتب حدیث کے نام پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی کتب حدیث کے ذخیرہ پر

...در گہری نظر ہے:

۱.....	الادب المفرد	صفحہ ۲۲۹	
۲.....	جامع الترمذی	جلد ۲، صفحہ ۱۷۸	بافادۂ تحسین وتصحیح
۳.....	مستدرک حاکم	جلد ۱، صفحہ ۴۹۱	بافادۂ تحسین وتقریر ذہبی
۴.....	صحیح مسلم	جلد ۲، صفحہ ۱۰۸	
۵.....	سنن ابی داود	جلد ۱، صفحہ ۲۱۳	
۶.....	مسند احمد بن حنبل	جلد ۵، صفحہ ۲۸۰	(حدیث نمبر ۲۲۷۴۳)
۷.....	سنن نسائی	جلد ۱، صفحہ ۲۸۶	
۸.....	کنز العمال	جلد ۱، صفحہ ۱۷۸	
۹.....	مسند سعید بن منصور	۱۰.....	شعب الایمان للبیہقی
۱۱.....	صحیح ابن حبان	۱۲.....	مسند ابو یعلی

شروحات حدیث

۱.....	فتح الباری	جلد ۱۱، صفحہ ۷۹
۲.....	شرح النووی	

کتب سیرت وفضائل

۱.....	مواہب اللدنیہ مع تقریر الزرقانی	جلد ۸، صفحہ ۲۱۸
۲.....	حصن حصین	صفحہ ۲۳
۳.....	احیاء العلوم	جلد ۱، صفحہ ۳۱۵

مندرجہ بالا کتب حدیث کی فہرست سے یہ اندازہ لگانا بڑا آسان ہے کہ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ حدیث مبارک پر کس قدر گہری نظر رکھتے تھے اور ان کا مطالعہ کس قدر عمیق ہے۔ چند احادیث ملاحظہ کریں اور ایمان کو تازگی بخشیں:

1..... الدعاء سلاح المؤمن و عماد الدين و نور السموات والارض رواه الحاكم---

''دعا مومن کا ہتھیار اور دین کا ستون اور آسمانوں اور زمین کا نور ہے''---(اعظمی)

2..... عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ کان یعجبہ ﷺ ان یدعو ثلاثا و یستغفر ثلاثا رواہ ابو داؤد---

''بے شک رسول اللہ ﷺ کو پیارا لگتا تھا تین مرتبہ دعا کرنا اور تین مرتبہ استغفار کرنا''---(اعظمی)

3..... عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشرف العبادۃ الدعاء رواہ البخاری فی الادب المفرد---

''دعا اشرف عبادت ہے''---(اعظمی)

4..... رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ ثلاث مرات رواہ مسلم و النسائی---

''رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی''---(اعظمی)

5..... عن عبد اللہ بن مسعود و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا دعا ثلاثا و اذا سال سال ثلاثۃ رواہ مسلم فی صحیحہ----

''عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی دعا فرماتے تو تین بار دعا کرتے اور جب سوال کرتے تو تین بار سوال کرتے''---(اعظمی)

یہ تو کتب حدیث تھیں، اب آیئے ذرا دیکھیے کہ حضرت صاحب فتاویٰ نوریہ کی ذخیرہ تفسیر پر نظر کا کیا عالم ہے؟ چنانچہ اسی مسئلہ یعنی بعد از نماز تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے سے متعلق کل مستند اور معتبر کتب تفسیر سے اس مسئلہ کو شرح فرماتے ہیں۔ ذیل میں فقط ان تفاسیر کے نام مع جلد و صفحہ درج کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱..... تفسیر خازن، جلد ۷، صفحہ ۲۲۰
۲..... معالم التنزیل، جلد ۷، صفحہ ۲۲۰
۳..... ابن جریر، جلد ۳۰، صفحہ ۱۵۱
۴..... ارشاد العقل، جلد ۸، صفحہ ۲۸۶
۵..... مدارک، جلد ۴، صفحہ ۳۷۲
۶..... تفسیر بیضاوی، جلد ۲، صفحہ ۴۳۲
۷..... تفسیر کبیر، جلد ۸، صفحہ ۴۳۱
۸..... تفسیر نیشاپوری، جلد ۳۰، صفحہ ۱۱۸
۹..... در المنثور، جلد ۶، صفحہ ۳۶۴
۱۰..... تفسیر مظہری، جلد ۱۰، صفحہ ۲۹۴
۱۱..... تفسیر عزیزی، جلد ۳، صفحہ ۲۳۴
۱۲..... تفسیر جلالین، صفحہ ۵۰۵
۱۳..... تفسیر جمل، جلد ۴، صفحہ ۵۵۷
۱۴..... فتح القدیر، جلد ۵، صفحہ ۴۵۰

۱۵...ترجمان القرآن بھوپالی، جلد ۱۲، صفحہ ۳۳۰

ایک ہی مسئلہ پر اتنی کثیر احادیث اور کتب تفسیر کے حوالہ جات دینے کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے اور تین مرتبہ دعا کرنے سے متعلق فرماتے ہیں:

''یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اطلاقات وعمومات نصوص حجت شرعیہ ہیں، کما بین فی کتب الاصول کافۃ۔ تو اس وشمس کی طرح واضح وہویدا ہوا کہ تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اگرچہ بعد از نماز ہو بلاشبہ جائز ومستحب ومستحسن ہے کہ یہ صورت بھی ایک فرد ہے ان کروڑ ہا افراد صور ادعیہ سے جن کو اطلاقات وعمومات نصوص نے جائز ومستحسن ومستحب بنا دیا اور جو ناجائز بتائے تو اس کے ذمہ لازم کہ دلائل تقیید وتخصیص دکھائے یا قرآن کریم اور حدیث پاک سے کوئی مانع لائے، ورنہ فرمان قرآن کریم:

و لا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون٥---

کا امتثال کرتے ہوئے ناجائز کہنے سے بچے۔ تعجب ہے کہ وہ خصوصاً بعد از نماز ناجائز بتاتا ہے حالانکہ بعد از نماز کے لیے خصوصاً امر عام وارد ہے جو تین کو بھی اپنے عموم سے شامل ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

فاذا فرغت فانصب٥ و الی ربک فارغب٥---

''اور جب نماز سے فارغ ہو تو دعا میں کوشش یا محنت کرو'' --- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، صفحہ ۵۱۲]

❁❁❁❁❁

محاکمہ 4

فرض عشا تنہا پڑھنے والا وتروں کی نماز باجماعت پڑھ سکتا ہے

رمضان المبارک میں فرض عشا تنہا پڑھنے کے بعد وتر باجماعت پڑھنے سے متعلق ایک مولانا صاحب نے فتویٰ دیا کہ یہ جائز نہیں۔ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز اس پر سخت محاکمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بلا شک وشبہ وریب شامل ہو سکتا ہے کہ ایسی جماعت وتر بالاتفاق جائز و مشروع ہے اور جماعت جائز ومشروع کے ساتھ نماز ادا کرنا بحکم قرآن کریم جائز ہے کہ اس جماعت کے نمازی راکعین ہیں اور اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے

و ارکعوا مع الراکعین o---

اور حدیث صحیح میں ہے:

انما جعل الامام لیؤتم به----

اور یہ بھی ہے:

و ما ادرکتم فصلوا و ما فاتکم فاتموا---[رواهما البخاری]

لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الصلوة احسن ما یعمل الناس و اذا احسن الناس فاحسن معهم---[صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۹۶]

اور اسی بنا پر معتبرات مذہب مہذب حنفیہ متون وشروح وفتاویٰ وحواشی بالاتفاق ماہ رمضان المبارک میں علی الاطلاق وتر باجماعت ادا کرنے کے جواز واستحباب سے گونج رہے ہیں حالانکہ اگر صرف متون میں ہی ہوتا اور شروح وفتاویٰ میں اس کے خلاف ہوتا تب بھی جائز رہتا کہ محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ مسئلہ متون، مسئلہ شروح وفتاویٰ سے مقدم ہوتا ہے''۔۔۔[فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، صفحہ ۶۰-۵۵۹]

صاحب فتاویٰ نوریہ زیر بحث مسئلہ میں اپنی رائے اور موقف کا اظہار کرنے کے بعد اس کی تائید میں متعدد علماء وفقہاء کی تصریحات پیش کرتے ہیں اور لگ بھگ تقریباً ایک درجن فقہی عبارات بطور حوالہ نقل کرتے ہیں۔ دوسرے مولانا صاحب نے زیر بحث مسئلہ میں اپنے موقف کی تائید میں علامہ قہستانی کی ایک عبارت پیش کی تھی، اس پر حضرت ممدوح حضرت علامہ شامی کی ایک تصریح ان کے رد میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چہ جائے کہ سب یہاں جواز پر متفق ہیں اور مقابلہ میں صرف قہستانی ہے، جس کے متعلق علامہ شامی نے فرمایا:

و القهستانی کجارف سیل و حاطب لیل العقود الدریة، جلد ۲، صفحہ ۳۵۶ اور رد المحتار کے رسم المفتی، جلد ۱، صفحہ ۶۵ میں شرح قہستانی کو غیر مستند قرار دیا اور تصریح فرمائی کہ اس سے فتویٰ دینا جائز ہی نہیں جب تک منقول عنہ کا علم نہ ہو اور ایسے ہی عقود رسم المفتی ، جلد ۱، صفحہ ۱۳ میں ہے و النظم منها و من الکتب الغریبة مثلا مسکین شرح الکنز و القهستانی لعدم الاطلاع علی حال مؤلفیها (الی ان قال) لا یجوز الافتاء من هذه الکتب الا اذا علم المنقول عنه...... الخ اور العقود الدریہ کے صفحہ مذکورہ میں یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ وہ زاہدی معتزلی کی کتابوں سے استناد کرتا ہے، خصوصاً و استناده الی کتب الزاهدی المعتزلی اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ زاہدی کی نقل معتبرات کی نقل کا معارضہ نہیں کر سکتی، جب تک کسی اور مستند نقل سے مضبوط نہ ہو و نقل الزاهدی لا یعارض نقل المعتبرات النعمانیة (الی ان قال) ما لم یعضده نقل من غیره تو اکیلے قہستانی کا قول سب اکابر کے مقابلہ میں کیسے

معتبر ہو سکتا ہے؟''---[ایضاً، صفحہ۵۶۰]

پھر حاشیہ میں قہستانی کی پیش کی گئی تصریح پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور منقول عنہ کا علم جو کم از کم ظن غالب کے درجہ میں ہو، نہیں ہو سکا، گو قہستانی نے کما فی المنیۃ لکھا ہے مگر منیۃ المصلی میں تو یہ مسئلہ ہے نہیں، شاید منیۃ الفقہاء یا منیۃ المفتی میں ہو تو یہ نقل کا مجہول ہے''---[حاشیہ ایضاً، صفحہ۵۶۰]

مولانا موصوف کے دلائل کا رد اور محاکمہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ایسے ہی کبیری میں بھی ہے، تو ثابت ہوا کہ شمولیت جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے بلکہ اگر بطریق تنزل سب سے چشم پوشی کرتے ہوئے دیکھا جائے تب بھی صرف ''لا'' عدم جواز کی تصریح نہیں۔ کتب فقہیہ میں ''لا'' جیسے حرام و مکروہ تحریمی کے لیے آتا ہے، ایسے ہی مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کے لیے بھی بولا جاتا ہے''---

اختتام کلام پر فرماتے ہیں:

''بفضلہ تعالیٰ و بکرمہ اسی مختصر تقریر سے ماہ نیم ماہ و مہر نیم روز کی مانند واضح ہو گیا کہ صورت مذکورہ میں وہ شخص جماعت وتر میں شامل ہو سکتا ہے اور یہ شمول جائز و روا ہے۔ مجھے زیادہ فرصت نہیں ورنہ اس مسئلہ کی بکثرت کتب معتبرہ مذہبیہ سے اور بھی وضاحت کی جاتی۔ بہر حال طالب حق کے لیے یہی کافی اور عناد کی صورت میں دفتر بھی ناوافی''---[ایضاً، صفحہ۳-۵۶۲]

❁❁❁❁❁

محاکمہ 5

گاؤں میں نماز عید کی ادائگی

۱۹۵۴ء میں ضلع منٹگمری (حال ساہیوال) کے ایک چک نمبر 31/4.L میں گاؤں میں نماز عید کی ادائیگی سے متعلق اختلاف ہو گیا۔ مسئلہ یوں ہوا کہ ایک اہل سنت مسلک کے امام صاحب کا موقف اور رائے یہ تھی کہ گاؤں میں نماز عید نہیں ہوتی، چنانچہ جو لوگ عید کے روز خود بخود وہاں جمع ہو جاتے تو وہ امام صاحب بغیر تکبیرات عید کے دو نفل با جماعت ان کو پڑھا دیتے اور نماز عید کو وہاں واجب نہیں سمجھتے تھے۔ اہل سنت امام کے اس طرز عمل پر ایک دیوبندی مسلک کے عالم مولوی نور احمد دیوبندی نے اس مذکورہ نماز کو مکروہ تحریمہ اور امام کو گنہگار قرار دیا اور اپنے فتوے کی تائید میں امام شامی علیہ الرحمہ کی حسب ذیل عبارت پیش کی:

(قوله بما لا يصح) اى على انه عيد و الا فهو نفل مكروه لادائه بالجماعة---

اس پر مستزاد یہ کہ گاؤں میں نماز عید کو واجب قرار دیتے ہوئے اس کے تارک کے لیے فتویٰ خوف کفر بھی صادر فرمایا۔ تو اس پر علاقے کے لوگوں نے ان دیوبندی مولانا صاحب کا مذکورہ فتویٰ مرکز دائرۃ العلوم حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے ایک ماہر فن کی حیثیت سے اس کا دل نشین رد فرمایا کہ جسے پڑھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ آپ ارقام فرماتے ہیں:

''حسب تصریحات جلیلہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ احناف رحمہم اللہ گاؤں میں نماز عید نہیں کہ حضرت مولی علی کرم اللہ تعالی وجہ الکریم کا یہی فتوی ہے جو حقیقتاً حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتوی ہے اور ان کا فتوی ان کے رب اکرم جل وعلا کا فتوی ہے۔ اسفار مذہب مہذب متونا وشروحا وحواشی وفتاوی اور دفاتر احادیث وشروح ان تصریحات جلیلہ سے گونج رہے ہیں۔ تو اس وشمس کی طرح واضح ہوا کہ امام مسجد اولیس کا نماز عید کو واجب نہ سمجھنا اور ادا نہ کرنا اپنے پسندیدہ اور پیارے مذہب حنفیہ پر عمل کرنا ہے، جو اس کا شرعاً، عرفاً، عقلاً ہر طرح حق ہے اور نماز نفل محض کی ادائیگی اوقات خاصہ میں گو بجماعت کثیرہ ہو، قطعاً جائز اور آیہ کریمہ ''و استعینوا بالصبر و الصلوۃ'' میں یقیناً داخل .... [فتاوی نوریہ، جلد ا، صفحہ ۶۷۰-۶۷۱]

باقی اس دیوبندی امام کا مکروہ تحریمہ کہنا اور نماز پڑھانے والے کو گناہ گار وحرام کار بتانا تو یہاں بہادروں کا روزانہ کا مشغلہ ہے، کوئی نئی چیز نہیں ....

.........اس کا تو عبارت شامی کو بطور سند پیش کرنا ہی اس کے علم وعقل کا بہترین شاہد عدل ہے:

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

کا مصداق جلتی پر تیل بلکہ پٹرول چھڑکنے کا کارنامہ ہے''---

آگے چل کر علامہ شامی کی پیش کی گئی عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ در المختار میں ہے کہ نماز عید گاؤں میں مکروہ تحریمہ ہے، اس لیے کہ یہ غیر صحیح کام میں مشغول ہونا ہے اور شامی نے اسے برقرار رکھتے ہوئے فرمایا کہ غیر صحیح ومکروہ تحریمہ تب ہے کہ عید جان کر ادا کرے، ورنہ وہ نفل ہے اور ادا بالجماعت کی وجہ سے مکروہ ہے۔ جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ اگر عید نہ سمجھے تو صحیح ہے اور مکروہ تحریمہ نہیں۔ ہاں جماعت کی وجہ سے مکروہ ہے تو لامحالہ یہ مکروہ تنزیہی بنے گا کہ وہ صحیح ہوتا ہے اور وہی مکروہ تحریمہ کے مقابلے میں آتا ہے، ورنہ شامی علیہ الرحمہ کا ''الا'' بے معنی اور بے جا ہو جائے گا، حالاں کہ یہی شامی دوسری جگہ

تصریح فرماتے ہیں کہ نفل باجماعت مکروہ تنزیہی ہے۔ شامی، جلد ۱، صفحہ ۶۶۴/ منحۃ الخالق، جلد ۲، صفحہ ۷۰ میں ہے:

وھو کالصریح فی انھا کراھۃ تنزیھۃ، منحۃ الخالق، جلد ۱، صفحہ ۳۴۵ میں ہے و ان الکراھۃ کراھۃ تنزیہ---

تو خود اس کی پیش کردہ عبارت سے ثابت ہوگیا کہ:

۱ گاؤں میں نماز عید مکروہ تحریمہ ہے اور صحیح نہیں۔

۲ ادائے نفل باجماعت صحیح ہے یہی پہلے امام کا نظریہ وعمل ہے اور دوسرا اس کے مخالف ہے'' --- [ایضاً، صفحہ ۲۷۱، ملخصاً]

پھر آگے بڑھتے ہوئے دیوبندی مولانا صاحب کے اس قول ''عید کے موقع پر محض نوافل پڑھانے والے سنی امام کو گناہ گار اور اس عمل کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہوئے علامہ شامی کے قول سے استشہاد کرنے'' پر گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''دوسرے امام (دیوبندی) کا گاؤں میں نماز عید کو ایسا واجب قرار دینا کہ تارک پر خوف کفر ہو، محض نادانی اور خطرناک ظلم ہے۔ اس کا یہ خوف کفر کہاں کہاں جا پہنچا، یہ اوائل جواب سے بخوبی واضح۔ ظالم اگر ہمارے ائمہ کرام وحضرات عظام کا لحاظ نہیں کرتا تو کم از کم اپنوں ہی کا پاس کرتا، اکابر دیوبند بھی گاؤں میں نماز عید کے قائل نہیں۔ بلکہ ظالم کو تو اپنا بھی خیال نہ رہا کہ اس کی پیش کردہ عبارت سے ثابت کہ گاؤں میں نماز عید مکروہ تحریمی اور غیر صحیح ہے اور مکروہ تحریمی سے بچنا واجب ہے۔ شامی، جلد ۱، صفحہ ۳۴۴ میں ہے:

کراھۃ التحریمۃ فی رتبۃ الواجب---

تو الٹے وہ خود تارک واجب بنا کہ گاؤں میں نماز عید مکروہ تحریمہ کا ارتکاب کیا تو اس کے اپنے اس فتویٰ سے خود اس پر خوف کفر ثابت ہوگیا'' --- [ایضاً، صفحہ ۲۷۲]

دیوبندی مولوی صاحب کے ''خوف کفر'' پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نماز پڑھانے والے کو گناہ گار و حرام کار بتانا تو یاں ان بہادروں کا روزانہ کا مشغلہ

ہے کوئی نئی چیز نہیں، ان کے نزدیک تو سارا جہاں شرک آباد ہے۔ گیارہویں شریف، میلاد شریف شرک، یہ شرک، وہ شرک، غرض شرک ہی شرک ہے تو اس بیچارے کا شکوہ ہی کیا؟ ہر ایک اپنی عادت سے مجبور ہوتا ہے، بلکہ یہ تو اس کی مہربانی ہے کہ صرف گناہ و حرام و خوف کفر پر اکتفاء کیا ورنہ شرک و کفر کہتا"۔۔۔[ایضاً صفحہ ۱۷۶]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ممدوح کی ژرف نگاہی ایک ایسا وسیع سمندر ہے کہ جس کی غواصی کرنے والا ہی اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔ کوئی سر ساحل کھڑا ہو کر اگر اس کے عمق کو ماپنے کی کوشش کرے بھی تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

محاکمہ 6

خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا

خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں عصا لینا علماء کے ہاں ایک اختلافی مسئلہ ہے، بعض اس کے سنت اور بعض مستحب ہونے کے قائل ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی بعض عبارات کی روشنی میں اس کا ترک ''ترک اولیٰ'' ہونا ثابت ہے۔ بہرکیف اس اختلافی مسئلہ میں حقیقت مسئلہ دریافت کرنے کے لیے کراچی، قمرالاسلام سلیمانیہ کے ایک مدرس مولانا بشیر احمد صاحب نے ربیع الآخر ۱۳۹۱ھ میں ایک استفتاء بغرض جواب حضرت صاحب فتاویٰ نوریہ کی خدمت میں بھیجا۔ موصوف نے اپنے استفتاء میں لکھا:

''زید نے اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کے خلاف دیوبندی مفتی سے فتویٰ لیا ہے اور اس نے ان الفاظ میں فتویٰ دیا ہے:

فی روایۃ ابی داؤد ان رسول اللہ قام ای فی الخطبۃ متکئا علی عصا او قوس کذا رواہ البراء ابن عازب و محمد بن السکن و فی شامی و نقل القھستانی عن عبد المحیط ان اخذ العصاء سنۃ کالقیام---- [ردالمحتار صفحہ ۷۷]

مندرجہ بالا احادیث اور شامی کے فتوے سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں لیا ہے، جو کم از کم سنت پر دلالت کرتا ہے اور ان دلائل کی

موجودگی میں کسی شخص کا کہنا کہ عصا ہاتھ میں لینے کا ثبوت نہیں اور خطبہ میں غیر مشروع ہے، بہت بڑی جسارت ہے اور اس سے لازم کہ خطیب استغفار کرے اور کوئی بات بلا دلیل شرعی نہ کرے۔ قہستانی نے کہا کہ عصا ہاتھ میں لینا سنت ہے، باقی عصا کو ہاتھ میں لازم قرار دینا اور اس کے بغیر خطبہ نہ ہونے کا اعتقاد کرنا درست نہیں''۔۔۔۔[فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، صفحہ ۳-۶۷۲]

مذکورۃ الصدر استفتاء اور پھر اس میں درج اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کے قول کی موجودگی میں دیو بندی مولوی صاحب کے فتوے کی تائید کرنا بظاہر مشکل نظر آتا ہے، اس لیے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ان کی نگاہ میں محض ایک مفتی اور عالم ہی نہیں بلکہ ان کے لیے مرکز عقیدت ومحبت اور فقط ایک واسطے سے ان کے استاد بھی ہیں، لیکن قلم کو بے ساختہ طور حضرت ممدوح صاحب فتاویٰ نوریہ کو داد دینا پڑتی ہے کہ وہ ہر قسم کی عقیدت ومحبت کے باوجود جب منصب افتاء پر بیٹھتے ہیں تو ایک خادم شرع متین کی حیثیت سے ہر سوال کا جواب دیتے چلے جاتے ہیں اور اس راہ میں کسی سے کوئی عقیدت یا کسی کی مخالفت ان کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی، جس کی ایک عمدہ مثال یہی زیر نظر استفتاء اور اس کا جواب ہے۔ ملاحظہ ہو، مذکورہ استفتاء کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا سنت ہے''۔۔۔۔

یہ قول کرنے کے بعد حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں مختلف کتب حدیث سے متعدد احادیث نقل کرتے ہیں، چند کتب حدیث کے نام ملاحظہ ہوں:

۱......مسند امام احمد بن حنبل، جلد ۲، صفحہ ۲۱۲	ایک حدیث
۲......سنن ابی داؤد، جلد ۱، صفحہ ۱۵۶، ۱۶۲	تین احادیث
۳......سنن بیہقی، جلد ۳، صفحہ ۲۰۶	چار احادیث
۴......سنن ابن ماجہ، صفحہ ۷۹	ایک حدیث
۵......مستدرک حاکم، جلد ۳، صفحہ ۶۰۷	ایک حدیث
۶......جامع الصغیر للسیوطی، جلد ۲، صفحہ ۲۸۰	ایک حدیث
۷......السمیر شرح جامع الصغیر، جلد ۳، صفحہ ۱۲۲	ایک حدیث

کتب فقه

۱.....کتاب الام لامام الشافعی، جلد ۱، صفحہ ۲۰۰ ۲.....طحطاوی علی المراقی، صفحہ ۳۰۹
۳.....رد المحتار رشامی، جلد ۱، صفحہ ۲۷۷ ۴.....شرح سفر السعادت، صفحہ ۲۰۹
۵.....ثلاثین لعلامہ شامی، جلد ۱، صفحہ ۱۳

گزشتہ سطور میں جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ دیوبندی مفتی صاحب نے اپنے فتوے میں تو فقط ایک حدیث مبارکہ اور علامہ شامی کے ایک قول پر اکتفاء کیا تھا لیکن اس کے مقابل اسی مسئلہ میں حضرت مفتی محمد نوراللہ نعیمی علیہ الرحمہ نے ۱۲، احادیث اور فقہائے اسلام کے متعدد اقوال بیان کیے ہیں، جو ان کے وسعت مطالعہ پر ایک بین دلیل اور ان کے تفقہ کا واضح ثبوت ہے۔

حضرت مفتی محمد نور اللہ کی حق گوئی

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سائل نے اپنے سوال کے اندر یہ بھی لکھا کہ اس مسئلہ میں حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی رائے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ اس کا ترک اولیٰ قرار دیتے ہیں۔ اس پر آپ کے قلم حقیقت رقم سے صادر ہونے والا ایک ایک حرف آپ کی حق گوئی اور صدق لسانی پر مہر تصدیق ثبت کرتا نظر آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے اس قول مرقومہ احکام شریعت، جلد دوم، صفحہ ۱۴۵ "سنت و مکروہ میں تعارض ہو تو ترک، اولیٰ ہے۔ کیوں کہ جامع الرموز میں محیط سے نقل ہے کہ سنت ہے اور محیط میں مکروہ لکھا ہے" اس پر آپ فرماتے ہیں:

"شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ شرح سفر السعادت، صفحہ ۲۰۹ میں فرماتے ہیں:

صحیح آنست کہ مکروہ نیست از جہت ورود سنت----

رہی تردد و تعارض سنت و کراہت کی بات تو وہ اس مسئلہ میں مشکل ہے، کیوں کہ تعارض کے لیے شرط ہے کہ دونوں دلیلیں برابر ہوں، کما بین فی محله اور مسئلہ ہٰذا کا اثبات صحیح و حسن حدیثوں سے ہے، حالاں کہ نفی کے لیے کوئی حدیث نہیں لائی گئی۔ رہا خلاصہ وغیرہ میں ذکر کراہت، تو وہ کسی شیخ کا قول ہی ہو سکتا ہے جو تفقہات و تفہمات مشائخ سے ہی ہے تو اس میں یہ طاقت کہاں کہ صحیح و حسن حدیثوں کے مقابلے آئے۔ امام اہل سنت والجماعت کے فتاویٰ میں ہونا بظاہر کاتب یا مرتب کی غلطی ہی ہو سکتی ہے۔ خود

اعلیٰ حضرت علیہ نے فتاویٰ رضویہ شریفہ میں اکابر مشائخ عظام پر بکثرت تطفلات کا ذکر فرمایا ہے، حتی کہ پہلے ہی جلد میں انیس صد سے بھی زیادہ ذکر کیے ہیں"---

آگے بڑھتے ہوئے دیوبندی مولوی صاحب سے فتویٰ پوچھنے اور اسے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فتویٰ پر ترجیح سے متعلق فرماتے ہیں:

"اور یہ بھی واضح کہ کسی دیوبندی کی کوئی سچی بات صرف اس لیے جھوٹی نہیں ہو سکتی کہ وہ دیوبندی کی بات ہے"---[فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، صفحہ ۶۷۶-۶۷۷]

❁❁❁❁❁

جلد دوم میں شامل محاکمات

فتاویٰ نوریہ جلد دوم میں تین مقامات پر حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے معاصر اہل علم کی آراء سے اختلاف کرتے ہوئے ان کا محاکمہ کیا ہے اور ان میں بھی تحقیق کے دریا بہائے ہیں، ذیل میں ہم قدرے اختصار کے ساتھ اس پر تبصرہ کریں گے تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آسکے۔

محاکمہ 7

۱۳۶۸ھ میں موضع بونگہ صالح ضلع منٹگمری سے ایک استفتاء بابت نکاح شغار آپ کی خدمت میں آیا، جس میں سائل کی طرف سے تفصیلی استفتاء کے بعد درج ذیل نکات کے حوالے سے آپ کی رائے طلب کی گئی۔ نکات کو ملاحظہ کرنے سے پہلے سوال کا مختصر خلاصہ دیکھیے:

سائل نے سوال کیا تھا کہ زید اور عمرو نے پچاس پچاس روپے کے حق مہر کے ساتھ اپنی اولاد کا بچپن میں ہی نکاح کر دیا تھا۔ زید کی لڑکی بوقت عقد صرف چھ ماہ کی تھی جب کہ عمرو کی لڑکی جوان تھی۔ اس کی رخصتی تو عقد کے ساتھ ہی ہو گئی جب کہ زید کی بچی کی رخصتی بالغ و جوان ہونے پر ہونا تھی لیکن بالغ ہونے کے بعد زید کی لڑکی اپنے خاوند کے گھر جانے کو تیار نہ تھی اور خاوند (عمرو کا بیٹا) اسے چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ عمرو کے گھر والے زوجہ کو لے جانے کی کوشش کرتے رہے لیکن زید کے گھر والے نہ مانے۔ اس پر زید کے گھر والوں نے ایک مولانا صاحب دیوبندی سے فتویٰ طلب کیا جس پر مولانا نے انہیں جواب میں لکھا:

1 نکاح زن مذکورہ کسی امام کے نزدیک فسخ نہیں کر سکتے کہ باپ کا کیا ہوا ہے۔

۲ قاضی تفریق کر دے۔

۳ امام شافعی کی تقلید کر لیں اور نکاح شغار کو حرام قرار دے دیں گویا کہ نکاح ہوا ہی نہیں۔

سائل نے مذکورہ سوال (جس کا خلاصہ لکھا گیا ہے) اور مولانا ثناء اللہ خالدی الہاشمی صاحب کے جواب کے مذکورۃ الصدر تین نکات بطور خلاصہ لکھ کر درج ذیل پہلوؤں اور امور سے متعلق فتویٰ طلب کیا:

۱ کیا واقعی مرد پر لازم ہے کہ خلع کرے اور عورت کی ضد پوری کر دے؟

۲ اگر مرد خلع نہ کرے تو قاضی خود تفریق کر سکتا ہے؟

۳ طرفین کا مہر مقرر کر کے بعد ذکر معاوضۃ احد البعضین بالآخر آپس میں کر لیے جائیں۔ کیا وہ شغار فسخ و حرام ہیں کہ سرے سے ہوئے ہی نہیں؟ اگر واقعی شغار ہے، کیا اس لڑکی کا نکاح باطل اور دوسری کا جو آباد ہے اور صاحب اولاد ہے جائز ہے یا باطل؟ --- [فتاویٰ نوریہ، جلد۲، صفحہ ۳۷۹ تا ۳۸۵، ملخصاً]

نکاح سے متعلق مذکورہ سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا ثناء اللہ خالدی لکھتے ہیں:

''بشرط صحت سوال عرض ہے کہ خواہ زن مذکورہ کو کسی امام کے نزدیک اختیار فسخ نہیں ہے کیوں کہ جب نابالغہ اور کنواری لڑکی کا عقد شرعی باپ یا دادا کرے تو بعد از بلوغت عورت کو متفق طور پر اختیار فسخ حاصل نہیں ہے، جب کہ تمام کتب فقہ میں مذکور ہے۔ لیکن جب عورت بسنا نہیں چاہتی اور پورے طور پر خاوند کے ہاں جانے سے انکاری ہے اور خاوند بھی پورے عناد سے لینے پر مصر ہے تو یہ ایک بڑی مصیبت ہے کیوں کہ حالات زمانہ از حد خطرناک ہیں.......... واضح ہو کہ اس گورکھ دھندہ کا بہترین حل خلع ہے.......... قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے، لہٰذا قاضی تفریق کرا دے اور فتنہ و فساد ختم کر دے.......... دوسری صورت خلاصی کی یہ ہے کہ ''جاء فی الدر المختار لا بأس بتقلید المذهب الشافعی عند الضرورة ''یعنی حنفی مقلد بوقت ضرورت بلا خوف و خطر امام شافعی کی تقلید کر سکتا ہے''۔ --- [فتاویٰ نوریہ، جلد۲، صفحہ ۳۸۰-۳۸۲]

مولانا موصوف نے اپنے موقف کی صداقت اور دعوے کی دلیل کے طور پر سنن ابی داؤد

جلد۲، صفحہ ۳۰۲ سے حضرت ثابت بن قیس والی طویل حدیث نقل کی ہے اور اس کے علاوہ کتب فقہ میں سے صرف ایک حوالہ پیش کیا تھا:

کتب حدیث

سنن ابی داؤد، جلد۲، صفحہ ۳۰۲	ایک حدیث
سنن ابی داؤد، جلد۲، صفحہ ۳۸۲	ایک حدیث
جامع الترمذی، جلد۲، صفحہ ۱۸۸	ایک حدیث
تحفۃ الاحوذی، جلد۲، صفحہ ۱۸۸	ایک حدیث

کتب فقہ

شرح الوقایہ، جلد۲، صفحہ ۱۷۳	ایک قول

ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے سوال اور مولانا ثناء اللہ خالدی صاحب کے فتوے کا محاکمہ کرتے ہوئے علم وتحقیق کے جو دریا جاری کیے اور لولوئے آب دار لٹائے، ان کی ایک جھلک آپ کے مآخذ فتویٰ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ سائل کی طرف سے اٹھائے گئے تین نکات کے جوابات میں آپ نے قرآن وحدیث کے علاوہ ۴۵ کتب فقہ سے استناد کرتے ہوئے ۸/۳۰×۲۰ کے بارہ صفحات پر مشتمل ایسا محققانہ حکم شرعی واضح کیا ہے کہ تحقیق بھی رقص کرتی نظر آتی ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے محض ان کتب فقہ کی فہرست پر ایک نظر ڈال لیں جن کے آپ نے حوالہ جات پیش کیے ہیں:

قرآن مجید	پانچ آیات

کتب تفسیر

۱..... تفسیر طبری، جلد۵، صفحہ ۴۰	۲..... تفسیر نیشاپوری، جلد۵، صفحہ ۴۲
۳..... تفسیر بیضاوی، جلد۱، صفحہ ۱۸۲	۴..... تفسیر مدارک، جلد۱، صفحہ ۱۷۴
۵..... تفسیر کبیر، جلد۳، صفحہ ۲۲۶	۶..... تفسیر ابوالسعود، جلد۳، صفحہ ۲۴
۷..... تفسیرات احمدیہ، صفحہ ۱۸۱	۸..... تفسیر روح البیان، جلد۲، صفحہ ۲۰۲
۹..... تفسیر جلالین، صفحہ ۷۶	۱۰..... تفسیر جمل علی الجلالین، جلد۱، صفحہ ۳۷۹
۱۱..... تفسیر صاوی، جلد۱، صفحہ ۱۹۱	۱۲..... تفسیر معالم التنزیل، جلد۱، صفحہ ۴۳۳
۱۳..... تفسیر خازن، جلد۱، صفحہ ۴۳۳	

کتب حدیث

۱...... سنن بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۲۲
۲...... سنن ابی داؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۹۶
۳...... مستدرک حاکم، جلد ۲، صفحہ ۲۹۶
۴...... سنن ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۱۵۴
۵...... ابن ماجہ، صفحہ ۱۵۴
۶...... صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۱۰۲۹
۷...... صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۴
۸...... زاد المعاد، جلد ۷، صفحہ ۵
۹...... عینی شرح صحیح بخاری، جلد ۹، صفحہ ۱۵۷
۱۰...... اشعۃ اللمعات، جلد ۳، صفحہ ۵۸

کتب فقہ

۱...... فتح القدیر، جلد ۴، صفحہ ۱۹۴
۲...... بحر الرائق، جلد ۳، صفحہ ۷۸
۳...... بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۳۳۱
۴...... فتاویٰ عالمگیری، جلد ۲، صفحہ ۲
۵...... میزان شعرانی، جلد ۲، صفحہ ۱۲۳
۶...... رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ، جلد ۲، صفحہ ۷۷
۷...... فتاویٰ قاضی خان، جلد ۱، صفحہ ۱۹۹
۸...... مبسوط، جلد ۵، صفحہ ۱۸۶
۹...... الوقایہ، جلد ۲، صفحہ ۱۷۴
۱۰...... شرح الوقایہ، صفحہ ۱۷۴
۱۱...... عنایہ، جلد ۳، صفحہ ۲۰۱
۱۲...... کفایہ، جلد ۳، صفحہ ۲۰۱
۱۳...... تنویر الابصار، جلد ۲، صفحہ ۹۰۳
۱۴...... در المختار، جلد ۲، صفحہ ۹۰۳
۱۵...... رد المحتار، جلد ۲، صفحہ ۹۰۳
۱۶...... خلاصۃ الفتاویٰ، جلد ۲، صفحہ ۵۴
۱۷...... کنز الدقائق، صفحہ ۱۳۴
۱۸...... قدوری، صفحہ ۱۹۱
۱۹...... رمز الحقائق، صفحہ ۱۳۴
۲۰...... ہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۲۹۶
۲۱...... منحۃ الخالق، صفحہ ۱۵۶
۲۲...... جواہر النقی

کتب رسم المفتی

۱...... شرح عقود رسم المفتی، صفحہ ۳۴
۲...... دستور العلماء، صفحہ ۲۳۶

کتب مشکل الحدیث

۱...... نہایہ، جلد ۲، صفحہ ۲۳۵
۲...... در النثیر، جلد ۲، صفحہ ۲۳۵
۳...... مجمع البحار، جلد ۲، صفحہ ۱۹۹

کتب لغت فقہ

۱.....مغرب، جلد۱، صفحہ ۲۸۴

کتب لغت عرب

۱.....صراح، صفحہ ۱۸۶ ۲.....منتہی الارب، جلد۲، صفحہ ۴۶۷

۳.....منتخب اللغات، صفحہ ۲۳۶

یہ کل ۵۶ کتب ہیں جو آپ نے صرف ایک فتویٰ لکھتے ہوئے اپنے مآخذ کے طور پر بیان کی ہیں۔ یہ ہے فقہ اور اس کو کہتے ہیں تفقہ۔ مذکورۃ الصدر کی فہرست پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف ایک فقیہ ہی نہیں تھے بلکہ آپ اصولی اور لغوی بھی تھے۔

مولانا ثناء اللہ خالدی کے دلائل کا جواب

سائل کے سوال کی روشنی میں مولانا موصوف خالدی صاحب نے زن مذکورہ کے فسخ نکاح کا اختیار نہ ہونے پر دلائل بیان کرنے کے بعد قاضی کے تفریق کر دینے یا پھر امام شافعی کی تقلید کا قول کیا تھا، ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم مفتی محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز اس استفتاء کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"استفتائے فریقین کی رو سے ہندہ کا نکاح صحیح ولازم ہے اور واقعی اسے حق فسخ کسی امام کے نزدیک نہیں اور زوج کا مطالبہ کہ ہندہ میرے گھر آباد ہو، بالکل صحیح اور جائز مطالبہ ہے۔ شرعاً، عقلاً، عرفاً نکاح کا مقتضی یہی ہے:

ھن لباس لکم، نسائکم حرث لکم، عاشروھن بالمعروف، ازواجا لتسکنوا الیھا، الرجال قوامون علی النساء وغیرہا ارشادات قرآن کریم اور احادیث تو اس باب میں بحر ناپیدا کنار ہیں، کما لا یخفی علی من لہ ادنی ملابسۃ بھا، لہٰذا ایک جملہ پر اقتصاراً اختصار ہے۔ الرجل راع علی اھلہ، تو اہل رعیت ہوا، اور فقہاء کرام نے نکاح کی تعریف ہی بالفاظ متقاربہ یہ فرمائی ہے، عقد یفید ملک المتعۃ، بلکہ صاف تصریح فرمادی کہ زوج حبس وقید ومنع عن الخروج کا مالک ہے" --- [فتاویٰ نوریہ، جلد۲، صفحہ ۳۵۸]

اپنے اس موقف پر آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور درجنوں کتب فقہ سے استشہاد اور قرآن

مجید سے اس معاملہ میں نص قطعی ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس کا معتمد اور معقول حل وہ ہے جو قرآن حکیم نے بصیغ امر بیان فرمایا:

و اللاتی تخافون نشوزھن فعظوھن و اھجروھن فی المضاجع و اضربوھن---

تو اگر ہندہ کے وارث نیک نیت اور سچے ہیں تو جبراً اسے زوج کے گھر بھیجیں تا کہ حسب ہدایت رب العالمین وہ نصیحت وتادیب کر سکے۔ ہدایات ربانیہ پر عمل پیرا ہونے سے مومن کا دل انوار سے پُر ہو جاتا ہے اور عسی ان تکرھوا شیئا و ھو خیر لکم کا جلوہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بلکہ آیت کریمہ فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا و یجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا سے بطریق دلالۃ النص صریح جزیہ مستفاد۔ اور گو بحکم لا جناح علیھما فیما افتدت بہ خلع کی اجازت ہے مگر وہی بہترین صورت صلاح ہے کہ طلاق ابغض الحلال ہے''---[ایضاً، صفحہ ۳۸۷]

آگے چلتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مرد کو قوام بنایا اور طلاق اسی کے اختیار میں رکھی کہ عورت بوجہ نقصان عقل و دین بلاوجہ تفریق نہ کر دے اور یہاں تو زوج طالب صلح ہے، اگر ظالم و ناشز بھی ہو تب بھی عورت کو ہدایت فرمائی کہ مصالحت کی کوشش کرے اور صلح کو خیر فرمایا''---[ایضاً، صفحہ ۸-۳۸۷]

مولانا ثناء اللہ خالدی الہاشمی صاحب نے سنن ابی داؤد، جلد ۲، صفحہ ۳۰۴ پر منقول حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اپنے فتوے میں لکھا تھا:

''آپ ﷺ نے ناچاقی ناقابل اصلاح کے آئندہ خطرات سے متاثر ہو کر فوراً تفریق کرا دی۔ جس سے صاف روشن ہے کہ تنازع ناقابل درستی کی صورت میں بجائے عورت کو مجبور کرنے کے خلع از حد بہتر اور مقدم امر ہے تا کہ عورت آزاد ہو کر حسب منشا آباد ہو سکے، زنا جیسی بلا سے بچ کر اطمینان سے زندگی بسر کرے۔ ادھر خاوند کو بھی حق مل جائے اور فتنہ دب جائے............ قاضی کو چونکہ ولایۃ عامہ حاصل ہے، جیسا کہ فقہ کی تمام کتب میں مذکور ہے، مثلاً شرح الوقایہ، باب

استدائۃ الزوجۃ علی الزوج، جلد۲، صفحہ ۱۷۴، قام القاضی مقامہ لکونہ ذا ولایۃ فیفرق بینھما میں مذکور ہے " قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے " لہٰذا قاضی تفریق کرا دے اور فتنہ وفساد ختم کر دے " --- [ایضاً، صفحہ ۳۸۲]

مولانا خالدی کی پیش کردہ سنن ابی داؤد کی حدیث حبیبہ بنت کہل اور اس سے استدلال پر تبصرہ کرتے ہوئے صاحب فتاویٰ نوریہ ارشاد فرماتے ہیں:

" حدیث حبیبہ بنت سہل سے خلع ہی ثابت ہے، وجوب یا جبر زوج علی الخلع ثابت نہیں ۔ عینی شرح صحیح بخاری، جلد۹، صفحہ ۵۷۱ میں ہے:

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم طلقھا الامر فیہ للارشاد و الاستصلاح لا للایجاب و الالزام و مثلہ فی حاشیۃ البخاری عن الفتح ---

اور بصورت انکار زوج قاضی تفریق نہیں کر سکتا کہ تفریق حکماً طلاق ہے کہ گرہ نکاح زوج کے ہاتھ میں ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

الذی بیدہ عقدۃ النکاح ---

ولایت قاضی کا یہ معنی نہیں کہ صرف عورتوں کو خوش کرتے ہوئے تفریق کرتا رہے " --- [فتاویٰ نوریہ، جلد۲، صفحہ ۳۸۸-۹]

مولانا خالدی صاحب نے اپنے فتویٰ میں لکھا تھا کہ شرح الوقایہ، باب استدائۃ الزوجۃ علی الزوج، جلد۲، صفحہ ۱۷۴ پر ہے۔ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ مولانا موصوف کے اس حوالہ پر ان کا تعاقب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

" شرح الوقایہ میں باب استدائۃ الزوج نہیں اور نہ ہی اس میں یہ عبارت ہے، بلکہ باب النفقہ کے مسائل ... اند میں دلیل امام شافعی ذکر فرمائی اور اس کے حاشیہ پر مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے اس دلیل کی تفصیل میں یہ لفظ ذکر کیے ۔ فقہ حنفی کی کسی مستند کتاب میں یہ مذکور نہیں بلکہ صاف صاف تصریح فرما دی کہ ہمارے مذہب میں زوج کے نفقہ سے عاجز ہونے کی صورت میں قاضی تفریق نہیں کر سکتا " --- [ایضاً، جلد۲، صفحہ ۳۸۹]

درج بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی صاحب مرحوم کی جزئیات

فقہیہ اور کتب فقہ پر کتنی گہری نظر تھی۔ متون، شروح وحواشی ہمہ وقت ان کی نظر میں رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی وہ کسی مسئلہ میں کوئی فتویٰ دیتے تو پورے وثوق ویقین کے ساتھ وہ درجنوں کتب فقہ کے حوالہ جات، مجلدات وصفحات کی قید کے ساتھ درج کرتے جاتے ہیں اور انہیں کہیں کسی اپنے بیان کردہ مسئلہ سے رجوع کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

مولانا ثناء اللہ خالدی الہاشمی صاحب نے اپنے فتویٰ میں یہ بھی قول کہا تھا اس مسئلہ میں ''سوائے تقلید امام شافعی ﷫ کے کوئی چارہ نہیں، لہٰذا ورثاء امام شافعی علیہ الرحمہ کے مذہب پر عمل کر کے معاملہ ختم کریں'' --- [فتاویٰ نوریہ، جلد۲، صفحہ ۳۸۳]

مولانا خالدی کے اس قول کا محاکمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عنین پر عاجز عن النفقہ کا قیاس شوافع، قیاس مع الفارق ہے، کما بین فی المبسوط، جلد۵، صفحہ ۱۹۱ و البحر، جلد۴، صفحہ ۱۸۴ وغیرھا۔ البتہ شرح الوقایہ، جلد۲، صفحہ ۱۷۵، در المختار، جلد۲، صفحہ ۹۰۳، شامی، جلد۲، صفحہ ۹۰۳، بحر الرائق، جلد۴، صفحہ ۱۸۴ میں ہے کہ مشائخ نے مستحسن فرمایا کہ قاضی حنفی ضرورت کے وقت شافعی المذہب کو نائب بنائے اور وہ شافعی المذہب تفریق کرے۔

و النظم من شرح الوقاية استحسنوا ان ينصب القاضي نائبا شافعي المذهب يفرق بينهما اور رعایت شروط ضروری ہے کہ نافذ ہو۔ کما فی رد المختار وغیرہ اور ان شروط سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ رشوت نہ لیں۔ در المختار وغیرہ میں ہے، اذا لم يرتش الآمر و المامور اور اگر خود قاضی حنفی تفریق کرے تو نافذ نہیں۔ در المختار، جلد۲، صفحہ ۹۰۳ اور بحر الرائق، جلد۴، صفحہ ۱۸۴ میں ہے:

و النظم من الدر و لو قضى به حنفي لم ينفذ، مگر مسئول کا قیاس اس پر صحیح نہیں کہ یہاں تو زوج کی طرف سے عورت کو کوئی تکلیف نہیں سوائے خیالات فاسدہ کے اور دلائل سے ثابت ہو چکا کہ مرد مختار ہے۔ نصوص کے مقابلہ میں تو قیاس مجتہدین بھی مضمحل ہوتا ہے اور ابنائے زمانہ تو مجتہد کہاں، مجتہدین کا کلام سمجھ لیں تو غنیمت ہے۔ اور اگر قیاس ہی کرنا ہے تو ان مسائل پر کیوں نہیں قیاس کرتے جن میں تفریق نہیں، مثلاً اگر زوج باوجود قدرت عورت کو خرچ نہ دے تو قاضی بالاتفاق تفریق نہیں

کر سکتا بلکہ قید کرلے، حالاں کہ طاقت ہوتے ہوئے خرچ نہ دینا صریح ظلم ہے اور عورت کو اس میں سخت تکلیف ہے"---[ایضاً، جلد۲، صفحہ ۹۰-۳۸۹]

"درالمختار، جلد۱، صفحہ ۲۲۸ میں خلاصہ سے ہے، لو قیل لحنفي ما مذهب الامام الشافعي في كذا وجب ان يقول قال ابو حنيفة كذا ،یعنی اگر حنفی سے دریافت کیا جائے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی کا مذہب کیا ہے تو واجب ہے کہ کہے حضرت ابو حنیفہ نے یوں فرمایا......... اگر شافعی کے مذہب کی طرف انتقال کرے تو تعزیر لگائی جائے۔ ارتحل الى مذهب الشافعي رحمه الله تعالى يعزر اور جلد۳، صفحہ ۳۹۹ میں ہے کہ ایسے شخص کی شہادت قبول نہیں، و لا من انتقل من مذهب ابي حنيفة الى مذهب الشافعي، یہ ہیں درالمختار کی تصریحات اور مفتی صاحب درالمختار سے اجازت نقل فرما رہے ہیں، بلکہ درالمختار، جلد۴، صفحہ ۴۲۰ میں ہے کہ اگر قاضی اپنے مذہب کے معتمد کی مخالفت کرے تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوتا، یہی مختار للفتویٰ ہے۔ صرف درالمختار کے چند ارشادات پر اختصاراً اقتصار ہے کہ مسئلہ متنازع فیہا میں تو تقلید امام شافعی کا دخل ہی نہیں"---[ایضاً، جلد۲، صفحہ ۳۹۱]

فتویٰ کے اختتام پر فرماتے ہیں:

"الحاصل ہندہ کا نکاح نافذ و لازم ہے، ہندہ یا قاضی فسخ نہیں کر سکتے اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی شغار نہیں اور نہ ہی حکم فسخ و حرمت ہے اور نزاکت زمان وغیرہا کا تقاضا یہ نہیں کہ فسخ نکاح کے لیے حیلے بہانے کیے جائیں کہ اس میں بجائے اصلاح ایک سخت طوفان برپا کرنا ہے، عورتیں ناقصات العقل والدین تو ہیں ہی اور پھر نزاکت زمان نے ان کی اکثریت کو گستاخ بنا رکھا ہے اگر مردان کے اشاروں پر چلتے رہیں اور نہایت نرمی و چاپلوسی سے رہیں تو شاید یہ صنف نازک موافقت رکھے ورنہ کوئی چارہ کارگر نہ ہوگا۔ ایسے حیلے بہانے تو بن ہی سکتے ہیں، آخر علیم بذات الصدور کے حضور تو ضرور پیش ہونا ہے، عاقل وہ ہے جو دنیا میں ذخائر اخرویہ اور خزائن ابدیہ جمع کرے نہ یہ کہ وبال ابدی اٹھاتے ہوئے جیفہ دنیائے دنیہ پر گرے"---[ایضاً، جلد۲، صفحہ ۶-۳۹۵]

❁❁❁❁❁

محاکمہ 8

فتاویٰ نوریہ، جلد دوم میں دوسرا محاکمہ بھی کتاب النکاح، باب الشغار میں ہی مولانا عبد الجبار، بونگہ حیات تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری (حال ساہیوال) کے تحریر کردہ ایک فتویٰ کا ہے۔ ستمبر ۱۹۶۲ء میں تحصیل پاکپتن کی یونین کونسل پیرغنی کے امام مسجد سید محمد قاسم علی شاہ صاحب کی طرف سے ایک استفتاء بغرض جواب آپ کی خدمت میں آیا۔ سوال یہ تھا:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع اہل متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھی ہے اور خاوند کے گھر کسی طرح ناراضگی ہے اور مولوی عبدالجبار ساکن بونگہ حیات فتویٰ لکھتے ہیں کہ اس کو طلاق ہو چکی ہے، کیا بغیر خاوند کے طلاق ہو سکتی ہے، از روئے شریعت جلد از جلد حکم فتویٰ ارسال فرمائیں۔ بینوا توجروا ---- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۲، صفحہ ۳۰۱]

مذکورہ سوال کا پس منظر

زیر بحث استفتاء کا پس منظر یہ ہے کہ تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری (حال ضلع پاکپتن) کے چک گاہے خاں کے نور محمد قوم ماچھی نے اپنی بیٹی حنیفہ بنت نور محمد کا نکاح بدہ پر گیارہ سال کی عمر میں کر دیا، دوسری خاتون عطا بیگم بنت قادر بخش عرف قادرا تحصیل منچن آباد ساکنہ جویا ریاست بہاولپور تھی۔ نکاح کے وقت موخر الذکر بالغہ اور اول الذکر نابالغہ تھی، بعد از نکاح عطا بیگم کے ورثاء نے اس کو سسرال بھیجنے سے انکار کر دیا، چنانچہ یہ مسئلہ 15/8/1962 کو بونگہ حیات کے ایک مولانا مولوی

عبدالجبار کے پاس بغرض فتوی ارسال کیا گیا، جس کی روشنی میں مولانا موصوف نے جواب میں لکھا:

''تین شقوں سے یہ نکاح فسخ ہے، ایک تو بٹے والا نکاح شروع ہی سے ناجائز ہے، بٹے والا نکاح مشروط ہوتا ہے، یہ دوسری شق فسخ کی ہے۔ بلوغت کے بعد ولی کی ولایت منقطع ہو جاتی ہے، لڑکی مختارہ ہو جاتی ہے، فقط۔

حاصل کلام کا یہ ہے کہ اگر ایک لڑکی کے وارث لڑکی دینے سے انکار کرتے ہیں تو دوسری طرف والے بھی جواب شرعاً دے سکتے ہیں، کیوں کہ بٹے والا نکاح شرط کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب ایک طرف سے مایوسی ہے تو دوسری طرف سے بھی مایوسی ہے اور یہ سوال کا جواب ہے اور با حوالہ ہے۔ فقط'' --- [فتاویٰ نوریہ، جلد۲، صفحہ ۸-۳۹۷، ملخصاً]

مولانا عبدالجبار صاحب نے اپنے اس فتویٰ میں جن ماخذ پر اعتماد کیا ہے، ان میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

کتب حدیث

۱.....ابوداؤد شریف، جلد۲، صفحہ ۲۴۷ دو احادیث

۲.....مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۲۷۱

۳.....صحیح مسلم، جلد ۵، صفحہ ۴۵۵ ایک حدیث

۴.....صحیح بخاری، جلد۲، صفحہ ۷۷۱

کتب فقہ

۱.....ہدایہ، جلد۲، صفحہ ۷-۲۱۶

۲.....فتاویٰ شامی، جلد۲، صفحہ ۴۳۲

۳.....فتاویٰ نذیریہ، سید نذیر حسین دہلوی، صفحہ ۷-۲۲۶، جلد مذکور نہیں

گویا کل سات کتب حدیث وفقہ پر اعتماد کرتے ہوئے لکھا جانے والا فتویٰ مولانا موصوف کے مطالعہ کی ''گہرائی'' کا از خود منہ بولتا ثبوت ہے۔ فتویٰ کے آخر میں جو نام لکھا گیا ہے وہ کچھ یوں ہے:

''حررہ علامہ بحرالعلوم مولوی عبدالجبار مدرس کتب عربی تحصیل تام سند یافتہ دہلی شریف علامہ فاضل باہری بوگری یعنی بونگہ صالح حال وارد بونگہ حیات تحصیل پاکپتن شریف ضلع منٹگمری بقلم خود''

ساتھ ہی یہ تصدیقی الفاظ بھی فتویٰ کے آخر میں ثبت ہیں:

''یہ فتویٰ لاجواب ہے، باطن کا اللہ اعلم بالصواب ہے''---

لطف کی بات یہ ہے کہ ان تصدیقی کلمات کے آگے کسی عالم کا کوئی نام یا دستخط وغیرہ نہیں، البتہ یہ لکھا ہے:

مہر و دستخط اردو مفتی اعظم مولوی عبدالجبار، سند یافتہ دہلوی شریف---

[ایضاً، جلد۲، صفحہ۹-۳۹۸]

یہ کیس (مقدمہ) چوں کہ میاں غلام محمد مانیکا رئیس اعظم پیر غنی تحصیل پاکپتن کی عدالت میں فیصل ہوا تھا چنانچہ مولانا موصوف عبدالجبار صاحب بونگوی نے میاں صاحب مانیکا کے حضور جو چٹھی ارسال کی ذرا اس کا متن ملاحظہ ہو:

23-8-62

مکرم محترم جناب حاجی الحرمین الشریفین حضرت جناب میاں غلام محمد احمد صاحب رئیس اعظم سلامت باد، زندہ باد، نجم سعادت بر اوج باد، بادشاہی پائندہ باد

السلام علیکم! عرض ہے کہ فتویٰ پر سوال کا جواب دیا جاتا ہے اور صحیح جواب باحوالہ دیا جاتا ہے، کوئی ضد اور مخالفت سے نہیں لکھا جاتا ہے اور کوئی شخص قسم اور حلف کھا کر سوال مفتی صاحب کے پاس کرتا ہے تو مفتی جواب دیتا ہے اور وہ برخلاف ظاہر ہو تو مفتی صاحب کا کوئی جرم نہیں ہے۔ اس سائل پر گناہ ہے۔ ''اگر کوئی میری تحریر میں جناب کے ارادہ کے خلاف معلوم ہو تو اصلاح فرما دیں، بندہ جناب کا مولوی ہے'' لہٰذا بندہ ہر فتوے میں صد کتاب میں نظر کر کے فتویٰ لکھتا ہے۔ بعدہ اللہ اعلم بالصواب ہے۔ آپ جناب میرا فتویٰ منگوا کر نظر فرما دیں اور اپنی نظر مبارک سے مشرف فرما دیں اور اصلاح کریں۔ میرے بزرگ میاں بشیر احمد صاحب کو میرا اسلام و دعا۔ بندہ پیر غنی حاضر ہوا تھا لیکن جناب کی زیارت نہ ہوئی تھی، میاں بشیر احمد صاحب کے پاس حاضر ہوا تھا۔ فقط

آپ کا تابعدار خاکسار عبدالجبار از بونگہ حیات بقلم خود--- [فتاویٰ نوریہ، جلد۲، صفحہ۳۹۹]

مذکورہ خط کو ایک بار پھر پڑھیے اور دیکھیے کہ کس طرح اس کے ایک ایک لفظ سے ذہنی غلامی اور قرب شاہی و جاہ طلبی ٹپک رہی ہے۔ مجھے معاف کیجیے گا، میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر اس کو دین فروشی

قرار دیا جائے تو ایسا خیال کرنا غلط ہوگا اور نہ ہی مبالغہ پر مبنی ہوگا۔ اس لیے کہ یہ سو کتب میں نظر کر کے لکھا گیا فتویٰ ایسا ہی ہوتا ہے؟

قرب شاہی کے طالب مولانا عبدالجبار صاحب کا فتویٰ و عرضی نامہ پڑھ کر محترم میاں مانیکا صاحب نے اپنے پیش امام محترم مولانا سید محمد قاسم علی شاہ آف پیر غنی کو اپنے درج ذیل مختصر ترین خط کے ذریعہ حضرت فقیہ اعظم کی طرف رجوع کرنے کا کہا۔ خط ملاحظہ ہو:

از دفتر یونین کونسل نمبر ۱۵۲ پیر غنی تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری

''مہتمم صاحب دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور سے اس فتویٰ کے متعلق رائے اور تصدیق حاصل کی جائے''۔۔۔

غلام محمد احمد مانیکا 2.9.62

نوری محاکمہ

جب یہ استفتاء اور محترم سید قاسم علی شاہ صاحب کا مرسلہ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کے دربار علم و عرفان میں پہنچتا ہے تو آپ مولوی صاحب موصوف کے مرقومہ فتوے کا ایک ایک پہلو سے اس طرح جائزہ لیتے اور محاکمہ کرتے ہیں کہ خود تحقیق و تنقید بھی اس پر رشک کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ فتویٰ لکھتے وقت مولانا موصوف کا محاکمہ کرنے سے پہلے آمدہ سوال کے جواب میں اپنا موقف یوں بیان کرتے ہیں:

''مرسلہ کاغذات کل کی ڈاک سے موصول ہوئے، بغور دیکھنے سے واضح ہوا کہ یہ فتویٰ شرعاً فتویٰ نہیں بلکہ محض فتنہ ہے۔ ہمارے علاقہ میں مروجہ نکاح بدلہ میں بوقت عقد یہ بات کوئی فریق بھی نہیں کہتا کہ ایک لڑکی کی شرم گاہ دوسری کی شرم گاہ یا دوسری کا عوض اور مہر ہے، بلکہ باقاعدہ مبلغات مقرر کر کے حسب دستور شرع حق مہر نامزد کیا جاتا ہے اور ایسا نکاح بلا شک و شبہ صحیح ہے بلکہ اگر بوقت نکاح حق مہر کا تقرر نہ بھی ہو تب بھی نکاح صحیح ہے اور مہر مثل دینا پڑتا ہے.......... و احل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم کہ ان محرمات کے علاوہ سب عورتیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں کہ اپنے مالوں کے ساتھ طلب کرو۔ حالاں کہ کسی آیت یا حدیث سے اس نکاح کی ممانعت ہرگز نہیں آئی۔ تو اس آیت سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ ایسے نکاح

جائز ہیں۔ ہاں حدیث پاک میں اس نکاح کی ممانعت آئی ہے، جس میں حق مہر کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ ایک لڑکی کی شرم گاہ کو دوسری کا عوض بنایا جاتا ہے۔ مگر وہ صورت یہاں نہیں تو ممانعت بھی نہیں'' ---[فتاویٰ نوریہ، جلد۲، صفحہ ۲۰۱]

اپنے اس موقف کو بیان کرنے کے بعد قرآن و حدیث اور کتب فقہ میں سے متعدد دلائل اس کی تائید و تصدیق میں لاتے ہیں۔ فتویٰ لکھتے ہوئے بطور ماخذ آپ نے جن کتب سے استشہاد کیا ہے ان میں قرآن، صحیح بخاری، صحیح مسلم، شامی، ہدایہ، بیہقی شریف وغیرہ شامل ہیں۔ مولانا عبدالجبار صاحب نے اپنے فتویٰ کے شروع میں ہی ابوداود، جلد۲، صفحہ ۲۲۷ سے درج ذیل حدیث نقل کرتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ یہ نکاح شروع سے ہی ناجائز ہے۔

کتب معاویة و کان فی امره ان یفرق الی مروان بینهما و کان بینهما صداقا---

مولانا ابوگوی صاحب کی بیان کردہ مذکورۃ الصدر حدیث اور اس سے استدلال کرنے پر تبصرہ و محاکمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مولوی عبدالجبار صاحب نے ابوداؤد کی حدیث بطور سند ذکر کی ہے مگر بڑی غلطی کی ہے۔ حدیث کے لفظ بالکل غلط لکھ دیے اور یوں ہی معنی بھی صحیح نہیں سمجھے۔ اس حدیث میں جو ''کانا جعلا صداقا'' ہے، وہ راوی کے لفظ ہیں اور حدیث مرفوع کے لفظ نہیں، پھر راوی یہ بھی بیان نہیں کرتا کہ صحابی کو اس کی اطلاع ہوئی یا نہیں؟ اور نہ ہی یہ واضح کیا کہ کس چیز کو صداق بنایا اور کب بنایا، تو اس کا کوئی متعین معنی ہی نہیں جس سے استدلال کیا جائے بلکہ مولوی صاحب کے مسلم نذیر حسین دہلوی کے ہم مذہب مولوی وحیدالزمان نے تو ترجمہ ابوداؤد میں اس استدلال کو بالکل ہی اڑا دیا کہ اس کا ترجمہ کیا ''اور اسی کو مہر سمجھا'' تو یہ وہی صورت ممنوعہ بنی جو ہمارے مسئلہ سے غیر متعلق ہے۔ پھر مولوی صاحب نے مشکوٰۃ شریف وغیرہ سے شرائط نکاح کے متعلق حدیث ذکر کی حالاں کہ ان شرائط سے مراد وہ شرائط ہیں جو نکاح کے موافق ہوں، کما صرح به العینی و النووی و غیرهما من الشراح و یدل علیه نفس الحدیث و ذا ظاهر جدا----

تو واضح ہوا کہ اس شرط کا یہ حکم نہیں کیوں کہ یہ مخالف نکاح ہے۔ اس میں تو ہے

"ورنہ جواب ہے" بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ ایسی شرطیں خود باطل ہو جاتی ہیں اور نکاح کو باطل نہیں کر سکتیں۔ صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۳۷۷ و صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۹۴ وغیرہ میں حدیث مرفوع میں ہے "ما کان من شرط لیس فی کتاب اللّٰہ فھو باطل و ان کان مائۃ شرط" تو واضح ہوا کہ مولوی صاحب کا استدلال بھی غلط ہے" --- [ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۴۰۲-۴۰۳]

پھر مولانا صاحب مشکوۃ شریف کی ایک حدیث "احق الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفرج" سے استدلال کرتے ہوئے شرائط نکاح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یعنی شرائط نکاح کے تم وفا کرو جن کے سبب تم نے عورتوں کی شرم گاہیں حلال کی ہیں" اس استدلال کا محاکمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پھر مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ خیار بلوغ ثابت ہے اور حدیث مشکوۃ شریف سے استدلال کرنا بھی غلط در غلط ہے کہ حدیث مشکوۃ میں اس لڑکی کے خیار کا ذکر ہے جو بوقت نکاح بالغہ تھی اور اس نکاح کو پسند نہیں کرتی تھی جیسا کہ خود مولوی صاحب بھی ترجمہ میں اقرار کرتے ہیں کہ ایک لڑکی بالغہ حاضر ہوئی۔ حالاں کہ مسئلہ زیر بحث میں لڑکی بوقت نکاح بالغہ نہیں تھی اور بعد میں بالغہ ہوئی تو یہ کیا دلیل بنی" ---

مولوی صاحب نے مشکوۃ شریف، صفحہ ۲۷۱ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث کا ترجمہ درج ذیل کیا تھا:

"روایت ہے ابن عباس سے کہ ایک لڑکی بالغہ حاضر ہوئی دربار نبوی میں اور کہنے لگی کہ میرا نکاح میرے والد نے کر دیا تھا اور میں مکروہ جانتی ہوں اس نکاح کو پس نبی ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دے دیا اور نکاح فسخ کر دیا" --- [ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۳۹۸]

مولانا صاحب کے اس ترجمہ اور حدیث دانی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور ترجمہ حدیث مشکوۃ میں یہ لکھا "اور نکاح کو فسخ کر دیا" بالکل غلط ہے، ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو" --- [ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۴۰۲]

مولانا صاحب نے اپنے فتوٰی میں صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۷۱ سے ایک حدیث نقل کرتے ہوئے زیر بحث نکاح کے باطل ہونے پر استدلال کیا تھا، حدیث یہ ہے:

من زوجها الاب او الجد فخيرها النبی صلی اللہ علیہ وسلم---

''ابن عباس سے ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس لڑکی کا نکاح باپ یا دادا کرے اور یہ لڑکی اس کو مکروہ جانے پس وہ نکاح رد کر دیا جاوے گا''---[صفحہ ۳۹۸]

ہمارے ممدوح صاحب فتاویٰ نوریہ، مولوی کی اس دلیل کا محاکمہ یوں فرماتے ہیں:

''یوں ہی بخاری شریف، جلد ۲، صفحہ ۷۷۱ کی حدیث سے بھی استدلال غلط ہے۔ بخاری کے صفحہ مذکورہ میں یہ لفظ قطعاً ہیں ہی نہیں اور نہ ہی اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کوئی ایسی حدیث ہے۔ ہاں حضرت خنساء کی حدیث ہے اور وہ بھی بیوہ بالغہ کے متعلق ہے، تو اس سے بھی استدلال نہیں ہو سکتا اور ترجمہ میں ''پس وہ نکاح رد کیا جاوے گا'' لکھنا بھی غلط ہے۔ مولوی صاحب کی اپنی بنائی ہوئی عبارت میں بھی کوئی عربی جملہ ایسا نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو سکے۔ محض اپنی بات بنانے کے لیے یہ ٹھوکریں کھائیں''---[ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۴۰۳]

ہذا نکاح کے باطل ہونے پر ہدایہ شریف کی ایک عبارت بھی اپنے موقف کے حق میں پیش کی گئی ہے، مولانا صاحب لکھتے ہیں:

''ہدایہ شریف، جلد ۲، صفحہ ۳۱۴ میں ہے:

لا یستحق الاستیفاء قبل الایفاء---

''حق لینے کا مالک نہیں جب اپنی طرف سے حق ادا نہ کرے''---

یہ ہذا کا حکم ہے اگر ایک طرف سے جواب ہے تو دوسری طرف سے بھی جواب ہے، لہٰذا لڑکی مذکورہ کا خیار بلوغ ثابت ہے''---[ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۳۹۷]

اس پر جرح کرتے ہوئے ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۳۱۴ سے بھی استدلال صحیح نہیں، وہ عبارت تو حق مہر معجل کے متعلق ہے کہ جب تک پورا ادا نہ کرے، عورت کو اپنے گھر کا پابند نہیں بنا سکتا۔ ہدایہ کی پوری عبارت یہ ہے:

و لیس للزوج ان یمنعها من السفر و الخروج من منزله و زیارة اهلها حتی یوفیها المهر کله ای المعجل لان حق الحبس لاستیفاء

المستحق و ليس له حق الاستيفاء قبل الايفاء---

اور نکاح بہ کے ساتھ اس عبارت کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ ہدایہ، صفحہ ۲۹۳ وغیرہا میں ہے:

ان النکاح لا یبطل بالشروط الفاسدة---

''نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا''---[ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۴۰۳]

پھر یہ بات بھی بڑی عجیب ہے کہ مفتی صاحب سے ایک سنی حنفی فتویٰ طلب کر رہا ہے اور وہ اسے فتویٰ غیر مقلدین کی کتب سے دے رہے ہیں، یہ بات اصول فتویٰ کے ہی خلاف ہے۔ چنانچہ ہمارے ممدوح فرماتے ہیں:

''پھر فتاویٰ نذیریہ سے سند لانا بھی غلط ہے کہ نذیر حسین صاحب غیر مقلد تھے، ان کا فتویٰ ہم مقلدین حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے لیے دلیل نہیں بن سکتا''---[ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۴۰۴]

مولانا عبدالجبار صاحب نے نقل عبارت میں بھی تحریف سے کام لیا ہے، چنانچہ مولانا صاحب کی اس تحریف کی نشان دہی کرتے ہوئے صاحب فتاویٰ نوریہ فرماتے ہیں:

''شرح صحیح مسلم سے نووی علیہ الرحمہ کی عبارت جو نقل کی ہے اس میں بھی غلطی کی ہے، ان ینکحوا الصغیرة اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے اور ''یصح'' چھوڑ دیا''---[ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۴۰۴]

مولانا صاحب کی تلون مزاجیوں پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

''تعجب ہے مولوی صاحب غیر مقلدوں کا فتویٰ ذکر کرتے ہیں اور کبھی شافعی المذہب کی نقل۔ بعد ازاں شامی سے انقطاع ولایت کی عبارت نقل کی، حالاں کہ یہ عبارت در المختار کی ہے''---[ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۴۰۴]

مولوی صاحب کے قول واقوال اور میاں غلام محمد احمد مانیکا صاحب کے نام چٹھی پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا:

''تعجب ہے کہ سو کتاب سے فتویٰ دیتے ہیں مگر ساتھ ہی میاں صاحب کو اختیار دیتے ہیں کہ اگر ان کے ارادہ کے خلاف معلوم ہو تو اصلاح فرمالیں۔ اس سے اپنے

فتووں کی حقیقت بے نقاب کر دی مگر بفضلہ و کرمہ تعالیٰ میاں صاحب حقیقت شناسی اور خدا ترسی سے کام لیتے ہوئے اصلاح کی اس پیش کش کو قبول نہیں کرتے اور یہ شرعی معاملہ علماء شرع کے ہی سپرد کرتے ہیں۔ دعا ہے کہ حضرت رب العالمین جل مجدہ الکریم ان کے حسن تدبیر میں اضافہ فرمائے''۔۔۔ [ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۶ - ۴۰۵]

حقیقت یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں آپ کے مرقومہ فتویٰ کو اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اس کا ایک ایک حرف یقین اور حق کے نور سے منور دکھائی دیتا ہے، جس میں نہ کوئی تعصب ہے اور نہ عناد کو کوئی راہ بلکہ مسلکی و نظریاتی اختلاف بھی آپ کے قلم کو جادہ حق سے بھٹکنے نہیں دیتا، بلکہ آپ ایک سچے اور مخلص خادم دین کی حیثیت سے ہر مسئلے کو دیکھتے اور پھر اپنے پرائے کا امتیاز کیے بغیر حکم شرعی صادر فرماتے ہیں۔

جلد سوم میں شامل محاکمات

فتاوی نوریہ جلد سوم میں آٹھ (۸) فتاویٰ ایسے ہیں جن میں حضرت فقیہ اعظم مفتی محمد نور اللہ صاحب نے اپنے ہم عصر فقہاء ومفتیان کرام سے بعض مسائل میں ان کی آراء سے، علمی اختلاف کیا ہے، آئندہ سطور میں ہم ان میں سے چند مسائل پر حضرت ممدوح کے محاکمات کا جائزہ لیتے ہیں:

محاکمہ 9

کنایات سے وقوع طلاق کا مسئلہ

فروری ۱۹۴۲ء میں چک نمبر ۱۹ ضلع منٹگمری (حال ساہیوال) سے ایک استفتاء بغرض جواب آپ کی خدمت میں آیا، جس میں درج ذیل سوال کیا گیا:

بخدمت علماء اسلام

عرصہ تقریباً تین سال کا ہوا ہے، میرے خاوند غلام محمد ولد بوٹا قوم موچی ساکن ککہ کنڈیالہ ضلع امرتسر نے مجھ کو مار کوٹ کر گھر سے نکال دیا اور کہا کہ اپنی ماں کے ساتھ چلی جا، میرا تیرا واسطہ نہیں ہو سکتا اور نہ میں تجھ کو رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی ماں کے ساتھ چک نمبر ۱۹ ضلع منٹگمری میں آ گئی، اس وقت سے محنت مزدوری کر کے اپنا گزارہ کر رہی ہوں، نہ میرا خاوند آیا، نہ لے جا کر آباد کیا اور نہ نان ونفقہ دیا میرا بھائی اس کے پاس دو تین دفعہ گیا اور جا کر اس کو کہا کہ یا تو اپنی زوجہ کو لے کر

آباد کر یا طلاق لکھ دے، تو کہتا ہے کہ نہ میں نے آباد کرنا ہے اور نہ میرا اس پر کوئی حق ہے، لہٰذا اب علمائے کرام سے درخواست کرتی ہوں کہ اگر میرا کوئی شرعی فیصلہ ہو سکتا ہے تو فتویٰ دیں"۔۔۔

سائلہ مسماۃ مختاب بی بی [فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۱۹۲]

سائلہ مذکورہ بالا نے اپنا یہی مسئلہ اس سے پہلے ایک اور عالم مفتی ابو عبد الحق سید محمد یحییٰ بن سید محمد شریف امیر شریعت ساکن گھڑیالہ کے پاس بھی بھیجا تھا، چنانچہ مولانا موصوف نے اس سوال کا جواب بصورت فتویٰ یہ ارشاد فرمایا:

"اگر سوال صحیح ہے تو صورت مسئولہ میں مختاب بی بی کو طلاق واقع ہو چکی ہے کیوں کہ خاوند کا اپنی زوجہ کو مار کوٹ کر گھر سے نکال دینا اور منہ سے کہنا کہ جا اپنی ماں کے ساتھ چلی جا، میرا تیرا و سیب نہیں ہو سکتا اور نہ میں تجھ کو رکھنا چاہتا ہوں اور پھر دوبارہ مختاب بی بی کے بھائی کو یہ کہنا، نہ میں نے آباد کرنا ہے اور نہ اس پر میرا کوئی حق ہے، شرعاً اس سے طلاق ہو جاتی ہے۔ طلاق کے لیے یہ شرط نہیں کہ طلاق کا لفظ زبان سے نکالے بلکہ کوئی لفظ اس کے ہم معنی زبان سے نکل جائے تو بھی طلاق پڑ جاتی ہے۔ اگر ان الفاظ کے کو تین حیض آ چکے ہوں تو وہ عورت جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے اور باقی رہا اس کا یہ کہنا کہ میں طلاق لکھ کر نہیں دیتا، یہ مانع طلاق نہیں، تحریر کی ضرورت نہیں، طلاق زبانی بھی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جتنی طلاقیں ہوتی رہیں کسی میں تحریر نہیں ہوئی بلکہ خیر قرون میں بھی نہیں۔ آج کل کاغذ لکھنا لکھانا حکومت کے قانون کے مطابق ہے کیوں کہ بعد میں جھگڑے کے وقت دکھانا پڑتا ہے۔ پس سوال کی صورت میں بلا شبہ طلاق واقع ہوئی ہے"۔۔۔ فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۱۹۳-۱۹۴]

مولانا موصوف نے اپنے اس فتویٰ کی تائید میں آیت کریمہ "الرجال قوامون علی النساء" سے استدلال کیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی حدیث یا فقہاء کے اقوال میں سے کسی کا کوئی قول بطور سند ذکر نہیں کیا۔ ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مذکورۃ الصدر، مولانا ابو عبد الحق

سید محمد یحییٰ صاحب کے ارشاد فرمودہ فتویٰ کا محاکمہ کرتے ہوئے جو جواب ارقام فرمایا، وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اپنے جواب میں حضرت نے متعدد آیات و احادیث اور اقوال فقہاء سے استناد کیا ہے۔ آپ اپنی بصیرت افروز رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''زوج کا اپنی بیوی کو ''چلی جا'' کہنا طلاق صریح نہیں، البتہ نیت طلاق سے بائن بن سکتا ہے اور بلا نیت طلاق کسی حال میں طلاق نہیں بن سکتا.......... اور ایسے ہی میرا تیرا و سیب نہیں ہو سکتا اور نہ میں تجھ کو رکھنا چاہتا ہوں، بلا نیت طلاق حالت رضا و غضب میں طلاق نہیں بن سکتا اور ظاہر سوال یہی ہے کہ وہ حالت غضب تھی، تو جب تک یہ متحقق و ثابت نہ ہو لے کہ زوج نے ان لفظوں کے بولتے وقت نیت طلاق کی تھی تو متاب مذکورہ کا مطلقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ متاب کے بھائی کا غلام محمد زوج کے پاس دو تین دفعہ جانا اور کہنا کہ یا تو اپنی زوجہ کو لا کر آباد کر یا طلاق لکھ دے، صاف صاف بتاتا ہے کہ متاب اور اس کے متعلقین کی سمجھ میں بھی حالات کے لحاظ سے یہی ہے کہ ان لفظوں سے طلاق نہیں پڑی کہ زوجہ ہونے کا اقرار کیا، آباد کرنے کے متعلق کہا۔ رہا غلام محمد کا اس کے جواب میں کہنا، نہ میں نے آباد کرنا ہے، اس کی وجہ بتایا ہو، اہل زبان کے ایسے محاورات ہیں اور ایسے ہی بہت ممکن کہ متاب کے بھائی نے پھر وہی کلام دہرائی ہو یا پوچھا اور کہا ہو اور غلام محمد نے جواباً کہا ہو، نہ میرا اس پر کوئی حق ہے، یعنی لفظ ''نہ'' سے اس کلام کی نفی کی ہو اور لفظ ''میرا اس پر کوئی حق نہیں''، اس کو اس کی وجہ بنایا ہو جیسا کہ ہمارے روزمرہ محاورات میں شائع ہے، نیز یہی ظاہر ہے کہ غلام محمد نے پنجابی میں جواب دیا ہوگا، تو بہت ممکن کہ اس کے لفظوں کا اردو بناتے وقت ذرا تقدیم و تاخیر سے مفہوم بدل گیا ہو'' --- [ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۵-۱۹۴]

حضرت فقیہ اعظم نے اپنے اس جواب کو متعدد دلائل سے مبرہن کیا اور پھر مفتی سید محمد یحییٰ صاحب کے اس کو طلاق صریح قرار دینے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''رہا مفتی صاحب کا الفاظ مذکور کو مطلق طلاق قرار دینا، تو محض سینہ زوری اور غلط ہے۔ اس کے پاس اس پر کوئی حجت شرعیہ نہیں اور اس کا یہ کہنا کہ آباد کرنے کی نیت نہ

ہونے سے کچھ نہیں رہتا، محض غلط و باطل، قرآن کریم کے صریح خلاف ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو عموماً الفاظ طلاق بولا، طلاق نہ بنتا کہ عام طور پر بولنے سے پہلے آباد نہ کرنے کی نیت ہوا کرتی ہے"۔۔۔

اسی طرح مولانا صاحب کے آیت کریمہ "الرجال قوامون ..... الخ" سے استدلال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رہا اس کا استدلال آیت "الرجال قوامون علی النساء" سے، وہ استدلال بھی غلط ہے۔ آیت میں یہ ہرگز نہیں فرمایا گیا کہ ایسی صورت میں کوئی حق نہیں رہتا، بلکہ یہ آیت "و لن تستطیعوا ان تعدلوا ..... الخ" اس کہنے کا صاف رد کرتی ہے"۔۔۔

مولانا شاہ صاحب نے اپنے فتویٰ میں تعریضاً ایک حدیث بھی ذکر کی ہے، اس پر جرح کرتے ہوئے فرمایا:

"اور جو بعض احادیث کا حوالہ دیا گیا ہے، اولاً تو وہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موقوف ہونا صحیح بخاری سے ثابت ہے، ثانیاً اس حدیث سے کہ مجھے کھلا یا طلاق دے، یہ سمجھنا کہ کوئی حق نہیں رہتا، محض غلط ہے۔ بلکہ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ حق باقی ہے، ورنہ لازم آئے کہ اگر زوج اس کہنے کے بعد اس عورت کو کھلائے، خرچ دے اور آباد کرنا چاہے تو اسے کوئی حق ثابت نہ ہو، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ مذاہب اربعہ کے صاف خلاف ہے، اس حدیث کی تردید کے بھی خلاف ہے، ہاں اس میں شک نہیں کہ نان و نفقہ نہ دینا اور آباد نہ کرنا اور طلاق بھی نہ دینی، بڑا سخت گناہ ہے اور عورت استغاثہ کر کے نان و نفقہ لے سکتی ہے"۔۔۔ [ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۱۹۵-۶]

دوران فتویٰ ایک مشفق اور ناصح کی طرح نصیحت کرتے ہوئے مستفتی اور عامۃ الناس کو فرماتے ہیں:

"غرضیکہ ایسے مقاموں میں نہایت ہی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کہ لوگ

باہمی اختلافات کی وجہ سے خواہ مخواہ ایسی صورتیں پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور بعضے ناحق شناسوں کی تلقین سے ذرا ایچ پیچ کر کے فتویٰ حاصل کر کے نکاح پر نکاح کر دیا کرتے ہیں، خصوصاً جب کہ منتاب کی طرف سے استفتاء لانے والے نے فقیر کو صاف کہہ دیا تھا کہ منتاب کو انہوں نے اس کے پاس بٹھایا ہوا ہے، فتویٰ حاصل کر کے نکاح کیا جاوے گا، دو سو روپیہ لے چکے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے فتنوں سے پناہ دے'' ---[ایضاً، جلد۳، صفحہ ۱۹۵]

زیر بحث فتویٰ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کوئی بھی فتویٰ تحریر کرتے وقت دلائل شرعیہ کے ساتھ ساتھ عرف ومحاورہ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور عرف ومحاورہ کا اعتبار کرتے ہوئے سہولیات شرعیہ دینے کے عملاً علم بردار تھے۔ یہ امر آپ کی فقہی بصیرت کا زبردست منہ بولتا ثبوت ہے۔

محاکمہ 10

طلاق بالکنایہ سے متعلق ایک اور فتویٰ کا محاکمہ

مولانا ابوالفیض النوری نے اپریل ۱۹۷۰ء میں وہاڑی سے طلاق بالکنایہ سے متعلق مولانا سید صادق رسول، مدرسہ غوثیہ کہروڑپکا کا لکھا ہوا ایک فتویٰ مع سوال آپ کی خدمت میں بھیجا اور شاہ صاحب کے فتویٰ سے متعلق آپ کی ماہرانہ رائے معلوم کی۔ پہلے شاہ صاحب کا فتویٰ اور مولانا ابوالفیض نوری صاحب کا سوال ملاحظہ کریں اور بعد میں حضرت علامہ مفتی نوراللہ، صاحب فتاویٰ نوریہ کا اس پر تبصرہ گہری نظر سے ملاحظہ کریں۔ سائل نے مولانا سید صادق رسول شاہ صاحب سے سوال کیا تھا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین کہ ایک شخص کا اپنے گھر اپنی عورت کے ساتھ کسی بات کی وجہ سے لڑائی جھگڑا ہو گیا، لڑتے جھگڑتے روبرو گواہوں کے اس نے اپنی عورت کو کہا کہ اب تو میرے اوپر حرام حرام ہے اور میں تجھ کو اپنے گھر میں رکھنا نہیں چاہتا'' --- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۲۱]

اس سوال کے جواب میں محترم جناب مفتی سید صادق رسول صاحب نے درج ذیل فتویٰ ارشاد فرمایا:

''صورت مذکورہ بالا کے تحت طلاق رجعی ہوگئی اور عدت کے اندر اپنی عورت سے رجوع کر سکتا ہے:

ما ورد فی الشامی وقوع الرجعی به فی زماننا لانه لم یتعارف ایقاع البائن به--- سید صادق رسول، مدرسہ کھروڑپکا

حضرت شاہ صاحب کے مذکورہ فتویٰ اور اپنی طرف سے ایک سوال لکھ کر مولانا ابوالفیض النوری صاحب نے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ سے فتویٰ طلب کیا، چنانچہ آپ نے محولہ بالا فتویٰ اور سوال کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد درج ذیل فتویٰ ارشاد فرمایا:

''صورت مسئول عنہا میں ایک بائن طلاق تو ضرور واقع ہوگئی اور اگر پہلے لفظ حرام میں تین کی نیت ہو تو تین طلاقیں ہوگئیں''--- [فتاویٰ نوریہ، جلد۳، صفحہ۲۱۲]

مفتی حضرت سید صادق رسول صاحب نے شامی، جلد۲، صفحہ۵۹۴ کی ایک عبارت سے استدلال کیا تھا، اس لیے صاحب فتاویٰ نوریہ فرماتے ہیں:

''مفتی سابق حضرت سید صاحب نے چوں کہ عبارت شامی سے استدلال فرمایا ہے، اس لیے شامی ہی کے حوالے کافی ہیں''---

اس کے بعد شامی ہی میں سے آٹھ حوالہ جات پیش کیے اور یہ ثابت کیا ہے کہ سائل کے سوال کی روشنی میں ایک طلاق بائن ہی واقع ہوئی ہے۔ آپ کی پیش کردہ شامی کی عبارات میں سے فقط دو حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

و الحاصل انه لما تعورف به الطلاق صار معناه تحريم الزوجة و تحريمها لا يكون الا بالبائن--- [شامی، جلد۲، صفحہ۶۳۹]

اسی طرح یہ ہے:

فالتعليل بغلبة العرف لوقوع الطلاق بلا نية و اما كونه بائنا فلانه مقتضی لفظ الحرام لان الرجعی لا يحرم الزوجة ما دامت فی العدة و انما يصح وصفها بالحرام بالبائن--- [شامی، جلد۲، صفحہ۶۲۷]

مولانا سید صادق رسول صاحب نے شامی کی جو عبارت ''وقوع الرجعی به فی زماننا لانه لم یتعارف ایقاع البائن به'' پیش کرتے ہوئے اپنے موقف وقوع طلاق رجعی پر استدلال کیا تھا۔ اس پر ان کا محاکمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''باقی وہ شبہہ جو شاہ صاحب کو عبارت شامی سے عارض ہوا ہے تو وہ شبہہ محض

شبہ ہی ہے اور تعجب ہے کہ ایک فقہی فاضل کو ایسا کھوکھلا شبہ کیسے لاحق ہوا"۔۔۔

حضرت شاہ صاحب سید صادق رسول کو یہ شبہ کیوں واقع ہوا، اس کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حالاں کہ امر واقع صرف اتنا ہی ہے کہ اس مسئلہ پر کسی صاحب نے اشکال وارد کیا تو دوسرے صاحب نے اس کا ایک جواب دیا، جو شامی علیہ الرحمہ کو پسند نہیں آیا، تو جلد۲، صفحہ ۶۳۸ میں اس کا رد کیا اور رد بھی ایسے انداز سے کیا، جس سے نص مسئلہ اور مضبوط ہو جاتا ہے"۔۔۔

شامی کے حوالہ جات نقل کرنے کے بعد پورے یقین اور وثوق سے اپنی درج ذیل رائے کا اظہار کیا:

"بہر حال اس ونس کی طرح واضح ونمایاں ہے کہ شامی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی یہی مفتی بہ ہے کہ طلاق بائن ہی واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ جلد۳، صفحہ ۸۹ میں بھی اس کی تصریح فرمائی کہ و الفتویٰ علی قول المتاخرین بالصرافه الی الطلاق البائن"۔۔۔[فتاویٰ نوریہ، جلد۳، صفحہ۴-۴۱۳]

حضرت نور اللہ کی حق گوئی

ایک مفتی، فقیہ کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی مسلکی و جماعتی، شخصی و گروہی تحفظات و تعصبات سے بالا رہتے ہوئے کسی بھی مسئلہ پر غور و فکر کرے اور صدق و دیانت کے ساتھ احکام شرعیہ اور اصول و ضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے فتویٰ تحریر کرے۔ اس راہ میں ذاتی پسند یا ناپسند کو کوئی دخل نہ دے۔ حق بات کو ظاہر کرنے میں کوئی امر اس کے لیے مانع نہ ہو اور اسے اپنے کسی عزیز یا مسلکی و جماعتی کی مخالفت یا موافقت، اظہار حقیقت سے روک نہ دے۔

ہمارے ممدوح حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ حقیقت بڑی روشن صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے کہ انہوں نے نصف صدی تک فتویٰ دانی کی یہ خدمت بڑے خلوص، محبت اور ہر قسم کے تعصب سے بالا ہو کر ادا کی۔ یوں کہ اگر کوئی مسئلہ کسی نظریاتی مخالف عالم کا بھی لکھا ہوا تھا لیکن وہ ٹھیک اور درست تھا تو آپ نے اس کا انکار نہیں کیا اور اسی طرح اگر اپنے مسلک کے کسی عالم نے کوئی مسئلہ بیان کیا یا فتویٰ دیا مگر وہ اصلاح طلب اور نظر

عالی کا تقاضا کرتا تھا تو آپ نے محض اس لیے اس پر خاموشی اختیار نہیں کی وہ ہم مسلک عالم کا لکھا ہے بلکہ ایک سچے خادم دین ہونے کے باعث آپ اس کی بھی اصلاح اور راہنمائی کرتے اور مسئلہ کی صحیح صورت کو واضح کرتے ہیں۔

ہمارے اس دعویٰ کی ایک عمدہ مثال یہی زیر بحث مسئلہ ہے، مفتی سید صادق رسول شاہ صاحب کے تحریر کردہ فتویٰ کی ایک ایک جزئی کا محاکمہ وتعاقب کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:

"افسوس ہے مفتی صاحب نے سیاق وسباق سے قطع نظری فرمائی، ورنہ مسئلہ اظہر من الشمس ہے۔ رہا یہ خیال کہ تین مرتبہ حرام کہا ہے تو بلا نیت بھی تین طلاقیں ہونی چاہئیں، تو یہ بھی صحیح نہیں۔ شامی، جلد ۲، صفحہ ۶۵۷ میں ہے کہ:

لو کررہ انت علی حرام لایقع الا الاول لان البائن لا یلحق بائن ---

تو ثابت ہوا کہ ایک ہی طلاق بائن واقع ہوئی۔ ہاں اگر پہلے لفظ حرام میں تین طلاق کی نیت کی ہو تو پھر تین ہی واقع ہو گئیں۔ شامی، جلد ۲، صفحہ ۵۹۶ میں ہے:

قد صرحوا بانہ تصح نیۃ الثلاث فی انت علی حرام" --- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۲۱۲]

❁❁❁❁❁

محاکمہ 11

مجلس واحدہ میں تین طلاق کا مسئلہ

غیر مقلدین اور احناف کے ہاں یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تینوں موثر ہوں گی۔ غیر مقلدین اس کے منکر ہیں جب کہ ائمہ و علماء احناف ایسی صورت میں تینوں طلاقوں کی موثریت کی بناء پر طلاق مغلظہ واقع ہونے کے قائل ہیں۔ ایسی ہی ایک صورت حال کے موقع پر جب کہ ایک آدمی نے اپنی مدخول بہا عورت کو ایک ہی مجلس میں گواہان شرعی کے روبرو الفاظ ذیل سے طلاق دی:

> "میں نے اپنی عورت کو طلاق دی، میں نے اپنی عورت کو طلاق دی، میں نے اپنی عورت کو طلاق دی"۔۔۔

اس پر ایک مولانا صاحب نے "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے درج ذیل فتویٰ ارشاد فرمایا:

> "ایک بار طلاق نامہ کاغذ پر لکھنے سے طلاق عائد نہیں ہوتی، طلاق دینے والا ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو چاول کھلائے"۔۔۔ [فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۲۶۷]

مولانا صاحب کے اس فتویٰ کے بعد لوگوں نے صورت مسئلہ اور مولانا صاحب کا ارشاد فرمودہ فتویٰ مزید تحقیق کے لیے حضرت مولانا مفتی محمد نور اللہ نعیمی علیہ الرحمہ، صاحب فتاویٰ نوریہ کی خدمت میں بھیجا۔ سوال اور مولانا صاحب کے فتویٰ کو ملاحظہ کرنے کے بعد آپ نے علم و تحقیق کے

جو جوہر دکھائے اور اپنی محققانہ رائے ظاہر کی، وہ لائق مطالعہ اور بڑے پائے کی چیز ہے۔

حضرت ممدوح فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے فتویٰ میں بجائے اس کے کہ سرسری یا اجمالی جواب دیں، آپ نے تحقیق و تدقیق کی راہ اختیار کی اور درج ذیل کتب فقہ، حدیث اور قرآنی آیت سے اپنی بات کو پختہ اور مبرہن کیا۔ قرآن مجید کے علاوہ کتب حدیث و کتب فقہ میں سے چند ماخذات کا نام ملاحظہ ہوں:

کتب حدیث

۱......سنن ابن ماجہ ۲......صحیح مسلم ۳......شرح معانی الآثار

۴......شرح صحیح مسلم نووی ۵......موطا امام مالک

کتب فقہ

۱......ہدایہ شریف ۲......فتح القدیر ۳......بحر الرائق

۴......فتاویٰ عالم گیر ۵......فتاویٰ شامی

صورت مسئول اور مولانا موصوف کے ارشاد فرمودہ فتویٰ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے یہ فتویٰ ارشاد فرمایا:

''بلا شک وشبہ، وریب صورت مذکورہ بالا میں طلاق مکمل واقع ہو چکی اور طلاق بھی مغلظہ کہ بدون تحلیل شرعی شوہر طلاق دینے والے پر ہرگز ہرگز حلال نہیں ہو سکتی۔

قرآن کریم کا فتویٰ ہے:

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره---[پارہ ۲، رکوع ۱۳]

''اگر تیسری طلاق اسے دے تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے''---

اس کے بعد سنن ابن ماجہ، صفحہ ۱۴۷، **باب من طلق ثلاثا فی مجلس واحد**، میں سے فاطمہ بنت قیس والی حدیث نقل کرتے ہیں:

''فاطمہ بنت قیس سے کہ مجھے میرے خاوند نے تین طلاقیں دیں، جب وہ یمن جا رہا تھا، **فاجاز ذلک رسول صلى الله عليه وسلم** تو رسول اللہ ﷺ نے اسے معتبر رکھا''---

صحیح مسلم، مطبوعہ علیمی دہلی، جلد ۱، صفحہ ۴۷۸ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی فتویٰ دیا فامضاہ علیھم--- [فتاوی نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۲۶۸]

پھر موطا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی چند احادیث اپنے موقف کی تائید میں لاتے ہیں، ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ موطا امام مالک، مطبوعہ جید برقی پریس دہلی، مع الشرحین، جلد ۲، صفحہ ۷-۲۶ میں ہے:

"اگر ایک لفظ سے تین طلاقیں دے یا زیادہ تو تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں"---

اس پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتویٰ نقل فرمائے اور صفحہ ۸-۲۷ میں عبداللہ ابن عباس و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتوے ہیں کہ:

"جو شخص دخول سے قبل تین طلاقیں دے تو طلاقیں مغلظہ طور پر واقع ہو جاتی ہیں"--- [ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۲۶۸]

اس پر تائید کے لیے لکھتے ہیں:

"اور ایسے ہی یہ فتویٰ مذکورہ بالا حضرات سے امام طحاوی شرح معانی الآثار، مطبوعہ جید برقی پریس دہلی، صفحہ ۳۳ تا ۳۰ پر نقل فرماتے ہیں اور ایسے ہی تمام اسفار مذہب حنفیہ کے متون و شروح و فتاویٰ میں مشرح و مصرح ہے کہ اگر ایک لفظ سے تین طلاقیں دے، اگرچہ عورت غیر مدخول بہا ہو، تب بھی طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی ہے۔ تو ک لفظ سے غیر مدخول بہا تک کو طلاق مغلظہ کامل طور پر واقع ہو جاتی ہے تو مدخول بہا کو تین متفرق لفظوں سے طلاق مغلظہ کیوں کر واقع نہ ہو"--- [ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۲۶۸]

آگے چلتے ہوئے امام محی السنہ نووی کی شرح صحیح مسلم سے ایک قول نقل فرماتے ہیں:

قال الشافعی و مالک و ابو حنیفۃ و احمد و جماھیر العلماء من السلف و الخلف علیھم الرحمۃ یقع الثلاث---

آخر الکلام، فتح القدیر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

و ذھب جمھور الصحابۃ و التابعین و من بعدھم من ائمۃ

المسلمین الی انه یقع الثلاث---

''یعنی جمہور صحابہ کرام و تابعین عظام اور تمام امامان مسلمین کا یہی مذہب ہے کہ تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں''---

پس آفتاب نیم روز و ماہ نیم ماہ کی طرح واضح طور پر ثابت ہو چکا کہ قرآن کریم اور احادیث شریف و کتب مذہب مہذب حنفیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ایسی صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی ہے۔ و اللّٰہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم''---[ایضاً، جلد۳، صفحہ۲۶۹]

مفتی سابق کے اس فتویٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے اسے تحدی کے انداز میں کہتے ہیں:

''اور اس مفتی کا فتویٰ، فتویٰ نہیں بلکہ فتنہ ہے اور دل سے شرع مطہر پر افتراء و اجتراء ہے، اگر سچا ہے تو جیسے ہم نے ثبوت دیا وہ بھی ثبوت دے کہ کس آیت و حدیث اور کس کتاب فقہ میں یہ مذکور ہوا کہ یوں طلاق دینے والا ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ فقیروں کو چاول کھلائے اور یہ بیان اس کا مضحکہ خیز ہے کہ ایسے ایک بار طلاق نامہ کاغذ پر لکھنے سے طلاق عائد نہیں ہوتی۔ کیا تین بار کاغذ پر لکھنے سے طلاق عائد ہوگی یا کیا مطلب ہے؟ سوال تو یہ ہے کہ اس نے تین بار کہا تو اب لکھنے کی ایک بار بھی ضرورت نہیں۔ اس کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟ بلکہ فتاویٰ عالم گیری، شامی، بحر الرائق، فتح القدیر وغیرہ کتب متندہ معتبرہ میں ہے کہ حسب دستور لکھنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چہ جائے کہ زبان سے بھی کہے اور جب اس کے پاس ثبوت نہیں تو شرع مطہر پر جرأت کرنے اور غلط من گھڑت جھوٹے فتوے دینے سے توبہ کرے اور اپنی جہالت کا علاج کرے''---[ایضاً، جلد۳، صفحہ۲۶۹]

❁❁❁❁❁

محاکمہ 12

مجلس واحدہ میں تین طلاقوں سے متعلق ایک اور فتویٰ کا رد

ضلع لائل پور (حال فیصل آباد) کی تحصیل جڑانوالہ کے چک 93 /گ-ب، سے بھی مسمی لال دین نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقوں سے متعلق ایک استفسار بغرض جواب آپ کی خدمت میں بھیجا اور اس کے ساتھ ہی تحصیل جڑانوالہ کے کسی دارالعلوم جامع معارف القرآن کے دارالافتاء سے جاری شدہ مولانا مفتی عبدالغفور صاحب کا مرقومہ فتویٰ بھی آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اس فتویٰ میں بھی مولانا موصوف نے تینوں طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دیا اور اپنے فتویٰ کی تائید میں نسائی شریف سے مروی ایک حدیث مشکوٰۃ شریف کے حوالہ سے اور ایک حدیث مسند امام احمد کے حوالے سے نقل کی ہے اور اس کے علاوہ صحابہ وتابعین کے کسی قول سے استشہاد کیا ہے اور نہ فقہاءاسلام میں سے کسی کی تائید کی ضرورت محسوس کی ہے۔ جواب ملاحظہ ہو:

"اما بعد بشرطیکہ صورت مسئولہ مذکورہ مطلوب الجواب صداقت پر مبنی ہے تو ایک مجلس میں بیک وقت تین طلاق دینے کو نبی اکرم ﷺ نے ایک رجعی طلاق قرار دیا ہے۔ فرمایا یہ ایک طلاق رجعی کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں رجوع جائز ہے اور اگر خاوند طلاق سہ بار کے بعد اندر میعاد رجوع کرے تو طلاق کالعدم ہو جاتی ہے اور نکاح بدستور قائم رہتا ہے" --- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۲۹۸]

بعد ازاں یہی استفتاء بحسب تفصیل حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ سائل

نے سوال کیا کہ:

''میں عرصہ دو ماہ اور دس دن ہوئے یعنی ۲۵ جنوری ۱۹۷۸ء کو اپنی بیوی مسماۃ صابراں بی بی دختر محمد شریف چک نمبر 219/E.B تحصیل پاک پتن ضلع ساہیوال کو بیک وقت تین طلاقیں دے کر زوجیت سے علیحدہ کر دیا ہوا ہے۔ ازاں بعد مجھے میرے وارثان ورشتہ داران نے مجبور کر کے صلح کرا دی اور میں نے اپنی مرضی سے رجوع کر لیا ہے، کیوں کہ میرا میری بیوی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں تھا، جس پر میں خود مغموم ہوں۔ لہٰذا علمائے دین سے سوال ہے کہ بوجوہات مذکورہ یہ رجوع میرا شرعاً جائز ہے یا کہ نہیں؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ ثبوت موجود ہے، کذب بیانی ہوتو میں ذمہ دار ہوں۔ تصدیق فرمائی جاوے۔ سائل مسمی لال دین''---

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے پوچھے گئے سوال اور مولانا عبدالغفور خطیب جامع مسجد معارف القرآن کا تحریر کردہ فتویٰ ملاحظہ کرنے کے بعد حسب ذیل فتویٰ ارشاد فرمایا اور ساتھ مولانا عبدالغفور صاحب کے جاری کردہ فتویٰ کا رد اس خوب صورت انداز میں کیا کہ خود تحقیق بھی وجد میں رقصاں نظر آتی ہے۔ آپ فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ رجوع صحیح نہیں ہے کیوں کہ جب تین طلاقیں آجائیں ایک وقت اور ایک مجلس یا ایک طہر یا تین طہروں میں، جیسے بھی آئیں تو عورت بائن ہو جاتی ہے اور رجوع تو رجوع، دوبارہ نکاح بھی حلالہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں ہے:

فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ---

اور یہی فتویٰ ہے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا''---

[فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۲۹۹]

مولانا عبدالغفور صاحب نے تو اپنے فتویٰ میں صرف نسائی اور مسند احمد بن حنبل کی ایک ایک حدیث پر بنیاد رکھی تھی اور اس کے علاوہ فقہاء میں سے کسی کا کوئی قول یا کسی مستند فتاویٰ کا حوالہ نہیں دیا تھا جو یقیناً ان کے محدود مطالعہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے برعکس جب حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ اسی سوال کا جواب دیتے ہیں تو درج ذیل کتب سے متعدد حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔ آپ کے ماخذات دیکھیں:

۱..... سنن بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۳۳ تا ۳۳۰ ۹ صحابہ کی احادیث

۲......رحمۃ الامۃ، جلد۲، صفحہ ۸۰

۳......میزان شعرانی، امام شعرانی، جلد۲، صفحہ ۱۲۶

۴......احکام القرآن، جلد۱، صفحہ ۴۵۹ ۔۔۔ ۵......تفسیر فتح القدیر شوکانی، جلد۱، صفحہ ۲۱۲

۶......تفسیر فتح البیان، جلد۱، صفحہ ۳۷۰ ۔۔۔ ۷...... سنن بیہقی، جلد۷، صفحہ ۳۳۹

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مولوی عبدالغفور صاحب نے اپنے ۲۳×۳۶/۱۶ سائز کے ایک صفحہ پر مشتمل فتویٰ میں دو احادیث، ایک مشکوٰۃ شریف اور دوسری مسند امام احمد کے حوالے سے نقل کیں ہیں، جب کہ اہل علم وتحقیق سے یہ امر مخفی نہیں کہ مشکوٰۃ شریف کا حوالہ کس درجہ میں آتا ہے، جب کہ اس کے مقابلہ میں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے اس کے رد میں جو فتویٰ ارقام فرمایا وہ اگرچہ مذکورہ سائز کا ہی ڈیڑھ صفحہ ہے لیکن اسی میں تین تفاسیر اور چار کتب حدیث کے حوالہ جات پیش کیے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

آخر میں غیر مقلدین کی اس روش پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ اتہام کہ شریعت پاک کے خلاف سیاسی حکم دیا، ایک افسوس ناک چیز ہے، جو اس نازک دور میں حکومت کو یہ سبق دیتا ہے کہ سیاسی احکام قرآن وحدیث کے خلاف جائز ہیں۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ ہے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو شرعی احکام ہی نافذ فرماتے تھے، جس کی شہادت کفار بھی دیتے ہیں'' --- [فتاویٰ نوریہ، جلد۳، صفحہ ۳۰۰]

❁❁❁❁❁

محاکمہ 13

قربانی کے لیے چھترا کی عمر کے بارے ایک فتویٰ کا رد

قربانی کے لیے بھیڑ، بکری وغیرہ کا سال یا اس سے زیادہ عمر کا ہونا ضروری ہے، لیکن دنبہ اگر نظر میں بظاہر اتنا موٹا تازہ ہو کہ اگر اس کو ایک سال یا اس سے زیادہ عمر کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے تو ان سے کم معلوم نہ ہو تو اس کی قربانی کرنا بھی جائز ہے۔ چھترا کے متعلق بھی بعض علماء کا یہی موقف ہے۔ چنانچہ اسی حوالہ سے قصور کے ایک مشہور دیوبندی مولوی عبدالرحمٰن، فاضل دارالعلوم دیوبند سے سوال کیا تو انہوں نے بھی جواز کا فتویٰ دیا، سوال مع جواب ملاحظہ ہو:

''سوال دنبہ اور مینڈھا یعنی چھترا خواہ وہ مذکر ہو یا مونث، ہر دو اصناف چھ ماہ کے قربانی کے لیے جائز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب دنبہ اور چھترا ہر دو چھ ماہ کے قربانی کرنے جائز ہیں۔ اس میں حنفی مذہب کے رو سے کسی قسم کا اختلاف نہیں، حوالہ:

صح الجذع من الضان الجذع شاة لها ستة اشهر ---

''درست ہے قربانی کرنی بھیڑوں سے جذع کی اور جذع کی تفسیر خود صاحب شرح وقایہ نے کی ہے، چھ ماہ کی عمر کا جائز ہے'' --- (عبدالرحمٰن عفی عنہ، مستند دارالعلوم دیوبند)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ مولوی صاحب دیوبندی نے اپنے اس فتویٰ میں:

۱ چھ ماہ کے چھترا کی قربانی کو احناف کا متفق علیہ مسئلہ بتایا۔

۲ اپنے پیش کردہ قول کا کوئی حوالہ درج کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

۳ صاحب شرح وقایہ کی جذع کی تفسیر کا قول تو منسوب کیا لیکن نقل نہیں کیا۔

مذکورہ تین امور پیش نظر رہیں اور پھر حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کا اس ''مستند دارالعلوم دیوبند'' کا تعاقب کرنا ملاحظہ کریں۔ جب یہی سوال حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں سائل نے بطور استفتاء پیش کیا اور ساتھ ہی مولوی عبدالرحمن صاحب کا فتویٰ بھی پیش کیا تو حضرت ممدوح نے نہ صرف مولوی صاحب کا مذکورہ فتویٰ رد کیا بلکہ فقہائے احناف کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کا صحیح موقف پوری تحقیق کے ساتھ واضح کیا۔ چنانچہ چھ ماہ کے مینڈھے (چھترے) کی قربانی سے متعلق نوری تحقیق کی ضوفشانیاں ملاحظہ ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

''حسب تصریحات فتاویٰ وشروح ومتون معتبرہ مذہب مہذب حنفیہ ثنی سے کم عمر جانور قربانی کے قابل نہیں۔ ماسوا ضان کے کہ اس کا جذع بھی جائز ہے، بشرط فربہی خاص۔ مگر جذع کی تفسیر میں اختلاف ہے، محدثین اور اہل لغت کے نزدیک سال سے پہلے جذع نہیں ہو سکتا۔ کما بین فی فتح البخاری و العینی شرح البخاری و غیرھما من اسفار الشروح و اللغات المعتبرۃ اور ہمارے احناف کے تو کئی مختلف اقوال ہیں۔ کما بین الشامی وغیرہ اور ضان کا اطلاق گو چھترے پر بھی ہو سکتا ہے مگر اس ضان مستثنیٰ کو فقہائے کرام نے مخصوص ومقید فرمایا، تو یہ چھترے کو شامل نہ ہوگا'' --- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۳۳۹]

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے اس موقف کی تائید وتصویب میں جن معتبر متون وشروح اور کتب فتاویٰ کے حوالہ جات پیش کیے، ان میں سے چند ایک نام درج ذیل ہیں:

۱..... شرح وقایہ ۲..... رد المحتار (شامی)

۳..... طحطاوی علی الدر ۴..... منحۃ الخالق

۵..... مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام ۶..... فتاویٰ عبدالحی

۷..... تکملہ سلطان الفقہ

مذکورہ بالا کتب کے حوالہ جات دینے کے بعد شرح وقایہ سے "ضان" کی تعریف نقل کرتے ہیں:

الضان ما تكون له الية---

"یعنی ضان سے مراد وہ ہے جس کی چکی ہوتی ہے"---

تو بھیڑ چھترا کا استثناء نہ ہوا کہ ان کی چکی نہیں ہوتی تو اگر جذع کی تعریف احناف پر اعتبار ہے تو ضان مستثنیٰ کا معنی بھی احناف ہی سے دریافت کریں ورنہ اہل لغت و محدثین تو جذع سال سے کم عمر کو نہیں کہتے"--- [ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۴۴۹-۴۵۰]

مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اپنے فتویٰ میں دعویٰ کیا تھا کہ چھ ماہ کا چھترا قربانی پر ذبح کرنے میں فقہاء احناف کا کوئی اختلاف نہیں۔ "مستند دیوبند" کے عدم اختلاف احناف پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"نہایت تعجب ہے کہ مولانا صاحب نے جذع کی ایک تفسیر تو شرح الوقایہ سے نقل کی اور اس کے بالکل ساتھ ملی ہوئی تفسیر الضان کی چھوڑ دی۔ یہ تغافل یا تکاسل یا تساہل وہ بھی عند الافتاء، کب جائز ہو سکتا ہے؟ پھر اس پر دعویٰ عدم اختلاف جو وسعت نظر پر مبنی موجب ازدیاد تعجب ہے اور ایسے ہی شاۃ کا ترجمہ بھیڑ بھی محض ایجاد فی اللغۃ ہی ہے۔ الحاصل احتیاط و تحقیق یہ ہے کہ بھیڑ یا چھترا سال سے کم عمر کا قربانی نہ کیا جائے۔ و من ادعى الخلاف فعليه البيان بالبرهان"--- [ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۴۵۰]

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کو اللہ تعالیٰ نے تفقہ اور معرفت میں جو بلند مقام عطا فرمایا تھا اس کی بدولت حق گوئی آپ کی طبیعت ثانیہ اور مزاج کا حصہ بن گئی تھی، چنانچہ آپ کے فتاویٰ کے مطالعہ کرتے ہوئے یہ حقیقت بڑی واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ احکام شرعیہ کی توضیح و تبلیغ میں آپ نے کبھی تعصب کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ مداہنت کا شکار ہوئے۔ ایسا نہیں ہوا کہ اگر کسی اپنے ہم مسلک عالم و مفتی کی طرف سے سامنے آنے والے فتوے میں کوئی بات محل نظر دیکھ کر آپ خاموش ہو گئے ہوں بلکہ آپ کا طریقہ کار یہ تھا کہ اگر کوئی اپنا بھی غلطی کرتا تو اس کی بھی اصلاح فرماتے۔ یعنی احقاق حق کے لیے ان کے نزدیک اپنے اور پرائے کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ کچھ ایسا ہی اس زیر

بحث مسئلہ "چھ ماہ کا چھترا قربانی کے لیے جائز ہے" کا فتویٰ سید محمود احمد شاہ صاحب، خطیب دیپال پور کا لکھا ہوا آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس پر آپ نے خاموشی یا مصلحت اختیار نہیں کی بلکہ دلائل و براہین کے ساتھ شاہ صاحب موصوف کی اصلاح کی اور ائمہ وفقہاء احناف کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ فتوے کا انداز ملاحظہ ہو:

"بکری، بھیڑ، دنبہ قربانی کے لیے سال یا سال سے زیادہ عمر کے چاہیے، البتہ دنبہ کا بچہ جو بوجہ فربہی سال والوں میں مختلط ہو جائے اور چھ ماہ یا زیادہ کا (علی اختلاف الاقوال) کا ہو تو جائز ہے"---[ایضاً، جلد۳، صفحہ۳۵۱]

حکم شرعی بیان کرنے کے بعد مشابہ چھترے یا دنبے کی قربانی کے مجوزین کو دعوت غور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعض احباب بھیڑ اور چھترے کے متعلق بھی یہی سمجھ گئے ہیں مگر انہیں غور کرنا چاہیے کہ گو ضان از روئے لغت بھیڑ، دنبہ دونوں پر بولا جاتا ہے مگر اس مسئلہ میں ہمارے حضرات احناف نے لفظ الضان معرف بلام العھد سے تعبیر فرمایا ہے۔ کما فی عامة المعتبرات بلکہ یہ بھی تصریح فرما دی کہ یہ معرف و معہود ضان ہے، جس کی چکلی ہوتی ہے"---[ایضاً، جلد۳، صفحہ۳۵۱]

"اور یہ بھی قابل غور ہے کہ ضان جذع از روئے لغت وہ ہے جو پورے سال کا ہو چکا ہو۔ عنایه علی الهدایه"---[ایضاً، جلد۳، صفحہ۳۵۱]

بیان کردہ جذع کے لغوی معنی کی تائید میں درج ذیل کتب شروح حدیث، فقہ اور لغات کے حوالہ جات نقل کرتے ہیں:

۱......عنایہ علی الہدایہ، جلد۸، صفحہ۴۳۵ ۲......شامی علی الدر، جلد۵، صفحہ۲۸۱

۳......صراح، صفحہ۳۰۸ ۴......منتہی الارب، جلد۱، صفحہ۱۴۵

۵......الکفایہ علی الہدایہ، جلد۸، صفحہ۴۳۵ ۶......فتح الباری علی البخاری، جلد۱۰، صفحہ۶۴

۷......عینی علی البخاری، جلد۱۰، صفحہ۶۱

یعنی سات یہ اور مولوی عبدالرحمٰن کے رد میں لکھے گئے فتویٰ میں سات کتب ہیں، گویا کہ آپ

نے تیرہ (13) کتب کے حوالہ جات سے اپنے فتوے کو مزین کیا ہے، جس سے آپ کی وسعت نظر اور اس کی گہرائی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا۔ ضان کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ عینی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

من الضأن ما اکمل السنة و ھو قول الجمھور---

یوں آپ نے مولوی عبدالرحمن صاحب قصوری دیوبندی اور سید محمود احمد شاہ صاحب خطیب دیپال پوری کی پیش کردہ ضان کی تفسیر سے جو غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی، اس کو دور کر دیا اور واضح کر دیا کہ احناف کے نزدیک "الضان" معرف بلام العہد سے مراد چکّی والا دنبہ ہے، وہ اگر چھ ماہ کا ہو اور اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال والوں میں چھوڑ دیا جائے تو اس کا امتیاز باقی نہ رہے، تو ایسے دنبے کی قربانی کرنا جائز ہے، بصورت دیگر چھ ماہ کے دنبہ کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

✿✿✿✿✿

باب—۱۰

فتاویٰ نوریہ کے مؤیدین اور تصدیقات علماء

کسی بھی شخص کے مقام ومرتبہ اور اس کی شخصیت کا جائزہ لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی شخصیت کا اس پہلو سے بھی مطالعہ کیا جائے کہ جو ہمارا ممدوح ہے۔ اس کے ہم عصر بلند پایہ صاحبان علم ودانش اور اصحاب فکر ونظر اس کی شخصیت کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کی کہی ہوئی بات کو کس حد تک اور کیا اہمیت دیتے ہیں؟ ساری تحقیق کے بعد اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے معاصر اہل فکر ونظر نہ صرف اس کی شخصی وجاہت سے مرعوب ہو کر اس کی عزت کرتے اور آداب بجالاتے ہیں بلکہ اس کی تحقیقات اور رائے کو ثقہ سمجھتے اور صائب قرار دیتے ہیں تو پھر سمجھ لیجیے کہ وہ ہستی یقیناً اپنے زمانے کی امام اور مرجع انام ہے۔

چنانچہ جب ہم اس نقطۂ نظر سے عصر حاضر کے جدید فقہی انسائیکلو پیڈیا فتاویٰ نوریہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نہ صرف احساس ہوتا ہے بلکہ قاری جوں جوں آگے بڑھتا ہے اس کو اس امر کا یقین ہوتا چلا جاتا ہے کہ ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم مولانا الحاج مفتی ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی قادری قدس سرہ العزیز اپنے زمانے کے مرجع علماء نظر آتے ہیں۔ ہمارے اس موقف کی دلیل یہ نہیں کہ فتاویٰ نوریہ میں مستفتین کی اکثریت علماء ودانشور حضرات پر مشتمل ہے بلکہ یہ کہ اگر تنقیدی نظر سے اس کتاب کا جائزہ لیا جائے اور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں حضرت کے کئی ایسے فتاویٰ نظر آتے ہیں جن کو مشاہیر اہل علم کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے ان فتاویٰ پر نکیر

کرنے یا رد لکھنے یا کسی بھی جزئیہ سے اختلاف کیے بغیر پورے صدق وخلوص سے کام لیتے ہوئے توثیقی کلمات سے حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بے مثل تحقیقات کی تصویب و تصدیق فرمائی۔ فتاویٰ نوریہ کے ان مؤیدین میں بلاشبہ بعض ایسی ہستیاں بھی شامل ہیں جو اپنے زمانے میں علم وعمل کا ہمالیہ شمار ہوتی ہیں۔

ذیل میں ہم فتاویٰ نوریہ کی مجلدات کی ترتیب سے بقید صفحہ تائید کنندگان اور ان کے وہ الفاظ نقل کرتے ہیں جن کے ساتھ انہوں نے صاحب فتاویٰ کی تصویب و تحسین بیان کی ہے تا کہ قارئین کو فتاویٰ کی مختلف مجلدات کی ورق گردانی نہ کرنی پڑے۔ پہلے اجمالی فہرست ملاحظہ ہو، اس کے بعد تفصیلی فہرست دیکھیں۔

مؤیدین نوریہ

1	شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی	جلد۱، صفحہ ۶۷۳
2	ایضاً	جلد۲، صفحہ ۶۸۱
3	مولانا نصیر الدین رکن پوری	جلد۱، صفحہ ۷۱۵
4	ایضاً	جلد۳، صفحہ ۲۵۳
5	مولانا ابوالیسر محمد اسماعیل، بوریوالا	جلد۲، صفحہ ۵۸۰
6	مولانا ابوالضیاء محمد باقر نوری، بصیر پور	جلد۲، صفحہ ۶۲۸
7	ایضاً	جلد۳، صفحہ ۳۳۵
8	ایضاً	جلد۴، صفحہ ۲۲۰
9	ایضاً	جلد۶، صفحہ ۳۷۳
10	مولانا زبیر احمد	جلد۲، صفحہ ۶۲۸
11	علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، لاہور	جلد۲، صفحہ ۶۸۱
12	علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری	جلد۴، صفحہ ۱۴۷
13	شیخ الحدیث مولانا غلام رسول، فیصل آباد	جلد۲، صفحہ ۶۸۲
14	شیخ الحدیث مولانا غلام رسول، فیصل آباد	جلد۴، صفحہ ۱-۱۳۰
15	مولانا چراغ دین، بگی ڈل، جڑانوالا	جلد۲، صفحہ ۶۸۶

16	مولانا زید احمد نوری، شیخ فاضل	جلد۳، صفحہ ۲۵۳
17	استاذ العلماء علامہ فتح محمد جیبوی، بہاول نگر	جلد۳، صفحہ ۳۳۹
18	علامہ جلال الدین نیون شاہی	جلد۳، صفحہ ۳۳۹
19	مولانا مفتی محمد اکبر محمود پوری، بہاول نگر	جلد۳، صفحہ ۳۳۹
20	ایضاً	جلد۳، صفحہ ۴۸۱
21	مفتی اعظم ابوالبرکات سید احمد صاحب، لاہور	جلد۴، صفحہ ۱۴۷
22	مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری، بصیر پور	جلد۶، صفحہ ۳۷۳

جلد اول

۱)...... شیخ القرآن حضرت مولانا ابوالبیان غلام علی اوکاڑوی علیہ الرحمۃ جن کا شمار اس دور میں اہل سنت و جماعت کے صف اول کے اکابرین میں ہوتا ہے اور علماء کے حلقے میں انہیں ''شیخ الاسلام والمسلمین، ابوالبیان اور استاذ الاساتذہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان کو حضرت فقیہ اعظم کے علم وفضل اور تحقیقات پر کس قدر اعتماد تھا اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ نفل نماز کے باجماعت ادا کیے جانے سے متعلق حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کے لکھے ہوئے فتویٰ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نفل مع الجماعت علی سبیل التداعی مکروہ تنزیہی ہیں حرام نہیں معصیت بھی نہیں''---[جلد اول، صفحہ ۳۶۷]

۲)...... مولانا نصیر الدین صاحب جو رکن پورہ تحصیل دیپال پور ضلع اوکاڑا کے ایک معروف سنی عالم دین اور صاحب مطالعہ مفتی تھے، میت کو قبرستان لے جاتے ہوئے سر کس طرف کرنا ہے سے متعلق حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کے مرقومہ ایک فتویٰ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جواب مسئلہ جو مولوی صاحب نے لکھا ہے واقعی درست ہے، اس میں کچھ شک نہیں ہے''---نصیر الدین بقلم خود از رکن پورہ [ایضاً، صفحہ ۷۱۵]

جلد دوم

۳)...... مولانا ابوالیسر محمد اسماعیل الفریدی پاک پتنی اپنے علاقے بھر کے نامور عالم دین، مایہ ناز مدرس اور جید مفتی تھے۔ آپ فتاویٰ نوریہ، جلد دوم، باب المصاہرہ میں صاحب فتاویٰ نوریہ

کے ایک فتوے کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الجواب صحیح --- ابوالیسر محمد اسماعیل الفاکفتنی، ۲۳ ذی الحجہ المبارک ۱۳۷۸ھ --- [جلد دوم، صفحہ ۵۸]

۴)...... حضرت مولانا ابوالضیاء محمد باقر صاحب کا شمار دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے اکابر فضلاء میں ہوتا ہے، آپ حضرت فقیہ اعظم کے خاص تربیت یافتہ ہونے کے ساتھ حضرت سے گہری قرابت داری کا شرف بھی رکھتے تھے اور دارالعلوم حنفیہ فریدیہ میں ہی صدر المدرسین کے طور پر تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مولانا ابوالضیاء کو معقولات و منقولات اور عربی ادب پر کامل دسترس تھی، موصوف نکاح سے متعلق ایک فتوے کی تائید ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ما قاله الفقيه الاعظم هو الصحيح الاحكم---

ابوالضیاء محمد باقر، صدر المدرسین دارالعلوم ہذا غفرلہ۔

۲۴ ذی القعدۃ المبارک ۷۷ھ [جلد دوم، صفحہ ۶۳]

۵)...... غازیٔ کشمیر حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری کا شمار اکابر علماء میں ہوتا ہے، موصوف سندالمحدثین حضرت علامہ سید دیدار علی شاہ محدث الوری کے صاحب زادے، حضرت صدر الافاضل کے تلمیذ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلیفہ تھے۔ تحریک پاکستان، تحریک آزادیٔ کشمیر اور تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں بھرپور کردار ادا کیا، جمعیت علمائے پاکستان کے پہلے صدر، تفسیر الحسنات اور دیگر کئی کتب کے مصنف ہیں۔ موصوف نے کفو کے مسئلہ پر ایک فتوے کی بایں الفاظ تصدیق کی:

''اصاب من اجاب'' --- فقیر قادری ابوالحسنات محمد احمد قادری، خطیب مسجد وزیر خان، لاہور --- [ایضاً، صفحہ ۶۸]

۶)...... شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی کے محولہ بالا فتوے پر تصدیقی کلمات یہ ہیں:

''الجواب صحيح عندى و الله اعلم بالصواب''---

كتبه العبد الضعيف غلام على غفرله الولى المدرس فى المدرسة العربية الكائنة فى اوكارا --- [ایضاً، صفحہ ۶۸]

۷)...... استاذ العلماء، شارح بخاری شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی صاحب فیصل آباد

کے علمی مقام و مرتبہ اور تعارف کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ اصح الکتب بعد کتاب اللہ، صحیح بخاری کے شارح اور مرکز اسلام "منظر الاسلام بریلی شریف" کے خاص فیض یافتگان میں شامل ہیں۔ موصوف ایک عرصہ تک دار العلوم حنفیہ فریدیہ فرید پور جاگیر ضلع منٹگمری (حال ساہیوال) میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں، آپ غیر ولی کے کیے ہوئے نکاح سے متعلق حضرت مفتی نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لکھے ہوئے فتویٰ پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے ارقام ہیں:

الجواب صحیح لا ریب فیہ---

فقیر غلام رسول غفرلہ نائب مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ فرید پور جاگیر ضلع منٹگمری

[ایضاً، صفحہ ۶۸۲]

۸)..... حضرت مولانا محمد چراغ دین صاحب (موصوف جید فاضل اور دار العلوم حنفیہ فریدیہ کے اولین مدرس تھے) نابالغ کے نکاح سے متعلق ایک فتویٰ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الجواب ہو الموافق للصواب---

خادم الطلبہ محمد چراغ دین، مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ---[ایضاً، صفحہ ۶۸۶]

۹)..... مولانا محمد بشیر احمد صاحب بسی شریف، ہوشیار پور

الجواب صحیح و المجیب مصیب---

خادم العلماء محمد بشیر احمد، صدر مدرس مدرسہ آستانہ عالیہ بسی شریف، ہوشیار پور حال وارد دار العلوم حنفیہ فریدیہ پور جاگیر، ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ---[ایضاً]

جلد سوم

۱۰)..... مولانا فتح محمد صاحب جیبوی، ریاست بہاول پور (م ۱۹۶۹ء) کے علمی مقام و مرتبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ صاحب فتاویٰ نوریہ کے استاذ گرامی ہیں، انھیں معقولات و منقولات میں کامل درک تھا، طریقت و تصوف میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ غصے کی حالت میں اپنی بیوی کو "تو میری ماں، میری بہن" کہنے سے ظہار ہوتا ہے یا نہیں، اس مسئلہ سے متعلق حضرت فقیہ اعظم کے لکھے ہوئے ایک عربی فتویٰ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ما افتی بہ المفتی العلام فہو صحیح و حق و الحق احق ان یتبع و من ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالبیان---

خویدیم العلماء فقیر فتح محمد جیبوی، حال چنیل خلصانہ، ریاست بہاول پور

حضرت کے اسی فتوے پر دوسرے علماء کی تصدیقات بھی ملاحظہ ہوں:

۱۱)..... الجواب صحیح---عبد القادر جیبوی

۱۲)..... اصاب من اجاب و للہ درہ---بندہ جلال دین جیون شاہی

۱۳..... الجواب صحیح لا ریب فیہ---الراجی الی رحمۃ رب البر خادم العلماء محمد اکبر محمود پوری

۱۴..... الجواب صحیح و خلافہ خرط القتاد---محمد یار بیر خانوی بقلم خود

[جلد سوم، صفحہ ۳۳۹]

۱۵)..... مولانا زید احمد صاحب

طلاق کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنے کی صورت میں اگر شرط پوری نہ کی جائے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔ اس مسئلہ میں حضرت صاحب فتاویٰ نوریہ کی تحقیقات کی تصدیق یوں کرتے ہیں:

الجواب هو الجواب و الحق و اتباع الحق بلا شک و شبهة احق و منكر الجواب بلا ريب عبيد الحق---

کتبہ زید احمد غفرلہ، خطیب جامع مسجد دربار شیخ فاضل صاحب علیہ الرحمہ---[ایضاً، صفحہ ۱۵۳]

۱۶)..... مولانا نصیر الدین صاحب، رکن پورہ

بغیر طلاق لیے نکاح ثانی سے متعلق ایک فتویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے ارقام ہیں:

المجيب مصيب---

نصیر الدین بقلم خود از رکن پورہ [ایضاً، صفحہ ۳۲۴]

۱۷)..... مولانا ابو الضیاء محمد باقر نوری صاحب

طوطے کی حلت کے بارے میں شرعی حکم سے متعلق حضرت کے ایک فتویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا الجواب عين الصواب و المجيب بفضل الله مصيب و مثاب---

ابو الضیاء محمد باقر النوری القادری الاشرفی، مدرس دار العلوم ھذا---[ایضاً، صفحہ ۲۱۵]

۱۸)..... مولانا محمد اکبر صاحب، بہاول نگر

ایسی گائے جس کا سینگ (ظاہری سینگ) یا مینگ (اندرونی سینگ) ٹوٹ جائے، کیا اس کی

قربانی جائز ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ سے متعلق صاحب فتاویٰ نوریہ حضرت فقیہ اعظم نے بڑی تحقیق و تدقیق کے بعد ۲۶/۸×۲۰ کے ۹ صفحات پر مشتمل فتویٰ صادر فرمایا، جس کی تصدیق و تائید کرتے ہوئے بہاول نگر کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد اکبر صاحب لکھتے ہیں:

الجواب حق صحیح و صواب و المفتی المحقق مصیب و مصاب و الحق احق ان یتبع ---

قالہ فمہ و رقمہ قلمہ الاحقر محمد اکبر غفرلہ الاکبر، خادم دارالافتاء مفتاح العلوم بہاولنگر
۲۲ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ [ایضاً، صفحہ ۴۸۱]

جلد چہارم

۱۹)..... شیخ الحدیث حضرت مولانا غلام رسول رضوی صاحب، فیصل آباد

استقراض الحظ کے جواز سے متعلق لکھے گئے ایک فتویٰ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''استقراض الحظ قطعاً جائز ہے۔ جو شخص اس کا منکر ہو گویا کہ وہ اقوال السلف اور حدیث شریف کا منکر ہے کیوں کہ استقراض الحظ حدیث شریف اور معتبر کتب فقہیہ سے ثابت ہے۔ قبلہ مجیب صاحب نے جو جواب فرمایا ہے بالکل ان کے موافق ہے''۔۔۔

فقیر غلام رسول غفرلہ، نائب مدرس دارالعلوم حنفیہ فریدیہ --- [جلد چہارم، صفحہ ۱۳۰]

۲۰)..... استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب قدس سرہ

حضرت سید صاحب قبلہ کے تعارف کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اجل خلیفہ، تلمیذ خاص اور خود حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاذ گرامی ہیں۔ اہل سنت و جماعت کے موجودہ اکابرین بالخصوص شیوخ اساتذہ کی غالب اکثریت حضرت سید صاحب کی نگاہ کیمیا اثر کا فیضان ہی عام کر رہے ہیں۔

حضرت سید صاحب قبلہ فتاویٰ نوریہ میں حضرت فقیہ اعظم کی تحقیقات پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب متع اللہ المسلمین بانوار علومہ نے متخاصمین کے بارہ جو فتویٰ ارقام فرما کر حکم صادر فرمایا ہے، اگر تاجروں کے مابین یہی عرف و رواج ہے تو بلاشبہ درست و واجب العمل ہے، فقط کما فی المبسوط

الثابت فی العرف کالثابت بالنص --- فقیر قادری ابوالبرکات غفرلہ

ناظم ومفتی دارالعلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور پاکستان--- [ایضاً، صفحہ ۱۴۷]

۲۱)...... حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صاحب اسی فتوے کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جواب صحیح ہے---ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، خطیب جامع مسجد وزیر خاں لاہور

[ایضاً، صفحہ ۱۴۷]

۲۲)...... مولانا ابوالضیاء محمد باقر النوری نے میراث سے متعلق ایک فتوئی کی تائید میں لکھا:

القول هذا هو الحق و الحق بالاتباع احق----

ابوالضیاء محمد باقر القادری النوری عفی عنہ [ایضاً، صفحہ ۲۶۰]

جلد پنجم، ششم

۲۳)...... اذان سے قبل صلوۃ وسلام پڑھنے سے متعلق ایک فتوئی کی تصدیق کرتے ہوئے یہی مولانا ابوالضیاء یوں رقم طراز ہیں:

الجواب صحیح و المجیب نجیح---

ابوالضیاء محمد باقر نوری، صدر المدرسین دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۲۴)...... مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی فتوے کی تصدیق وتائید یوں کرتے ہیں:

الجواب هو الصواب بلا شک و ارتیاب---

ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری، نائب مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف ۴۷/۷/۷

[جلد ششم، صفحہ ۳۷۳]

✿✿✿✿✿

باب-١١

فتاویٰ نوریہ کی بعض دیگر خصوصیات

١	خطبات
٢	حواشی
٣	اصول وقواعد کا بیان
٤	ادبی اسلوب بیان
5	ناصحانہ اسلوب بیان
٦	فتوٰی کی بنیاد "اصول" پر ہے
٧	حسن استدلال
٨	کثرت حوالہ جات
٩	نظریاتی تعصب سے بالاتر
١٠	عشق ومحبت رسالت
١١	توضیحات وتنبیہات، مقدمات
١٢	اختلاف کی صورت میں معترضین کی مستند کتب کا حوالہ
١٣	اعتراف عجز وانکسار
١٤	اعتدال پسندی ومیانہ روی
١٥	سہولیات شرعیہ

فتاویٰ نوریہ کی امتیازی خصوصیات

گزشتہ صفحات میں مختلف پہلوؤں اور مختلف اعتبارات سے فتاویٰ نوریہ کا دیگر معاصر فتاویٰ سے تقابل کیا گیا ہے، جس کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ فتاویٰ نوریہ، عصر حاضر کے مروجہ فتاویٰ جات میں نہ صرف ایک اہم مقام کا حامل ہے بلکہ یہ بہت سے انفرادی پہلو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ان میں سے ہر ایک پہلو کا اگر نظر عمیق سے جائزہ لیا جائے تو ہر بحث اور ہر پہلو ایک مستقل باب ہی نہیں بلکہ مفصل کتاب کا متقاضی ہے۔ لیکن چونکہ اس طرح کام بہت طوالت اختیار کر جائے گا اس لیے چند نمایاں مگر اہم خصوصیات پر انتہائی اختصار کے ساتھ زیر نظر باب میں روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ اس کے امتیازی پہلو نمایاں طور پر سامنے آسکیں۔

اصول و قواعد کا بیان

ماخذ کتب فتاویٰ کا یہ اسلوب ہے کہ کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اس سے متعلق اہم اصول و قواعد فقہیہ کو بھی بیان کر دیا جاتا ہے تاکہ قاری اس سے پورا پورا استفادہ کر سکے مگر اس کے برعکس ہمارے ہاں بالخصوص اردو زبان میں مفتیان کرام اس کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے، اگر کہیں برسبیل تذکرہ کوئی قاعدہ لکھ ہی دیا گیا ہو تو پھر اس کی تحلیل، توضیح وغیرہ نہیں کی جاتی۔ برصغیر میں اردو زبان میں مرتبہ فتاویٰ میں آج تک اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے فتاویٰ "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ اس میں صاحب فتاویٰ نے اپنے ذوق علمی اور رجحان طبعی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اصول و قواعد کے بیان کا اسلوب اختیار کیا ہے، بلکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تو متعدد مقامات پر نہ صرف اکابر کے وضع کردہ اصول ذکر کرتے ہیں بلکہ خداداد ذکاوت فقہی سے خود بھی اصول وضع کرتے ہیں، جس کی بہت سی مثالیں ان کے فتاویٰ میں دیکھی جا سکتی ہیں، بالخصوص تیمم کے باب میں آپ کی مجتہدانہ اور اصولی شان بہت زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ کے علاوہ ہمارے پاک و ہند میں متداول اردو کتب فتاویٰ میں عموماً اس چیز کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی، اگر کسی مفتی صاحب نے یہ اسلوب اختیار کیا بھی ہے تو بہت کم، بلکہ اکثر فتاویٰ میں تو محض نقل فتویٰ کا طریقہ اپنایا ہے، کسی سوال کے جواب میں تحقیقی اسلوب ناپید نظر آتا ہے۔

برصغیر میں تاریخ فتاویٰ میں فتاویٰ رضویہ کے بعد حضرت فقیہ اعظم مولانا مفتی محمد نور اللہ کا

فتاویٰ نوریہ ہی سامنے آتا ہے، جس میں اسلاف کی پیروی کرتے ہوئے اس امر کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ فتویٰ لکھتے وقت تحقیق و تدقیق کے ساتھ ساتھ بانی مذہب کے اصولوں کو نہ صرف پیش نظر رکھا گیا ہے بلکہ موقع بموقع ان اصولوں کو نقل بھی کیا گیا ہے اور پھر ان سے استدلال اور استخراج مسائل بھی کیا گیا ہے۔ یوں اہل علم بالخصوص فقہ و قانون سے وابستہ اصحاب دانش کسی بھی خاص مسئلہ میں فتویٰ کے ساتھ اس کی اساس، اصول و قواعد اور قوانین سے بھی آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ یوں فتاویٰ نوریہ پڑھتے ہوئے یوں گمان ہونے لگتا ہے جیسے ہم کسی اصول فقہ کی کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صاحب فتاویٰ صرف فقہ و فتویٰ سے متعلق ہی اصول بیان نہیں کرتے بلکہ حدیث سے متعلق بھی اصول بیان کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں نقد حدیث پر جب قلم اٹھاتے ہیں تو ان کی محدثانہ شان یوں نکھر کر سامنے آتی ہے کہ اپنے وقت کے ایک عظیم محدث دکھائی دیتے ہیں۔ کسی بھی حدیث کو نقل کرتے ہوئے ایک حدیث کی کئی کئی اسناد بیان کرتے ہیں اور پھر ان پر جرح و تعدیل بھی اس انداز سے کرتے ہیں گویا کہ اس فن کے بھی ماہر یکتا ہیں۔

صاحب فتاویٰ نوریہ نے چھ ضخیم مجلدات پر مشتمل اپنے اس فقہی انسائیکلو پیڈیا میں جو درجنوں فقہی اصول بیان کیے ہیں، ان میں سے چند اصول ملاحظہ ہوں:

نمبر شمار	اصول	جلد	صفحہ	مطبوعہ
۱	يفتى بقول الامام على الاطلاق	۱	۱۶۷	جون ۱۹۹۷ء
۲	الاحكام تبتنى على العرف فيعتبر فى كل عصر عرف اهل زمانه	۱	۲۱۳	ایضاً
۳	الثابت بالعرف كالثابت بالنص	۱	ایضاً	ایضاً
۴	الاطلاق حجة كالنص	۳	۳۷۵	اپریل ۱۹۹۹ء
۵	ان الخصوصية لاتثبت الا بدليل	۳	۵۵۹	ایضاً
۶	ان المطلق بكتاب الله اذا امكن العمل باطلاقه فالزيادة عليه بخبر الواحد و القياس لا يجوز	۳	۵۹۵	ایضاً
۷	ان التعامل يترك به القياس لحديث ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن	۴	۱۳۶	مئی ۱۹۹۸ء

الفاظ فتویٰ سے متعلق

فقہاء مسائل فقہیہ پر بحث کرتے ہوئے قوت وضعف، راجح ومرجوح وغیرہ کے حوالے سے بعض خاص الفاظ استعمال کرتے ہیں، جب تک کسی مفتی کو ان اصطلاحات پر عبور حاصل نہیں ہوتا وہ نہ تو امہات کتب فتاویٰ میں سے مسئلہ تلاش کرسکتا ہے اور نہ ہی مختلف اقوال میں سے قوی، ضعیف کا فرق محسوس کرسکتا ہے اور نہ اقوال مختلف میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکتا ہے۔ فتاویٰ نوریہ کا ایک ایک صفحہ اس چیز کی گواہی دے رہا ہے کہ صاحب فتاویٰ کو اصطلاحات فقہاء اور ان کے فہم میں کمال مہارت حاصل ہے، اس لیے بعض مقامات پر تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا کہ وہ اپنے قاری مفتیان کرام اور علماء کو اصول افتاء کی تعلیم دے رہے ہیں اور ایک ماہر فن استاد کی حیثیت سے افتاء نویسی سکھا رہے ہیں۔ چنانچہ مختلف فیہ مسائل میں ترجیح وافتاء پر دلالت کرنے والے الفاظ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کسی مسجد کو شہید کرکے دوبارہ تعمیر کے سلسلہ میں اس کا کچھ حصہ زمین ایک طرف چھوڑ کر دوسری طرف سے اسی کے برابر شامل کرنے سے متعلق آپ حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام اعظم یعنی شیخین کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے مسجد کے لیے وقف شدہ قطعہ زمین جس پر مسجد بن چکی ہو کو دائمی طور پر اس کے مسجد ہونے اور کسی بھی طرف سے حصہ زمین کو مسجد سے خارج کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اپنے موقف کی تائید میں اقوال علماء وفقہا نقل کرتے ہیں اور وجوہ ترجیح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱ فتویٰ حضرت امام اعظم ﷫ کے قول پر دیا جائے گا۔

۲ جب امام اعظم ﷫ کی کوئی روایت نہ پائی جائے تو پھر قول ثانی جو حضرت امام ابو یوسف کا ہے، پر فتویٰ دیا جائے گا۔

۳ اس قول میں شیخین علیہما الرحمۃ کا اجتماع ہے، لہٰذا زیادہ اولیٰ واحق بالاخذ ہوا۔

۴ اس قول کو ان الفاظ سے ترجیح دی گئی ہے جو علامات افتاء سے ہیں: به یفتی، و هو الاصح، و هو الفتوی، اکثر المشائخ علیه، هو الاوجه، الفتویٰ

[فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۶۷]

پھر اپنے اس موقف اور وجوہ ترجیح کے سلسلہ میں تائید کے لیے علامہ شامی کا قول نقل کرتے ہیں:

"اما العلامات للافتاء فقوله و علیه الفتویٰ و به یفتی و به ناخذ و علیه الاعتماد و علیه عمل الیوم و علیه عمل الامة و هو الصحیح او الاصح او الاظهر او الاشبه او الاوجه او المختار و نحوها مما ذکر فی حاشیة البزدوی الی آخره و قال شیخنا الرملی فی فتاواه بعض الالفاظ اکد من بعض فلفظ الفتویٰ اکد من لفظ الصحیح و الاشبه و غیرها و لفظ و به یفتی اکد من الفتویٰ علیه----

راقم الحروف کسی قسم کی مسلکی نسبت سے بالاتر، غیر جانب دارانہ حیثیت سے عرض کرتا ہے کہ یہ اسلوب میں نے فتاویٰ رضویہ اور اس کے بعد فتاویٰ نوریہ کے علاوہ ہمارے ہاں فتاویٰ کی مروجہ کتب میں سے کہیں نہیں دیکھا۔ اس سے جو بات نکھر کر سامنے آتی ہے وہ آپ کا رسم المفتی میں بھی ماہر فن ہونا ہے۔ شرح عقود رسم المفتی میں بھی علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

و حیث ما وجدت قولین و قد ۔۔۔ صحح واحد فذالک المعتمد
بنحو ذا الفتویٰ علیه الاشبه ۔۔۔ و الاظهر المختار ذا و الاوجه
او الصحیح و الاصح اکد ۔۔۔ منه و قیل عکسه المؤکد
کذا به یفتی علیه الفتویٰ ۔۔۔ و ذان من جمیع تلک اقویٰ

کتب فتاویٰ

جملہ علوم وفنون بالخصوص فقہ کے باب میں کچھ کتب کہ متن معتبرہ کہلاتے ہیں، پھر اس کی شروحات اور حواشی ہیں، اب کیا ہر فقہ کی کتاب سے فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور پھر جن کتب سے فتویٰ دینا جائز ہے، ان کے مراتب اور درجہ بندی کیسی کی جائے گی؟ کون سی کتاب کس سے مقدم ہے؟ اس سلسلہ میں طلباء افتاء و رسم المفتی اور دیگر اہل علم کی راہنمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ بھی مسلم ہے کہ "مافی المتون" "مافی الشروح" پر مقدم ہوتا ہے اور "مافی الشروح" مقدم ہوتا ہے "مافی الفتاویٰ" پر" ---[فتاویٰ نوریہ، جلد ا، صفحہ ۲۵۷]

پھر اسی بات کو ایک اور جگہ پر عربی فتویٰ میں بھی ارشاد فرمایا:

"و ما فی المتون و لو مفهوما مقدم علی ما فی الشروح و الفتاویٰ و لو منصوصًا" ---[ایضاً، صفحہ ۲۲۸]

کتب فتاویٰ سے متعلق مزید راہنمائی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"۱ "در المختار" اور "بحر الفائق" صرف ان دونوں پر فتویٰ سرے سے جائز ہی نہیں"---[جلد ۱، صفحہ ۲۹۳]

۲ "سراج وہاج" جو فقہ کی ایک کتاب ہے، بعض مفتیان کرام اس سے بھی فتویٰ ارقام فرما دیتے ہیں، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سراج وہاج، ضعیف اور غیر معتبر کتاب ہے"---[ایضاً، صفحہ ۲۳۷]

خود صاحب فتاویٰ نوریہ جب فتویٰ لکھتے ہیں تو پہلے متون معتبرہ، پھر شروح معتمدہ اور ان کے بعد معتبر و مستند کتب فتاویٰ مثلاً فتاویٰ شامی، عالمگیری وغیرہ سے درجہ بدرجہ نقل کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے اس اسلوب افتاء نویسی نے ان کے اس فقہی شاہکار کو رسم المفتی اور آداب افتاء کی بھی ایک مستند کتاب بنادیا ہے۔

فتویٰ کی بنیاد "اصول" پر

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی چھ کتب جامع صغیر، جامع کبیر، سیر کبیر، سیر صغیر (جن کو ظاہر الروایات بھی کہا جاتا ہے) الزیادات، مبسوط (الاصل) جو فقہ حنفی کی بنیاد ہیں، اس لیے ان کو "اصول" اور "اصول ستہ" بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ فقہ حنفی کی کتب میں کتب نوادر ہیں، مثلاً امام محمد کی وہ فقہی تصنیفات جن کو ان کا کوئی ایک شاگرد روایت کرتا ہے، اس لیے ان کے مسائل مشہور نہیں، اس لیے ان کو کتب نوادر یعنی غیر مشہور کتب کہا جاتا ہے، جس میں بیان شدہ مسائل کو "مسائل النوادر" کہا جاتا ہے اور تیسرے درجہ میں کتب نوازل ہیں، جن کے مسائل کو مجتہدین کا زمانہ گزر جانے کے بعد تخریج کیا گیا، مثلاً فقیہ ابو لیث سمرقندی کی "کتاب النوازل" ایسی کتب میں مذکور مسائل کو "مسائل النوازل" کہا جاتا ہے۔ اس طرح ائمہ احناف کے بیان کردہ مسائل کے بھی تین درجے ہیں:

پہلا درجہ مسائل اصول

جن کو ظاہر الروایات کہا جاتا ہے، یعنی وہ مسائل جو حضرت امام اعظم اور صاحبین رحمہم اللہ سے مروی ہیں، ان تینوں حضرات کو "ائمہ ثلاثہ" کہا جاتا ہے۔ کبھی امام زفر اور امام حسن بن زیاد کو بھی ساتھ ملا لیا جاتا ہے مگر عام طور پر ظاہر الروایات کی اصطلاح "ائمہ ثلاثہ" کے اقوال یا ان میں سے بعض کے اقوال کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

دوسرا درجہ

یعنی وہ مسائل جو منقول و مروی تو ائمہ مذہب سے ہی ہیں مگر وہ کتب اصول ''اصول ستہ'' میں مذکور نہیں بلکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ چھ کتب کے علاوہ دوسری کتب میں مذکور ہیں، مثلاً کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات اور رقیات میں بیان کیے گئے ہوں۔ ان کو کتب نوادر اور ان میں مذکور مسائل کو مسائل النوادر غیر ظاہر الروایت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ امام محمد سے صحیح، ثابت اور مشہور روایت سے مروی نہیں یا ان کو مسائل النوادر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مسائل امام محمد کے علاوہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر تلامذہ، مثلاً امام حسن بن زیاد کی کتاب ''المجرد'' میں سے یا اس کے علاوہ دیگر کتب میں سے منقول ہوں۔

تیسرا درجہ

فتاویٰ اور واقعات کا ہے، یعنی وہ مسائل جن کو بعد کے مجتہدین نے اس وقت مستنبط کیا جب ان سے وہ مسائل دریافت کیے گئے اور ان کے بارے میں متقدمین اہل مذہب کی کوئی روایت ان کو نہیں ملی۔

کتب و مسائل کی اس درجہ بندی کے بعد ائمہ احناف کے ہاں یہ بات مسلمہ ہے کہ فتویٰ کی بنیاد ''اصول ستہ'' پر ہی ہوگی۔ اس سے اسی وقت ہٹا جا سکتا ہے جب کوئی مسئلہ ان کتب میں نہ ملے تو پھر درجہ بدرجہ دیگر کتب و مسائل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ فتاویٰ نوریہ کے مطالعہ سے یہ بات بڑی واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ہمارے مخدوم و محترم صاحب فتاویٰ نوریہ جب مسند افتاء پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو وہ راہ افتاء نویسی کی ان تمام باریکیوں سے بھی بخوبی آگاہ ہیں، چنانچہ وہ جب بھی فتویٰ لکھتے ہیں تو کتب و مسائل کے بیان کرنے میں اسلاف کی اس درجہ بندی کا نہ صرف خیال رکھتے ہیں بلکہ اس کا خصوصی اہتمام بھی کرتے ہیں، جب کہ آپ کے معاصر دیگر فتاویٰ میں یہ پہلو بہت کم نظر آتا ہے۔ اس اسلوب افتاء نویسی نے یقیناً فتاویٰ نوریہ کی ثقاہت میں اضافہ کیا ہے۔

خطبات رسائل

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے چھ ضخیم مجلدات پر مشتمل فتاویٰ نوریہ میں آپ کے چند مستقل رسائل بھی شامل ہیں، جن کی اصل یہ ہے کہ آپ سے کوئی استفتاء کیا گیا تو آپ نے اتنا مفصل تحقیقی جواب رقم فرمایا کہ وہ محض ایک فتویٰ کی بجائے مستقل کتاب یا رسالے کی صورت

اختیار کر گیا، جیسے ''رسالہ مکبر الصوت'' ایسے تفصیلی فتاویٰ جات میں آپ نے یہ اہتمام بھی کیا ہے کہ ان کو ایک مستقل خطبہ سے شروع کیا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ کے تحقیقی مطالعہ میں جن دیگر فتاویٰ کو پیشِ نظر رکھا گیا، مثلاً امداد الفتاویٰ، کفایت المفتی، فتاویٰ دار العلوم دیو بند، احسن الفتاویٰ، فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ، ان تمام فتاویٰ جات میں بھی ان کے مرتبین کے کئی مستقل رسالے موجود ہیں، لیکن انہوں نے ایسا اہتمام نہیں کیا کہ ہر رسالہ میں ایک مستقل خطبہ کا اہتمام کیا گیا ہو، یوں یہ خطبات بھی فتاویٰ نوریہ کا ایک امتیازی وصف قرار پاتا ہے۔

خطبات کے حوالے سے دوسری اہم ترین اور قابلِ توجہ بات، ان خطبات کا ادبی پہلو ہے، جس کو پڑھ کر عربی زبان وادب سے آشنا قاری ورطۂ حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور آپ کی عربی دانی وعربی نثر نویسی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کے خطبات کے ادبی پہلو کے حوالے سے بالخصوص دو چیزیں تو بہت زیادہ نمایاں ہیں:

۱ براعۃ استہلال

۲ رعایت سجع

ان دو مذکورہ ادبی خصوصیات کے علاوہ بھی ان خطبات میں تشبیہات واستعارات کی عمدہ مثالیں پائی جاتی ہیں، ذیل میں صرف دونوں کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

براعة استهلال

''براعۃ استہلال'' ایک اصطلاح ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ خطبے میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جو کتاب کے آئندہ آنے والے مشمولات کی طرف اشارہ کریں، جس کو پڑھ کر قاری یہ سمجھ جائے کہ آئندہ آنے والے مضمون میں کیا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خطبات جو آپ نے مختلف مستقل رسائل کے شروع میں لکھے ہیں، ان میں اس امر کا بطورِ خاص خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ نوریہ، جلد اول کے آغاز میں آپ نے مجموعی فتاویٰ کا جو خطبہ ارقام فرمایا ہے، اس کے چند جملے ملاحظہ ہوں:

اَللّٰهُ مُحْمِدُهٗ مُحَمِّدُهٗ مُحَمَّدٌ بِجَمَالِهٖ وَ جَلَالِهٖ وَ مُحَمَّدُ اللّٰهِ مُحَمِّدُهٗ بِإِجْمَالِهٖ وَ إِجْلَالِهٖ أَحْمَدُ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ أَمْجِدُ عَلٰى إِرْسَالِهٖ وَ إِيْصَالِهٖ وَ أُصَلِّيْ وَ أُسَلِّمُ عَلٰى حَبِيْبِيْ أَحْمَدَ قَدْرَ جُوْدِهٖ وَ نَوَالِهٖ وَ عَلٰى آلِهٖ أَنْجَالِهٖ وَ

اَشْبَالِہٖ مَعَادِنِ کَمَالِہٖ وَ اِکْمَالِہٖ وَ عَلٰی اَصْحَابِہٖ اَحْبَابِہٖ وَ اَبْطَالِہٖ مَرَایَا اَعْمَالِہٖ وَ اَحْوَالِہٖ وَ عَلَی الْمُتَفَقِّهِیْنَ فِی الدِّیْنِ مَظَاهِرِ اِیَالِہٖ وَ اَنْبِیَالِہٖ الْمُنْذِرِیْ الْمُکَلَّفِ مِنْ حَرَامِہٖ وَ حَلَالِہٖ الْمُبْصِرِیْ دَلَائِلِہٖ وَ اِسْتِدْلَالِہٖ لِیَبْلُغَ اِلٰی کَمَالِہٖ وَ یُفْلِحَ فِیْ حَالِہٖ وَ مَآلِہٖ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ فِیْ مُلْکِہٖ وَ اسْتِعْمَالِہٖ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ حَبِیْبُهٗ الْمُتَحَبِّبُ اِلَیْنَا بِاِفْعَالِہٖ وَ اسْتِمَالِہٖ---

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کا یہ خطبہ عربی ادب کا ایک نادر نمونہ ہے، فتویٰ کا تعلق فقہ و تفقہ سے ہے، اس لیے آپ حمد وثناء کے بعد بارگاہ قدسی مآب ﷺ اور صحابہ ؓ کے ذکر خیر کے بعد فقہاء کا ذکر کرنے کے لیے ''المتفقھین'' کا صیغہ استعمال کرتے ہیں، جو ''متفقه'' سے جمع مذکر سالم کا صیغہ ہے۔ یہ ''فقہ'' سے مشتق ہے، جس کا لغوی معنی ہے، سمجھ، بوجھ۔ تفقہ فی الدین کا مطلب دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنا ہے، فتاویٰ کا بھی ایک مقصد زیر بحث مسئلہ میں حکم شرعی کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ مستفتی کو دین اور دینی احکام کے بارے سمجھ حاصل ہو جائے اور اس کے لیے عمل کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ فتویٰ اور فقہ کی اس رعایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ''المتفقھین فی الدین مظاھر ایاله وانبیاله'' لکھا۔

اسی خطبہ میں ''المنذری المکلف'' میں بھی براعۃ استہلال سے کام لیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ فقہا مکلف کو حرام وحلال شرعیہ سے ڈرانے والے ہیں۔ مکلف کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ مکلف سے کیا مراد ہے؟ تو اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''من حرامه و حلاله'' یعنی دین کے حلال اور حرام سے ڈرانے والے ہیں۔

رعایت سجع

''سجع'' بھی علم البدیع کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دو یا اس سے زیادہ فقروں سے مرکب عبارت کو اس طرح لایا جائے کہ ہر فقرے کا آخری حرف یکساں ہو۔

سجع کی درج بالا تعریف کی روشنی میں فتاویٰ نوریہ کا ابتدائی خطبہ اس کی بہترین مثال ہے، چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

1 اللہ محمدہ محمدہ محمد بجماله و جلاله

۲ محمد الله محمده باجماله و اجلاله

۳ احمد الله ربی و امجد علی ارساله و ایصاله

۴ و اصلی و اسلم علی جبّی احمد قدر جوده و نواله

۵ و علی آله و انجاله و اشباله معادن کماله و اکماله

۶ و علی اصحابه احبابه و ابطاله مرایا اعماله و احواله

۷ و علی المتفقهین فی الدین مظاهر اباله و انتهاله

۸ المنذری المکلف من حرامه و حلاله

۹ المبصری دلائله و استدلاله

۱۰ لیبلغ الی کماله

۱۱ و یفلح فی حاله و مآله

۱۲ و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له فی ملکه و استعماله

۱۳ و ان محمدا عبده و رسوله و حبیبه المتحبب الینا باماله و استماله

یہ مثالیں صرف فتاویٰ نوریہ کے ابتدائی خطبہ سے دی گئی ہیں، اگر تمام خطبات کا اس طرح جائزہ لیا جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے۔

اسی طرح کتاب الصلوٰۃ، باب الاوقات میں ظہر اور عصر کی نماز کا وقت معلوم کرنے سے متعلق ایک سوال کا تحقیقی جواب دیتے ہوئے آپ نے ''تنویر فی الزوال بنور عدل فی الزوال'' کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھ دیا، اس رسالے کا خطبہ بھی عربی میں نثر نگاری کا کم یاب نمونہ ہے۔ اس میں بھی رعایت سجع کی صنعت اپنے جوبن پر دکھائی دیتی ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱ الحمد لله الذی ارسل رسوله شاهدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی الله باذنه و سراجا منیراً

۲ و به بلا واسطة او بها نور البصائر و الابصار تنویراً

۳ و صلی الله تعالی علی من ابدعه محمّداً محمّداً محبَّباً محبِّباً رؤفا رحیما نصیراً ظهیراً

۴ ففازوا وفاء وا بفیئه الی فیئه الجنة فلا یرون فیها شمسا و لا زمهریراً

وعلیٰ ظلالہ و احبابہ آلہ و اصحابہ و فیئہ الافخم الاکرم ابنہ الغوث الاعظم وعظم وفخم و سلم تسلیماً کثیراً ۵

مذکورہ بالا تسجیع کی ان مثالوں کے آخری جملوں کو دیکھنے سے اور پڑھنے سے وہی لوگ لطف آشنا ہو سکتے ہیں، جن کا عربی ادب سے تعلق اور ذوق سلیم کے مالک ہیں۔

حواشی نوریہ

فتاوی نوریہ کی نمایاں ترین خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے فاضل مصنف جب کسی سوال کا جواب لکھتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے علوم وفنون کا ماہر بڑی ہی مہارت سے بحور علوم وفنون کی غواصی کر رہا ہے۔ حضرت فقیہ اعظم جب علوم وفنون کے لولو تابدار ان بحور علم سے نکالتے ہیں تو پھر ایک ماہر جواہرات کی حیثیت سے ہر ایک کی خصوصیات و امتیازات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔ مراد یہ کہ آپ جب بھی فتوی لکھتے ہیں اگر دوران تحقیق وتحریر کوئی مشکل اصطلاح یا الفاظ آ گئے ہوں تو آپ ان کو یونہی بیان کر کے گزر نہیں جاتے بلکہ ان کی تفہیم کے لیے آپ نے حواشی کا بھی اہتمام کیا ہے، تاکہ قاری فتاوی نوریہ کا مطالعہ کرتے ہوئے کسی قسم کی علمی الجھن اور ابہام وتفہیم میں دقت محسوس نہ کرے۔ اس اسلوب فتوی نویسی سے آپ کا فتاوی نوریہ بہت ہی سہل الفہم ہو گیا ہے۔

حواشی نگاری تو اگرچہ علوم شریعہ کی کتب میں کوئی نئی چیز نہیں ہے، مگر یہ عام طور پر درسی کتب وغیرہ میں تھی، البتہ کتب فتاوی میں عموماً ایسا نہیں ہوتا تھا، برصغیر میں اب تک اردو فتاوی جات میں فتاوی رضویہ میں یہ امتیازی وصف نظر آتا ہے۔ فتاوی نوریہ جو بلا مبالغہ اور بالیقین فتاوی رضویہ کا ہی فیضان وتسلسل ہے، کہ دونوں میں دقائق بینی، کثرت حوالہ جات وحواشی وغیرہ ایسے امور ہیں، جو اپنے اپنے دور کے علمی شہ پاروں میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔

مختلف سرکاری وغیر سرکاری علمی مراکز میں موجود دور میں جو تحقیقی کام کروائے جاتے ہیں ان میں بعض ضروری پہلوؤں کو واضح کرنے کے لیے حواشی ایک لازمی عنصر سمجھا جاتا ہے، حواشی نوریہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ممدوح جدید اسلوب تحقیق سے آشنا تھے، اس لیے انہوں نے اپنے فتاوی میں یہ جدید اسلوب اختیار کیا، اس طرح کتاب کی افادیت میں یقیناً اضافہ ہوا ہے۔

حضرت فقیہ اعظم حاشیہ محض شوق تمنا کو پورا کرنے کے لیے نہیں لکھتے بلکہ حواشی میں درج ذیل

مقاصد کو پیش رکھتے ہیں، مثلاً:

۱ اگر عربی عبارت ہے تو آپ جملے کی ترکیب نحوی یا صرفی صیغہ کی وضاحت فرما دیتے ہیں، جس سے زبان و ادب سے شغف رکھنے والے قاری کو صرفی و نحوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۲ اگر اسماء الرجال سے متعلق کوئی بات ہو تو آپ اپنی نقل کردہ حدیث کے راوی سے متعلق بتا دیتے ہیں کہ یہ ثقہ ہے یا ضعیف، کس محدث نے اس پر جرح کی ہے اور کس نے تعدیل کی ہے۔

۳ کبھی حاشیہ میں سنن کے حوالے سے کوئی بات ہو تو آپ اپنی نقل کردہ حدیث کے راوی سے متعلق بتا دیتے ہیں کہ یہ ثقہ ہے یا ضعیف، جس سے قاری کو مزید بات سمجھنے یا فتویٰ میں مذکور مسئلہ کی اصل معلوم کرنے میں آسانی رہتی ہے۔

۴ کسی متن فتویٰ میں موجود کسی عربی عبارت کا آسان اور سلیس ترجمہ فرما دیتے ہیں، جس سے قاری کے لیے مزید سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

۵ کبھی اگر کوئی مسئلہ کسی فتویٰ کے ذیل میں یا مستفتی کے استفتاء میں یوں ہو کہ دو مسئلے آپس میں ایک جگہ لکھے گئے ہوں یا پوچھے گئے ہوں مگر وہ کسی دوسری جگہ مسئلہ بیان ہورہا ہو تو اس کی نشان دہی فرما دیتے ہیں کہ اس کا جواب یا یہ مسئلہ فلاں جگہ فلاں کتاب میں آئے گا۔

گویا کہ فتاویٰ نوریہ پر حضرت مصنف قدس سرہ العزیز کی طرف سے لکھے گئے حواشی انتہائی مفید ہیں، جن سے نہ صرف کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے بلکہ علوم شرعیہ اور فقہ و قانون سے وابستہ افراد کے لیے یہ مزید آسانی کا موجب ہے۔ زیر نظر مقالہ میں دیگر جو فتاویٰ جات راقم کے پیش نظر رہے، مثلاً امداد الفتاویٰ، کفایت المفتی، مجموعۃ الفتاویٰ، احسن الفتاویٰ وغیرہ، ان میں سے کسی ایک فتاویٰ میں بھی یہ انداز اختیار نہیں کیا گیا، یہی وجہ ہے ان فتاویٰ کے مطالعہ سے ایک عام آدمی جو اگرچہ علوم درسیہ سے شغف بھی رکھتا ہو، استفادہ کرنا قدرے مشکل ہے۔

حسن استدلال

حضرت فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز ایک پکے اور متصلب حنفی تھے، جواد مطلق نے اپنے خزائن علم و فضل ان پر بڑی جوادی کے ساتھ کھول دیے تھے، آپ بڑی ہی مشاق طبیعت کے مالک تھے، ذہانت اور محنت دو ایسی خوبیاں ہیں جو بہت کم لوگوں میں جمع ہوتی ہیں، مگر

حضرت فقیہ اعظم میں یہ دونوں اوصاف بتمام وکمال جمع تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ سے جب بھی کسی علمی وتحقیقی مسئلہ میں راہنمائی طلب کی گئی تو آپ نے اپنی خداداد علمی وتحقیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے زیر بحث اور تحقیق طلب مسئلہ کے ایک ایک پہلو بلکہ ایک ایک جزئی پر اس طرح علمی بحث کی کہ اس کی کوئی جہت تشنہ نہ رہی۔ دلائل وبراہین کے ساتھ جب ایک مرتبہ آپ نے کوئی رائے قائم کر لی تو پھر اس پر آپ کے معاصرین میں سے کسی کو تحقیقات نوریہ کو چیلنج کرنے اور رد کرنے کا یارا نہیں ہوا۔ اس کی ایک مثال آپ کا علمی وتحقیقی شاہ کار تاریخی رسالہ "مکبر الصوت" ہے، جس کا مرکزی مضمون نماز میں لاؤڈ سپیکر کے جواز وعدم جواز سے متعلق ہے، اس سلسلہ میں مسئلہ کے مالہ وما علیہا کا جملہ پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہوئے آپ نے نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے اور اپنے موقف کو پورے دلائل شرعیہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

جب کہ لاؤڈ سپیکر ابھی نیا ہی متعارف ہوا تھا اور حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اس کے جواز پر فتویٰ بھی منظر عام پر آ گیا تو چوں کہ اکثر علماء ابھی اس سائنسی ایجاد سے زیادہ متعارف نہیں تھے، اس لیے وہ بالخصوص نماز کے اندر اس کے استعمال کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اس وجہ سے بہت سے علماء حضرت موصوف کے فتویٰ پر متردد ہوئے اور بعض نے اس میں اختلاف بھی کیا، مگر آپ کے موقف کے خلاف فتویٰ کسی نے نہیں دیا۔

یہ آپ کی علمی وجاہت، فقہی ثقاہت اور فکری اصابت تھی، جس کے سامنے بڑے بڑے اساطین علم دم بخود رہ گئے لیکن مرور زمانہ کے ساتھ رجال دین نے دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں جس طرح کثرت سے لاؤڈ سپیکر کا استعمال کیا ہے اس نے حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اصابت رائے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

حوادث جدیدہ ہوں یا مسائل قدیمہ، کسی بھی مسئلہ میں فتویٰ دیتے ہوئے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ ہمیشہ حضرت امام اعظم اور صاحبین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے بیان کردہ اصول وقواعد کو مدنظر رکھتے تھے۔ فتویٰ ہمیشہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ارقام فرماتے۔ پھر علی الترتیب حسب ضابطہ واصول، حکم شرعی واضح کرتے تھے۔ کسی بھی مرحلہ تحقیق میں آپ کا قلم بے راہ روی اختیار کرتے ہوئے آزاد روی کی روش نہیں چلا کہ کہیں آپ خود کو "مجتہد مطلق" سمجھتے ہوئے اصول احناف کو پس پشت ڈال دیں۔ چنانچہ آپ کا طریقہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ فتویٰ نویسی

میں اپنے مذہب کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے پہلے آیات قرآنیہ سے استدلال کرتے ہیں
پھر حدیث وسنت سے، اس کے بعد اجماع وقیاس سے حسب ترتیب اپنے موقف ورائے کی
تصویب کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے اس حسن استدلال کی تحسین کرتے ہوئے مفسر قرآن،
مفکر اسلام، ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ فرماتے ہیں:

''فتاویٰ میں فقیہ العصر علامہ بصیر پوری نے اپنی فقہی رائے کی تائید وتوضیح کے
لیے دلائل کو اس ترتیب سے بیان کیا ہے کہ اس سے بہتر اور عمدہ ترتیب ممکن نہ تھی، مثلاً
سب سے پہلے وہ قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں، اس کے بعد احادیث نبوی
سے اور پھر علماء وفقہاء کی تحقیقات وعبارات سے''---

[تاریخ فقہ میں فتاویٰ نوریہ کا مقام، مشمولہ فتاویٰ نوریہ، جلد ۲، صفحہ ۵۱۳، طبع دوم ۱۹۸۸ء]

حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چونکہ ایک بالغ نظر، روشن دل وروشن خیال اور ژرف نگاہ
عالم دین تھے، اس لیے آپ محض لکیر کے فقیر بننے کی بجائے اصول واحکام کے ساتھ ساتھ ان
نصوص شرعیہ کی شرعی علتوں اور تکوینی حکمتوں کو بھی فتویٰ لکھتے ہوئے اپنے پیش نظر رکھتے تھے۔
بقول ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن بخاری، ایسوسی ایٹ پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد:

''حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاویٰ کی ایک اور
بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ آپ اپنی فکری تحقیق کو نہ صرف قرآن وسنت کی محکم نصوص،
ائمہ دین اور فقہاء کرام کی تصریحات اور ٹھوس عقلی دلائل کی روشنی میں پیش کرتے ہیں
بلکہ حسب ضرورت فقہی احکام کی سماجی مصلحتیں، شرعی علتیں اور تکوینی حکمتیں بھی اجاگر
کرتے ہیں۔ پھر مزید برآں یہ کہ فقہی مسائل کو اصولی دلائل، کلی قواعد اور عقلی ضوابط
کے آئینے میں بھی نمایاں کرتے چلے جاتے ہیں۔ جزئیات کا استنباط قواعد وکلیات کی
روشنی میں اور اصول وضوابط کی نت نئی تفریعات کا استخراج ایک خاص فقیہانہ شان
سے آپ کے فتاویٰ میں ملتا ہے''----

[فتاویٰ نوریہ کا علمی مقام، مشمولہ نور الحبیب، شمارہ نومبر، دسمبر ۱۹۹۳ء، صفحہ ۳۴]

حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس اصول فقہیہ سے بخوبی آگاہ تھے:

من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل---

بایں ہمہ آپ ''تغیر الاحکام بتغیر الزمان'' ایسے اصول مسلمہ کی حقیقی معرفت بھی رکھتے تھے۔اس سے متعلق خود آپ کا اپنا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

سوال کیا گیا تھا کہ کیا آج کل کے کسی عالم کو مجدد وقت کے محققانہ شرعی فتوی میں کسی ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل ہے؟ اس کے جواب میں آپ مخلص خادم دین اور دردمند عالم دین ہونے کی حیثیت سے اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں:

''ہاں، مجدد وقت کی ایسی ہدایات و تصریحات (جو کتاب و سنت سے مستنبط ہیں) کی روشنی میں یوں ہو سکتا ہے۔ بلکہ عملاً خود مجدد وقت ہی اس کا سبق بھی دے چکے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ ہو۔

تعجب ہے کہ خود مستفتی صاحب کو روز روشن کی طرح معلوم ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے محققانہ اقوال و فتاوائے شرعیہ کی موجودگی میں حضرات صاحبین وغیرہما اجلہ تلامذہ بلکہ متاخرین کے بھی بکثرت ایسے اقوال و فتاوی ہیں جو ان کے خلاف ہیں، جن کی بناء قول صوری و ضروری وغیرہ اصول ستہ پر ہے، جس کی تفصیل فتاوی رضویہ، جلد ۱، صفحہ ۳۸۵ وغیرہا میں ہے۔ بلکہ یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ خود ہمارے مجدد برحق نے صدہا نہیں بلکہ ہزارہا تطفلات ہیں جو صرف متاخرین نہیں بلکہ متقدمین حضرات فقیہ النفس امام قاضی خان وغیرہ کے اقوال و فتاوی شرعیہ پر ہیں، جن میں اصول ستہ کے علاوہ سبقت قلم وغیرہ کی صریح نسبتیں بھی مذکور ہیں۔

اور یہ بھی نہاں نہیں کہ ہمارے مذہب مہذب میں مجددین حضرات معصوم نہیں تو تطفلات کا دروازہ اب کیوں بند ہو گیا؟ کیا کسی مجدد کی ہی کوئی تصریح ہے یا کم از کم انہی کی تصریح ہو کہ اصول ستہ کا زمانہ اب گزر گیا۔ لہٰذا لکیر کا فقیر بننا فرض عین ہو گیا۔ کیا تازہ حوادثات و نوازل کے متعلق احکام شرعی موجود نہیں کہ ہم بالکل صم بکم بن جائیں اور علمائے اغیار کے ان کافرانہ مزعومات کی تصدیق کریں کہ معاذ اللہ اسلام فرسودہ مذہب ہے۔ اس میں روزمرہ ضروریات زندگی کے جدید ترین ہزارہا تقاضوں کا کوئی حل ہی نہیں۔ لاحول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم''۔۔۔

[فتاوی نوریہ، جلد ۳، صفحہ ۳۳-۵۳۲]

بلاشبہ حضرت کے اس اسلوب فتویٰ نگاری نے اس کتاب کو محض فتاویٰ کی کتاب ہی نہیں رہنے دیا بلکہ یہ اصول عمرانیات اور رسم المفتی و آداب فتاویٰ کی ایک کتاب کی حیثیت بھی اختیار کر گئی ہے اور جدید فتویٰ نویسی کی ایک مستقل کتاب بنا دیا ہے، جس میں علم و فکر کا ایک تخلیقی دھارا بہہ رہا ہے۔

زبان و ادب کی چاشنی

فقہ و فتاویٰ کی کتب بالعموم خشک اور ثقیل و بھاری بھر الفاظ کی بھر مار کی وجہ سے بوریت سے بھرپور ہوتی ہیں، چنانچہ ایک عام قاری عربی و فارسی کی مشکل تراکیب اور وزنی الفاظ کو پڑھتے ہوئے اکتاہٹ محسوس کرنے لگتا ہے، اس لیے وہ زیادہ دیر تک ایسی کتاب سے مطالعہ کا رشتہ قائم نہیں رکھتا، چنانچہ وہ صرف ضرورت کی چیز مطلوبہ مسئلہ دیکھتا ہے اور کتاب کو ایک طرف رکھ دیتا ہے، لیکن اس کے برعکس صاحب فتاویٰ نوریہ کا اسلوب نگارش اس قدر عمدہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کو اگرچہ دینی علوم و فنون سے کوئی شغف نہ بھی ہو اور وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے تو اپنے فہم کے مطابق اس سے وہ بھی استفادہ کرتا ہے۔ جہاں تک علوم درسیہ شرعیہ سے واقفیت اور ان میں مہارت رکھنے والے قاری کا تعلق ہے تو ایسا شخص جب اس کا مطالعہ کرتا ہے تو پڑھتا ہی چلا جاتا ہے مگر کوئی تکان محسوس نہیں کرتا۔ انداز تحریر اس قدر عام فہم اور سہل ہے کہ ایک ایک مسئلہ دل نشین ہوتا چلا جاتا ہے۔ حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اگر کوئی تنقید بھی کرتے ہیں تو اپنا پرایا کوئی بھی نشتر تنقید کی چبھن محسوس نہیں کرتا۔ آپ کی تحریر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جہاں کوئی خرابی نظر آئی، تو آپ مستفتی یا عام لوگوں کو اس حکیمانہ انداز میں اپنی قلمی زبان سے سمجھاتے ہیں کہ ہر پڑھنے والا آپ کو اپنا سب سے بڑا خیر خواہ سمجھتا ہے۔

ایک حنفی فقیہ ہونے کی بنا پر آپ کا یہ مسلک تھا کہ عاقلہ، بالغہ، حرہ اپنے نفس کی مالکہ ہے، اس لیے اگر وہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو یہ نکاح درست ہے اور نافذ ہوگا۔ چنانچہ اس قسم کا ایک مسئلہ آپ کی خدمت میں حجرہ شاہ مقیم سے بھیجا گیا، سوال کا خلاصہ یہ تھا کہ باپ نے پہلے اپنی لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کرنے کا وعدہ کیا اور پھر اس کے لیے دن بھی مقرر ہو گئے مگر بیس دن پہلے باپ اپنے وعدہ سے پھر گیا تو لڑکی چند دن انتظار کرنے کے بعد اس لڑکے کے گھر چلی گئی اور نکاح کر لیا، بعد میں باپ نے لڑکی کو اس کی رضامندی کے خلاف مار پیٹ کر واپس لے لیا اور اس کے بطن سے ہونے والی بچی کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس دلیل کی بنا پر کہ یہ نکاح میری

اجازت کے بغیر ہوا تھا، اس لیے جائز نہیں۔ یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ جب لڑکی نے نکاح کیا تو اس کی عمر پچیس سال کی تھی۔ اس سوال کے جواب میں دلائل شرعیہ کے ساتھ مسئلہ کی حقیقت واضح کرتے ہوئے آپ نے والد پر سخت تنقید کی اور اس کے طرز عمل کی تردید کی، مگر اس کے ساتھ ساتھ لڑکی کے اپنی مرضی سے نکاح کے عمل کی تصدیق کرتے ہوئے عام مسلمان بچیوں کو نصیحت کے انداز میں فرماتے ہیں:

"البتہ بہترین صورت یہی ہے کہ اپنے والد اور والدہ کی وساطت سے غور و خوض کرے کہ بے حیائی کی طرف منسوب نہ ہو" --- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۲، صفحہ ۲۶۴]

اسی ایک جملہ کی روشنی میں آپ کے نظریہ تربیت کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ اس انداز سے بات کرنا کہ چند الفاظ میں پورا فلسفہ اخلاقیات سما جائے، یہ بھی زبان و بیان کا ایک شاہکار ہے۔ بطور خاص الفاظ "تا کہ بے حیائی کی طرف منسوب نہ ہو" اسلام کے پورے فلسفہ اخلاق و عمرانیات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔

حسب ضرورت اور موقع و محل کے مطابق تحریر میں ایجاز و اختصار اختیار کرنے اور کہیں کہیں اطناب و طوالت سے کام لینا اس سے بھی حسن تحریر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ انداز ذوق سلیم رکھنے والے قاری کے دل کو لبھاتا ہے اور پڑھنے و سننے والے کو تھکاوٹ اور اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا، گویا کہ قاری علم و فکر کے سمندر میں تیر رہا ہوتا ہے، کہیں پانی تھوڑا ہوتا ہے تو وہ باہر کی دنیا کا نظارہ کرتا ہے اور کہیں پانی اتنا گہرا ہوتا ہے کہ وہ اس کی تہوں کا کھوج لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایجاز اور اختصار کا موقع ہو تو قادر الکلام خطیب و کاتب ایک ایسا انداز کرتا ہے جہاں پہاڑ سمٹ کر رائی بنتا نظر آتا ہے اور دریا کوزے میں بند نظر آتا ہے، ایسا قادر الکلام شخص ایک ہی جملے میں اپنا تمام مدعا اور مقصود مخاطب کے ذہن میں منتقل کر دیتا ہے۔

فتاویٰ نوریہ کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنف اس فن سے بخوبی آگاہ ہیں، ان کے ہاں ایجاز و اختصار اور اطناب و طوالت سب کچھ پایا جاتا ہے اور اس کی متعدد مثالیں تلاش کی جا سکتی ہیں، مثال کے طور پر فتاویٰ نوریہ، جلد پنجم، صفحہ ۱۸۲، مطبوعہ نومبر ۲۰۰۳ء، پر سجادہ نشین کے فرائض و اختیارات اور بزرگ متوسلین سے برتاؤ کے بارے میں تین سوالات آپ سے پوچھے گئے ہیں، صفحہ ۱۸۳ پر ان کے جواب اس مدلل انداز کے ساتھ دیے گئے ہیں، جو ایجاز و اختصار کا ایک عمدہ نمونہ

پیش کرتے ہیں کہ ایک ہی جواب میں تینوں سوالوں کے جوابات جمع کر دیے گئے ہیں، جن کو پڑھ کر کوئی بھی قاری کسی قسم کی تشنگی محسوس نہیں کرتا۔ حضرت ممدوح اپنی تحریر کی اس خوبی سے خود بھی آگاہ تھے، اس لیے اس مختصر مگر جامع جواب کے آخر میں نورِ یقین سے بھرپور یہ جملہ لکھا ہے:

''بفضلہٖ وبکرمہٖ تعالیٰ اس مختصر جواب سے آپ کے تمام سوالوں کے جوابات مع حوالہ جات تفصیلاً واضح ہو گئے''۔۔۔

اسی طرح فتاویٰ نوریہ، جلد اول، مطبوعہ ۱۹۹۷ء، صفحہ ۱۱۵ پر ایک استفتاء پانچ سوالوں پر مشتمل ہے اور ان کے جوابات آٹھ بڑے سائز کے صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور ہر جواب دلائل اور درجنوں حوالہ جات سے مزین ہے، جب کہ اس کے ساتھ ہی اسی جلد کے صفحہ ۱۲۳ پر ایک استفتاء کے ذیل میں سات سوالات پوچھے گئے ہیں، مگر ان سات سوالات کے جوابات ایک ایک دو دو سطروں میں ختم ہو جاتے ہیں، یوں کہیے کہ سوالات اور جوابات کا حجم تقریباً برابر ہے، مگر ایک قاری دونوں فتاویٰ کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے نہ تو جواب میں طوالت و اطناب بوجھل محسوس ہوتا ہے اور نہ اختصار و ایجاز بارِ خاطر لگتا ہے، بلکہ دونوں استفتاءات کے جوابات کے مطالعہ سے وہ قلبی اور علمی تشفی اور علمی سیرابی کے خوش گوار احساسات سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

ایجاز و اختصار اور اطناب و طوالت کی مثالیں ہمیں فتاویٰ نوریہ میں کثرت کے ساتھ ملتی ہیں، جب کہ ہمارے پیشِ نظر دیگر فتاویٰ جات مثلاً فتاویٰ دار العلوم دیوبند وغیرہ میں زبان و بیان کی یہ رعنائی تحریر کی یہ شوخی نظر نہیں آتی، ممکن ہے کہ یہ کہیے کہ فتاویٰ میں اختصار ہی ہونا چاہیے، مگر آج کل جہالت اور تعصب کی وجہ سے زیادہ تفصیل ضروری اور مناسب ہے۔ فتاویٰ نوریہ کے فاضل مصنف ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ فتویٰ نویسی کے وقت اس دور کے تمام تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے تھے اور پھر ضرورت کے مطابق طوالت و اختصار کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

ناصحانہ اسلوب بیان

ایک بالغ نظر دیدہ ور مفتی کسی بھی الجھے ہوئے مسئلے کا حل اس طرح پیش کرتا ہے کہ اس میں کہیں کوئی الجھن ہو تو اس کی اصلاح ہو جائے گویا کہ مفتی اپنے فتویٰ سے اصلاحِ احوال کا فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے اور احکامِ شرعیہ کی حکمتیں بھی واضح کرتا ہے۔ حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاویٰ کا مطالعہ کرنے سے یہ پہلو بڑا نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے کہ اگر کسی مفتی نے کوئی

مسئلہ دریافت کیا، جس میں آپ نے محسوس فرمایا ہو کہ اس کو نصیحت یا تنبیہ کی ضرورت ہے تو آپ اس فریضہ سے غفلت نہیں برتتے بلکہ ایک حکیم و مصلح اور ناصح و خیر خواہ کی حیثیت سے اصلاح کرنے کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔ مثال دیکھنا ہو تو فتاویٰ نوریہ، جلد دوم، صفحہ ۲۲۳، مطبوعہ ۱۹۸۸ء دیکھیے، ایک فتویٰ میں مسئلے کی توضیح کرنے کے بعد مستفتی کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عاقل وہ ہے جو دنیا میں ذخائر اخرویہ اور خزائن ابدیہ پُر کرے، نہ یہ کہ وہاں ابدی اٹھاتے ہوئے جیفۂ دنیائے دنیہ پر گرے''۔۔۔

کئی سالوں کی واجب الاداء زکوٰۃ سے متعلق ایک فتویٰ میں استفتاء کے مختلف پہلوؤں کی شرح و تفصیل دلائل و براہین سے واضح کرنے کے بعد ، نصیحت کے انداز میں ارشاد فرماتے ہیں:

''امید غالب ہے کہ بار بار پڑھنے سے با آسانی سمجھ سکیں گے، ورنہ آ کر سمجھ لیں کہ اب وقت ہے، قیامت میں حساب پورا کرنا مشکل ہو جائے گا''۔۔۔

[فتاویٰ نوریہ، جلد ۲، صفحہ ۱۵۵]

آپ کی عادت بھی تھی اور طبیعت بھی کہ آپ بھی حق کے مقابلہ میں مخالف کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے، پوری زندگی تحریر و تقریر کے ذریعہ حق گوئی اپنا شعار رکھا اور اپنے طلبہ کو بھی اور متوسلین کو بھی حق گوئی کی تلقین کرتے رہے۔ آپ کے ایک شاگرد مولانا محمد صابر وٹو قوری جو کسی مسجد میں خطابت کے فرائض ادا کرتے تھے، ایک شرعی مسئلہ میں ان کا بعض لوگوں سے نزاع ہو گیا، کچھ علماء بھی اس میں شریک تھے جو مولانا وٹو سے اختلاف رکھتے تھے، چنانچہ انہوں نے نزاعی مسئلہ میں حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فتویٰ طلب کیا، آپ نے فتویٰ لکھنے کے بعد آخر میں مستفتی کو تسلی دیتے ہوئے لکھا:

''لہٰذا آپ آئندہ کے لیے بھی مضبوط رہیں کہ یقیناً حق پر ہیں، مخالفت پر گھبرانا نہیں چاہیے، کام چھوڑنے سے مخالفت ہرگز نہیں چھوڑتی، جو بھی نیا کام کرو گے حق کہ ہل چلاؤ گے تو پھر بھی مخالفت ہو سکتی ہے، جو وٹوؤں کا قومی کام ہے''۔۔۔

[فتاویٰ نوریہ، جلد ۲، صفحہ ۱۱۶]

اپنے ایک اور شاگرد مولانا منظور احمد ربانی کو اسلامی اصول دعوت اور ان کی حکمت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بہر حال یہ مسائل بڑے ہی واضح ہیں، باقی چک والوں کا نہ جاننا یہ کوئی دلیل نہیں، وہ بیچارے تو بہت سے مسائل نہیں جانتے۔ بے علموں کو پیار اور محبت سے سمجھایا کریں، ربانی عالم کا یہی وتیرہ ہوتا ہے''---[فتاوی نوریہ، جلد ۶، صفحہ ۵۹۹]

عشق و محبت رسول اللہ ﷺ

عشق و محبت رسول اللہ ﷺ کی دولت سرمدی ایک بندۂ مومن کا سرمایہ حیات ہوتا ہے اور وہ ہمہ وقت اسی عشق کی گرمی میں جلتا ہے اور اس کی خواہش ہی نہیں، عملی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر کس و ناکس کو اپنے محبوب سرکار مدینہ ﷺ کے جلوۂ حسن کا اسیر کر کے اپنا شریک محبت کرنا چاہتا ہے، یہ تو ایک عام مومن صالح کی بات ہے چہ جائیکہ کوئی عالم باعمل اور عارف کامل بھی ہو اور مفتی وقت بھی ہو تو بھلا اس کی یہ تمنا اور خواہش کیوں نہ ہوگی کہ دنیا کی مادی محبتوں کے اسیر بندے ان دنیاوی محبتوں سے آزاد ہو کر محبوب رب العالمین ﷺ کی حقیقی محبت کے اسیر بن جائیں۔

فقہ اور فتوی کا تعلق علوم ظاہری سے ہے، اس میں عشق و محبت کی بات نہیں ہوتی اور نہ اس کا تذکرہ لگایا جاتا ہے، یہاں تو حلال و حرام، جائز و ناجائز اور کفر و اسلام ایسے نازک مسائل حیات زیر بحث آتے ہیں، اس وجہ سے ایک ظاہر بین عالم کی خشک طبعی اپنے قاری کے لیے بوریت کا سامان پیدا کرتی ہے اور جذبات میں دوری کے احساسات جنم لیتے ہیں۔ اس لیے بہت کم فتاوی ہیں جن میں قاری حلال و حرام کے پھیکے پن کے باوجود عشق و محبت رسول اللہ ﷺ، محبت صحابہ و اہل بیت اور اولیاء کرام و صلحاء امت سے عقیدت و ارادت کی چاشنی بھی پائے، جس سے اسے حلاوت ایمانی اور سرور روحانی کی دولت بھی نصیب ہو۔ یہ شرف و امتیاز بلا مبالغہ اور بلا شبہ برصغیر کے فتاوی جات میں صرف اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی اور آپ کے ہم فکر مفتیان کرام کے فتاوی جات کو ہی حاصل ہے کہ انہوں نے فتویٰ نویسی جیسے خشک موضوع کو بھی عشق و محبت رسول ﷺ کے فروغ کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ عشق رسول ﷺ کا جو بحر بے کنار فتاوی رضویہ، فتاوی امجدیہ، فتاوی نعیمیہ وغیرہ میں نظر آتا ہے، اس کی موجوں کی روانی ہمیں فتاوی نوریہ میں پورے جوبن پر نظر آتی ہے۔ فتاوی نوریہ کی ایک ایک سطر اطاعت رسول اللہ ﷺ کا درس دیتے ہوئے خوش بوئے رسول ﷺ کی مہکار سے مہک رہی ہے۔

حضور سید عالم ﷺ کے سایہ کی نفی سے متعلق مولانا نصیر الدین رکن پوری کے ایک استفتاء کے

جواب میں رقم طراز ہیں:

''بلا شک وبلا شبہ وریب آنحضور پر نور ﷺ نور علیٰ نور ہیں، اس دعویٰ پر شاہد عادل ایمان مومن ہی کافی ووافی ہے، جمہور آئمہ کرام وعلماء عظام قرناً فقرناً تصریحات فرماتے چلے آرہے ہیں کہ آنحضور ﷺ نور ہیں اور ''نور'' آنحضرت ﷺ کے اسمائے مبارکہ میں سے ہے اور احادیث مبارکہ سے اس نورانیت کی شعاعیں اپنی چمک دمک سے ابصار وبصائر کو منور فرما رہی ہیں اور سب سے بڑھ کر شہادت ہے جو خود اس نور کے پیدا فرمانے والے نے صراحۃً بیان فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے ''قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین'' ''تحقیق آیا تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک نور اور کتاب روشن، آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ اس نور سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور واؤ عاطفہ اسی طرف اشارہ کرتی ہے''--- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۵، صفحہ ۷۳-۷۴]

اس مختصر سے اقتباس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے اپنے فتاویٰ میں کس طرح عشق ومحبت کی جوت جگائی ہے، آپ کو اپنے آقا ومولیٰ سرکار مدینہ روحی فداہ ﷺ کے ساتھ جو عشق تھا، اس کی چند جھلکیاں دیکھنا ہوں تو پھر آپ فتاویٰ کے چند مقامات کو ضرور ملاحظہ کریں تو آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ آپ جب اسم گرامی ﷺ ذکر کرنا چاہتے تو کس والہانہ انداز میں کرتے ہیں، صرف چند نوری جملے بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں:

۱ ''بلا شک وشبہ وریب حضرت رب العالمین نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو غیب عطا فرمایا اور عالم ما کان و ما یکون بنایا''--- [فتاویٰ نوریہ، جلد ۵، صفحہ ۸۶]

۲ ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گستاخ کافر ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے''--- [ایضاً، ۲۰۶]

۳ ''واللہ، باللہ ضرور بالضرور حضور پُرنور سید عالم ﷺ دنیا وآخرت میں رحمۃ للعالمین ہیں اور بالخصوص مومنین کے لیے رؤف ورحیم ہی ہیں اور شافع ہیں''--- [ایضاً، صفحہ ۱۳۵]

❁❁❁❁❁
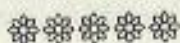
مآخذ و مراجع

نمبر	نام کتاب	جلد	مصنف	اشاعت
۱	قرآن کریم			
۲	صحیح مسلم		امام مسلم بن حجاج قشیری	
۳	فتاویٰ نوریہ		فقیہ اعظم مفتی محمد نور اللہ نعیمی	
۴	فتاویٰ دار العلوم دیوبند		مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی	
۵	کفایت المفتی		مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی	
۶	امداد الفتاویٰ		مولانا اشرف علی تھانوی	
۷	احسن الفتاویٰ		مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی	
۸	فتاویٰ رشیدیہ مشمولہ تالیفات رشیدیہ		مولانا رشید احمد گنگوہی	
۹	امداد الاحکام		مولانا مفتی ظفر احمد عثمانی	
۱۰	فتاویٰ علمائے اہل حدیث	پنجم	ابو الحسنات علی محمد سعیدی	
۱۱	رسائل و مسائل		مولانا ابو الاعلیٰ مودودی	
۱۲	جدید فقہی مسائل		مولانا سیف اللہ خالد	
۱۳	مجموعۃ الفتاویٰ		مولانا عبد الحی لکھنوی	
۱۴	فتاویٰ سلفیہ		مولانا محمد اسماعیل سلفی	
۱۵	تذکرۃ المحدثین		مولانا غلام رسول سعیدی	
۱۶	علوم القرآن		مولانا محمد تقی عثمانی	

نمبر	کتاب	جلد	مصنف
۱۷	اکابر تحریک پاکستان		محمد صادق قصوری
۱۸	تحریک پاکستان اور علمائے کرام		ایضاً
۱۹	تذکرہ علمائے اہل سنت		مولانا محمد صدیق ہزاروی
۲۰	تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور		علامہ اقبال احمد فاروقی
۲۱	تذکرہ اکابر اہل سنت		مولانا عبدالحکیم شرف قادری
۲۲	الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریۃ		مولانا صدیق الحسن بھوپالی
۲۳	الیواقیت المہریہ		مولانا غلام محمد علی چشتی
۲۴	ظفر المصلین		مولانا محمد حنیف دیوبندی گنگوہی
۲۵	آلات جدیدہ کی شرعی حیثیت		مولانا مفتی محمد شفیع
۲۶	سہ ماہی منہاج		سید محمد متین ہاشمی
۲۷	معدن الحقائق شرح کنز الدقائق		مولانا محمد حنیف گنگوہی
۲۸	تقویۃ الایمان		مولانا اسماعیل دہلوی
۲۹	بستان المحدثین		شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
۳۰	کشف الظنون	دوم	حاجی خلیفہ
۳۱	حجۃ اللہ البالغہ		شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۳۲	فتاوی محمودیہ	اول	مفتی محمود حسن گنگوہی
۳۳	فتاوی نذیریہ	اول	مولانا نذیر حسین دہلوی
۳۴	شرح عقود رسم المفتی		علامہ ابن عابدین
۳۵	براہین قاطعہ		شیخ خلیل احمد انبیٹھوی
۳۶	میزان الشریعۃ الکبری	اول	امام عبدالوہاب شعرانی
۳۷	رد المحتار	اول	امام شامی
۳۸	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	اول	ملا علی قاری حنفی
۳۹	فیض عارفین		صاحبزادہ محمد فیض الحبیب اشرفی
۴۰	ماہنامہ نور الحبیب	متعدد شمارے	صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری